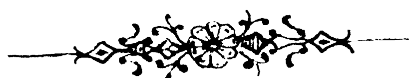
رجسٹرڈ نمبر

جامے ست جہان نما ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

الناظر



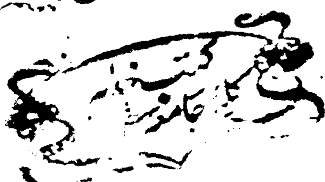
فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

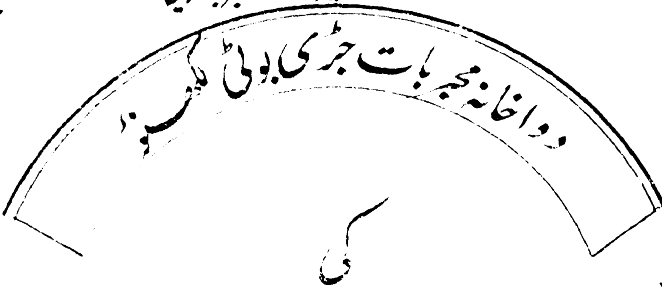
نمبر ۱۹ — یکم جنوری سنہ ۱۹۱۱ء — جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہو کر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا



سب دوائین فقیرون کے مجربات ہین



کی

ادویہ اپنے سریع الاثر اور کثیر المنفعت ہونیکی وجہسے ہر حصہ ملک مین مشہور ہین

عرق ممیرہ - امراض چشم کے واسطے اکسیر الخاصیت - دافع نزول الماء - جاذب رطوبات جالی - مقوی بصر - ہر طرح کی شکایات متعلق بصارت کا قطعی علاج اور ہر عمر کے آدمی کو یکسان مفید ہے - حالت صحت مین بھی اسکا استعمال بیحد فائدہ دیتا ہے - قیمت فی تولہ ۲ ؎

سفوف سامری - مقوی معدہ و اعصاب و دماغ و مولد خون صالح ہے مثلہ اور گردہ کی بیماریون مین مفید ثابت ہوا ہے - اور سرفہ کہنہ ضیق النفس و اختلاج قلب کا دافع (خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک) قیمت فی تولہ للعہ

حبوب بخار - تپ فصلی کے واسطے اکسیر کا کام کرتی ہین - بخار کی حالت مین بھی استعمال ہو سکتی ہین (خوراک ایک گولی) فی ڈبیہ جسمین ۱۲ گولیان ہوتی ہین ۴ ۳۰ [illegible]

حبوب تپ کہنہ و سرفہ کہنہ - یہ ایک نہایت بے مثل چیز ہے - مگر اسکے استعمال کیوقت سخت پرہیز کی ضرورت ہے کیسی ہی مزمن تپ ہو گیا ہو دونون کو اکسیر کا کام کرتی ہے اور ایک عجیب قوت پیدا کر دیتی ہے (خوراک ایک گولی) گیارہ گولیان ایک ڈبیہ مین فی ڈبیہ ۸ؔ

حبوب نادرہ - بواسیر کو مفید - دافع قبض - مصفی خون - اخلاط فاسد کی دافع چند روز کے استعمال سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے - حکیم صاحب کی گولیان اور اس قسم کی سب ادویات کو مات کرتی ہے (ایک گولی سے پانچ گولی تک خوراک ہے) فی ڈبیہ ۴۲ گولیون کی قیمت ۸ؔ

روغن حیات - نادر الوجود چیز ہے - دافع قبض - مفرح - مفتح - مقوی معدہ

مقوی گردہ ومثانہ - مقوی اعصاب - مقوی دماغ - مولد خون صالح - مقوی جگر
دافع سلسل بول - عام طور پر تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے -
۲ قطرہ سے ۳ ماشہ تک انتہائے مقدار ہے - قیمت فی تولہ صہ/

روغن بواسیر - بواسیر خونی وبادی دونون کے حق مین اکسیر مسّے پھولے
ہوئے جو ان لگاتے ہی فوراً مرجھا جائینگے اور مرض دفع ہوجائیگا -
قیمت فی تولہ عہ/

روغن دافع امراض گوش - ایک قطرہ ڈالنا چاہیئے - کان کے
تمام امراض - دانہ اور درد کے واسطے نہایت مفید ہے - اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے
قیمت ایک ماشہ تولہ عہ/ دو تولہ عہ/ تین تولہ عہ/ پانچ تولہ سے /

ان چند ادویات کے علاوہ کارخانہ مین صدہا قسم کے اعلیٰ سے
اعلیٰ مجربات تیار رہتے ہین - اور چونکہ اکثر ادویہ مریض کی حالت پر لحاظ کرکے
تجویز کی جاتی ہین - لہذا جو صاحب خط وکتابت کے ذریعہ سے
اپنے مفصل حالات سے مطلع فرمائینگے مرض اُنکا چاہے کیسا ہی سخت
اور کٹھن کیون نہ ہو ہم دعوے کیساتھ اُن کو اپنے مجربات سے فائدہ پہونچانیکے
واسطے تیار ہین - نمونہ کے طور پر معمولاً جملہ ادویہ صرف ۲ ٹکٹ آنے پر
روانہ کی جاسکتی ہین -

ترکیب استعمال وپرہیز ہر دوا کے ہمراہ روانہ ہوگی - محصول ڈاک و
وی پی ہر صورت مین ذمہ خریدار رہے گا -

پروپرائٹر - جناب منشی محمد احتشام علی صاحب رئیس و مالک
کارخانہ آئسن فلاور آینڈ آئل ملز - لکھنؤ -

جملہ فرمائشین - منیجر دواخانہ مجربات جڑی بوٹی - لکھنؤ کے پتہ سے آنا چاہئین -

فہرست مضامین

نمبر			صفحہ
(۱)	الکلام مولفۂ مولانا شبلی پر تنقیدی نظر نمبر ۶	ایک طالب علم	۱
(۲)	عالم خیال (نیچرل نظم)	منشی احمد علی شوق۔ قدوائی	۱۳
(۳)	عجائبات فلک	مفتی محمد انوار الحق ایم۔ اے۔ منشی فاضل	۱۷
(۴)	رباعیات	مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی	۲۵
(۵)	شہرت و ناموری	نذیر احمد (علیگ)	۲۶
(۶)	مین کیا ہون (نظم)	مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی	۳۲
(۷)	ریویو رسالہ قوت خیال	منشی احمد علی شوق۔ قدوائی	۳۴
(۸)	کورٹز نمبر ۳	علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی	۳۶
(۹)	حسن کامل	نادر علیخان۔ نادر کاکوروی	۴۶
(۱۰)	شعاع امید (نظم)	سید محمد فاروق شاہ پوری	۴۷
(۱۱)	غزل	علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی	۴۸
(۱۲)	غزلیات	پروفیسر مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی	۴۹
(۱۳)	خیرات	"فقیر"	۵۰
(۱۴)	لیڈیز کانفرنس	ایڈیٹر	۵۵

النّاظر

نمبر ۱۹ جلد ۴

یکم جنوری ۱۹۱۱ء

الکلام

مولفۂ مولانا شبلی پر

تنقیدی نظر

(نمبر ۶)

عیب مے جملہ بہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دلِ عامے چند

ایک طویل مضمون کا، جو باوجود اختصار کی امکانی کوشش کے، سو صفحات سے زاید مین ختم ہوا، ماحصل بہ ظاہر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ الکلام مین متعدد فرو گذاشتین موجود ہین، استدلالات ضعیف ہین، جا بجا تناقضات

پائے جاتے ہین، وغیرہ وغیرہ، لیکن سخت ناانصافی، بلکہ صریح ظلم ہوگا، اگر ہمارا ریویو یہین پر ختم ہوجاے۔

ناقدین پر یہ ایک عام الزام ہے کہ انکی نگاہ ہمیشہ عیوب ونقایص پر پڑتی ہے، اور وہ مصنف کی صرف غلطیون اور فروگذاشتون کو پبلک مین ظاہر کردینا اپنا فرض خیال کرتے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد نہین ملک مین جن تحریرون کو تنقید کہا جاتا ہے، وہ عموماً دو طرح کی ہوتی ہین۔ اگر تنقید نگار مصنف کا ہم خیال یا دوست ہے، تو سرے سے مداحی کے گلدستہ پیش کرنا شروع کردیتا ہے، اور اگر اسکے معایب کے متعلق کوئی لفظ زبان سے نکالتا بھی ہے، تو اسقدر ضعیف اور دھیمی آواز مین کہ مدح سرائی کے ہنگامہ خیز غلغلہ مین یہ صدا کسی کے کان تک نہ پہونچے۔ برعکس اس کے اگر ناقد کو کسی وجہ سے مصنف سے مخالفت ہے۔ تو تصنیف زیر تنقید ہر قسم کے اعتراضات کی ہدف بن جاتی ہے، اسکی جزدی فروگذاشتون کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے اور قدم قدم پر اوسکی مخالفت کی جاتی ہے۔ لیکن یہ دونون طریقے سخت معیوب و ناپسندیدہ ہین، اور ایسی تحریرون کو تنقید کے نام سے یاد کرنا۔ واقعیت پر ظلم کرنا ہے۔ ایک نقاد کو، درحقیقت، افراط و تفریط سے علیحدہ ہوکر کامل دیانت داری و راست بازی کے ساتھ، بجاے خود، ہر ایک مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے، اور اُسکا فرض ہے کہ جس آزادی کے ساتھ وہ ادنی سے ادنی نقایص کی پردہ دری کرتا ہے، اسی فیاضی کے ساتھ خفیف سی خفیف خوبیون کا بھی اعتراف کرے۔

اسی اصول کی بنا پر، جب ہم الکلام پر نظر ڈالتے ہین، تو صاف نظر آتا ہی کہ اگرچہ اس آفتاب مین بہ کثرت داغ موجود ہین، تاہم علمی ضیا گستری کے لحاظ سے فضاے

مذہب کا کوئی ستارہ مشکل سے اُسکا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ بیچ ہے کہ مثل مولانا شبلی کی دیگر تصانیف کے، اس تالیف سے کسی محققانہ تلاش اور غیر معمولی تفحص کا اظہار نہین ہوتا، یہ بھی مُسلّم ہے کہ اسکے بعض استدلالات نہایت ضعیف و غیر تشفی بخش ہین، اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ اس مین اکثر کلیہ غلط معلومات کی بنا پر قایم کیئے گئے ہین، با اینہمہ یہ امر کسی طرح نظر انداز نہین کیا جا سکتا کہ قدیم تعلیم کے پیدا کیے ہوے علما، مذہب مین مولانا شبلی پہلے شخص ہین جنھون نے عقل و نقل مین تطبیق دینے کا بیڑا اُٹھایا، اور الکلام کے ذریعہ سے ایک حد تک، اگرچہ وہ حد نہایت ہی قلیل ہے (اور ایک حد معین کی آگے کسی انسانی کوشش سے تطبیق ہو بھی نہین سکتی) اس مقصد کو پورا کر دیا۔ ہم اس سے نا واقف نہین کہ اُردو زبان مین اور بعض علما نے بھی مذہب اور علوم جدیدہ کی مطابقت پر کتابین تصنیف کی ہین، یا عربی اور انگریزی سے ترجمہ کی ہین، اور بعض اُن مین سے الکلام سے پیشتر کی ہین، لیکن انصاف یہ ہے کہ بہ استثنا، سر سید کی تصانیف کے، اُن مین سے اکثر کو الکلام کے مقابلہ مین لانا ہی اپنی بدمذاقی کا کافی ثبوت دینا ہے۔ مگر چونکہ کسی چیز کی خوبی بغیر دوسری چیزون سے موازنہ و مقابلہ کئے نہین معلوم ہو سکتی، اسلیے ہم الکلام کی خصوصیات کو دکھاتے ہوئے، جا بجا اُنکا مقابلہ اسکی ہم موضوع تصانیف سے کرتے جائینگے۔

ذیل مین ہم چند اُن خصوصیات کا ذکر کرتے ہین، جو الکلام کو اس فن کی دوسری کتابون سے، علانیہ طور سے، ممتاز کرتی ہین۔

(۱) کتب کلامیہ کے مصنفون کی نظر چونکہ عموماً تحقیق حق پر نہین ہوتی، اسلیے وہ اپنے فرقہ کی ہر طریقہ سے جا و بیجا حمایت کرنا، اور فریق مخالف کی ایک ایک بات پر رد و قدح کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہین۔ اس مجادلانہ انداز بیان کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مصنف کو اپنے فریق کے ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی معتقدات کی تاویل کرنا پڑتی ہے، اور جب معقول

دلایل سے کام نہین چلتا، تو چارنا چار سینہ زوریون سے اپنے دعوی کو بہ جبر تسلیم کرانا چاہتا ہی۔ لیکن مولانا کی تصانیف عموماً اس عیب سی بری ہین۔ وہ کسی موقع پر ایک خاص فرقہ کی وکالت ہر پہلو سے فرض نہین خیال کرتے، بلکہ جس مقام پر اپنے فریق کی کمزوری دیکھتے ہین۔ عموماً اسکا بلا تامل اعتراف کر لیتے ہین۔ مثال کے لیے ہم اسوقت صرف ایک مسٔلہ کو لیتے ہین، اہل مذاہب کے نزدیک، علم کلام کے مباحث کا ایک اہم اور لازمی جزو، وجود روح ہی، اور تقریباً ہر متکلم اسکو فرض سمجھتا ہی کہ جسطرح بن پڑے، روح کی ہستی کو عقلی و علمی شہادت کی بنا پر ثابت کرے لیکن مولانا کے نزدیک چونکہ وجود روح پر کوئی عقلی استدلال نہین قایم ہوسکتا، اسلیئے الکلام مین انھون نے سرے سی اس موضوع پر قلم ہی نہین اُٹھایا، بلکہ ایک دوسری تصنیف مین، جو دراصل سلسلۂ کلامیہ ہی کا ایک حصہ ہی۔ صراحت کے ساتھ، اس مسٔلہ کی تائید مین عقلی شہادت کے ناکافی ہونیکا ان الفاظ مین اعتراف کیا ہی:-

"اصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ادراک و تعقل محض مادہ کا کام نہین۔ مادہ ایک بجس، بیجان، اور لایعقل چیز ہی۔ دقیق خیالات اور علوم و فنون مادہ سی انجام نہین پاسکتے، بلکہ کوئی اور جوہر لطیف ہی، جس سے یہ کرشمہ سرزد ہوتے ہین، اور اسیکا نام روح ہی۔ لیکن یہ استدلال وجدانی ہی۔ اگر کوئی منکر انکار پر آمادہ ہو اور کہی "تم نے جو کچھ کہا، وہ عین دعوی کا اعادہ ہی، دلیل نہین۔ ممکن ہی کہ مادہ ہی ایک خاص ترکیب پاکر ان نیرنگیون کا مظہر ہو، کلون سی جو عجیب و غریب حرکتین ظاہر ہوتی ہین، ارغنون سی جو دلکش اور موثر نغمہ پیدا ہوتے ہین، ان مین روح کا کون ساشائبہ شامل ہی؟" تو ہم دلیل سے اسکی زبان نہین بند کرسکتے۔ یہی سبب تھا کہ امام صاحب نی روح کے ثبوت مین کوئی منطقی دلیل نہین پیش کی" [الغزالی، صفحہ ۴، او ۵، ۱۰]

پنجاب کی ایک گورنمنٹ پنشنر، کوئی منشی عطا محمد صاحب ہین، انھون نے "مختلف بزرگان دین کی کتابون سے اخذ کر کے" ایک کتاب محض "متشککین فی الاسلام" کے تزلزل عقاید

کو رفع کرنے کی غرض سے لکھی ہی، اور جس مین اپنے نزدیک اُنھون نے "صرف وہی عقلی دلایل درج کیے ہین، جو علوم جدیدہ کی مقابلہ مین استحکام رکھتے ہین یہان ہمارے نے اپنی کتاب کے تقریبًا دو درجن صفحہ، وجود روح کی بحث کے نذر کیے ہین لیکن کاش یہ کم مایہ متکلمین، کم از کم اتنی ہی نصفت شعاری و فراخ دلی اختیار کرین، جتنی کہ مولانا شبلی کی تصانیف مین پائی جاتی ہی!!

(۲) عمومًا متکلمین کی ایک خاص غرض یہ ہوتی ہی۔ کہ اپنی مذہبی جماعت کے افراد مین اضافہ کرین، اور اگر کسی اور ذریعہ سے قوت و استحکام نہ بہم پہونچ سکے، تو کم از کم کثرت تعداد ہی کی بنا پر فخر کا موقع حاصل کرین۔ اس غرض کو حاصل کرنے کے لیے اُنھین چار و ناچار ایسی تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہین، جن کا اثر خواہ کچھ اور ہو یا نہ ہو، لیکن عوام اُن سے مرعوب ضرور ہو جائین۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ عوام الناس خشک منطقی استدلالات سے چندان متاثر نہین ہوتے، اُنکو گرویدہ کرنے کے لیے سب سے چلتا ہوا جادو خطابیات کا ہی۔ پس یہی وجہ ہی، کہ علماء مذہب اپنی تصانیف مین عمومًا خطابی جوش و خروش کو منطقی سنجیدگی پر مقدم رکھتے ہین اور علم کلام کی کتابون کی طویل فہرست مین بہ مشکل چند ایسی تصانیف ملینگی، جو اس عام عیب سے مستثنیٰ ہون۔ دیگر منصفین کا تو کیا ذکر ہی، خود فرید وجدی، جسکا مرتبہ علمی حیثیت سے اسوقت دنیاے اسلام مین غالبًا کسی دوسرے سے کم درجہ پر نہین سمجھا جاتا، اس جرم کا بہت بڑا مرتکب ہی الحدیقۃ الفکریہ، تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ الاقدام الی سایر الاقوام، غرض اسکا کوئی رسالہ دیکھو، اس خصوصیت کی مثالین نمایان طور سے بہ کثرت ملینگی، اور اسکے رسالہ المراۃ المسلمہ مین تو وہ حد اعتدال سے اسقدر متجاوز ہو گئی ہین، کہ پڑھنے والا انگشت بحیرت بن جاتا ہی۔

بعض اوقات یہ خطابی دلایل ایسی مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیتے ہین، کہ متین ~~سا~~

[له] ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام صفحہ ۱۴۵ - ۱۶۷-

متین شخص بھی بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کرسکتا ہے۔ مثال کے لیئے ہم ذیل مین اُس تصنیف[1] کا ایک اقتباس درج کرتے ہین، جسکا مصنف اپنے بیان کے بہ موجب، سائنس کی "انتہائی تعلیم" سے ایک درجہ زاید مسایل سائنس سے واقف ہی۔ یہ "ماہر سائنس" (؟) وجود باری پر یون استدلال کرتا ہے:-

"تمکو کوئی شک وجود صانع پر نہ ہونا چاہیئے، اگرچہ کچھ لوگ اسکی مخالفت بھی کرین، کیونکہ ایک بہت بڑا گروہ انسان کا اوس کے وجود کا مقر ہے۔ کسی جلسہ مین یا کوئی کمیٹی مین تمکو شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہوگا، اور وہان اختلاف بھی پیش آیا ہوگا۔ اُسکے دفع کرنیکی فکر بجز اسکے نہین ہی۔ کہ غلبہ آرا پر فیصلہ کیا جاے، اسی طرح سے اس مسئلہ مین بھی تمکو اصول قایم کرنا چاہیئے۔

تم کہہ سکتے ہو کہ زیادہ تر کم عقل اور جاہل لوگ ہوتے ہین، عقلمندون کا گروہ بہت کم ہوتا ہی تو چاہیئے کہ پیروی تھوڑے گروہ کی کیجاوے، کیونکہ وہی عاقل ہونگے۔ مگر یہ کہنا تمھارا کوئی باور نکرے گا، اس وجہ سے کہ عقلا کا مسلمہ قاعدہ اسکے خلاف ہے۔ کسی کی راے اس طرف نہ جائیگی کہ جس طرف ہزارون آدمی ہون، اُس قول کو چھوڑ کر جس طرف تھوڑے آدمی ہون، اسکو تسلیم کرین[2]"

یہ ایک نمونہ ہی۔ اس قسم کی مثالین، نہایت کثرت کے ساتھ، ان متکلمین و مدعیان سائنس دانی کی تحریرون مین ملتی ہین۔ لیکن اگر اس کلیہ مین کوئی استثنا ہوسکتا ہی تو اوسکی مستحق سب سے زیادہ مولانا شبلی کی کتاب الکلام ہی۔ یہ سچ ہی کہ مولانا نے بھی جا بجا خطابیات سے کام لیا ہی، لیکن صرف اسی حد تک کہ تحریر مین انشا پردازانہ رنگ قایم رہے وہ خطابی جملون کو منطقی دلایل کا قایم مقام نہین بناتے، بلکہ علی العموم ان سے محض لطف لٹریچر پیدا کرنا چاہتے ہین۔ اور دو ایک مقام پر، جہان وہ حد اعتدال سے

[1] "سائنس و کلام"، جلد اول، صفحہ ۴، مصنفہ مولانا عبد الباری۔ [2] "سائنس و کلام" جلد ۱ صفحہ ۱۰۴-۱۰۵

عــہ شکل یا صورت چاہیے۔ اڈیٹر

نکل گئے ہین، وہان اُن کا فلسفہ شاعری کا لطف دیتا ہی، لیکن اُنکے حریف علما کلام کا فلسفہ تو شاعری بھی نہین رہتا، بلکہ جاہلونکا گرویدہ کرنے والا ایک ادنیٰ درجہ کا افسانہ رہ جاتا ہی۔

(۳) عام انسانی طبایع کا خاصہ ہی کہ جن مسایل یا معتقدات کی بنا جذبات پر ہوتی ہی، اُنپر کسی قسم کا اعتراض سنکر سخت اشتعال پیدا ہوتا ہی، اور اشتعال کی حالت مین انسان نہایت دشواری سے اپنے قوے اور نفس پر قابو و ضبط رکھ سکتا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ مذہب پر بھی، جسکی بنیاد من حیث الاکثر جذبات ہی پر قایم ہی، اعتراض سُنکر پرجوش پابندان مذہب دوران تقریر مین ازخود رفتہ ہوجاتے ہین، اور تقریر کا تو کیا ذکر ہی، تحریر تک مین اسکا اثر بہت کافی طور سی پایا جاتا ہی۔ چنانچہ مذہبی مناظرون اور علم کلام کی جسقدر کتابین ملک مین شایع ہوئی ہین، وہ تقریبًا سب لعن طعن، سب دشتم سے لبریز ہین۔ ادنیٰ درجہ کے مصنفین تو ایک طرف، خود اُن مصنفین کا قلم، جو دیگر حیثیات سی نہایت ممتاز ہین، اس میدان مین اگر تہذیب و متانت کے دایرہ سی نکل جاتا ہی۔ یہان تک کہ فرید وجدی کی تصانیف بھی، جو الکلام کی تمام یوروپین معلومات کا ماخذ ہین، اس عیب سے خالی نہین، بلکہ اُن مین بہ کثرت ایسے مقامات ملتے ہین، جہان اُس ذاتی مخالفین کو جاہل، متمردانہ، انتہائی مجنون وغیرہ غیر مہذب و ناملائم الفاظ سے یاد کیا ہے، اور ایک مقام پر تو وہ یہان تک بڑھ گیا ہی کہ وہ اپنی مخالفین کو یہ صلاح دیتا ہی کہ

"دیوارکی قوت جذب و دفع سے اپنے خبط کا علاج کرو۔"[۱]

لیکن مسٹر سرسید کی تصانیف کے الکلام اس الزام سی بالکل بری ہی۔ تمام کتاب مین ایک لفظ بھی ایسا نہین ملتا، جو متانت کے خلاف ہو، یا جس سی کسی فریق کی دل آزاری و دلشکنی ہوتی ہو۔ نہ کسی مقام پر طعن و تشنیع ہی، اور نہ کہین توہین و تحقیر کے الفاظ ہین بلکہ برعکس اسکے، جہان کہین اپنی مخالفین کا ذکر کیا ہی، اسی پیرایہ مین کیا ہے جس مین کہ

[۱] المرأۃ المسلمہ، فصل پنجم۔

اپنے موافقین کا۔ مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ، جنکا تعلق بالتخصیص علم کلام اور اس فن کی کتابون کے ساتھ ہے، ایک اور قابل الذکر خوبی، جو مولانا شبلی کی تمام تصانیف مین مشترک ہے، انکا دلاویز طرز بیان ہے، اور علم کلام جیسے خشک مضمون مین اس دلاویزی کا نمایان طور سے نظر آنا، اور بھی قابل ستایش ہے۔ علم کلام کی عام کتابون کا یہ حال ہے کہ ان کے مصنفین نے اُن مین خواہ مخواہ اغلاق و تعقید پیدا کر رکھی ہے، بہ خلاف اسکے الکلام کو کوئی شخص پڑھے تو اسقدر دلچسپی ہوگی کہ بجائے کسی خشک علمی تصنیف کے، یہ معلوم ہوگا کہ کوئی دلچسپ افسانہ پڑھ رہے ہو۔ ممکن ہے کوئی شخص، جہان تک مضمون کو تعلق ہے، الکلام کے تمام استدلالات کو غلط دیا در ہوا تصور کرے لیکن بڑے سے بڑا مخالف بھی انکی دلفریب طرز ادا کی داد دیے بغیر نہین رہ سکتا۔

جدید علم کلام کے اساتذہ مین دو شخص ایسے ہین، جنکی وسعت نظر، قوت استدلال اور عالمانہ تحقیق کا غلغلہ تمام دنیاے اسلام مین ہے۔ ایک سرسید، دوسرے فرید وجدی، دیکھنا یہ ہے۔ کہ الکلام کو ان دونون کی تصانیف سے کیا نسبت ہے؟ جیسا کہ خود مولانا شبلی کو مسلم ہے (اور ہم بھی اسکو ایک سے زاید بار لکھ چکے ہین) الکلام کی یورپین معلومات کا ماخذ، فرید وجدی ہی کی تصانیف ہین، لیکن مولانا کے اس اعتراف سے یہ ہرگز لازم نہین آتا کہ الکلام اپنے ماخذ سے کم درجہ پر بھی ہے۔ برعکس اسکے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات مین دکھا چکے ہین، الکلام مین ایک سے زاید ایسی خصوصیات موجود ہین، جنکے لحاظ کر اسکو فرید وجدی کی تصانیف پر علانیہ ترجیح حاصل ہے۔ بلکہ ہمارا ذاتی خیال تو یہ ہے، کہ الکلام مین جو نقایص نظر آتے ہین، انکے بہت بڑے حصہ کا ذمہ دار فرید وجدی ہے اور اگر مولانا شبلی، بجاے فرید وجدی پر اعتماد کرنے کے، اپنا ماخذ، کوئی زیادہ مستند تصنیف قرار دیتے ہین، تو یقیناً الکلام بھی اسی قدر قابل قدر ہوتی، جتنی کہ مولانا کی دیگر اعلیٰ تصانیف۔

اب رہے سر سید۔ اس مین شبہہ نہین کہ ہندوستان مین آج جسقدر اسلامی تحریکات نظر آرہی ہین، ان سب کی محرک اول سر سید ہی کی ذات ہے۔ اور اگر سر سید کی پر اثر تحریرون سے ملک مین بیداری نہ پھیل جاتی، تو آج نہ دار العلوم ندوہ کا وجود ہوتا، اور نہ مولانا شبلی کو الکلام لکھنے کی تحریک ہوتی، اس لیے سر سید کی مذہبی تصانیف، اور الکلام مین موازنہ کرتے وقت، ابتدا اور ایجاد کا ترجیحی حق اول الذکر کو حاصل ہی۔ لیکن اگر اولیت سے قطع نظر کرکے یہ دریافت کرو، کہ وہ کون سی خوبی سر سید کی تصانیف مین ہی، جو الکلام مین نہین پائی جاتی؟ وہ کون سے گلہاے مضامین، اول الذکر کے گلشن تصنیف مین ہین، جن سے آخر الذکر کا دامن خالی ہی؟ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی نہین۔ پس سر سید کی تصانیف کو بھی، بجز شرف اولیت کے اور کوئی ترجیح الکلام پر نہین ہے

قیس کو فضل تقدم ہی، وگرنہ یان کیا
سر شوریدہ نہین، یا جگر چاک نہین

لیکن علمی مسایل مین اولیت کا امتیاز بھی کچھ کم وقیع نہین ہوتا۔

حال مین ایک کتاب "اثبات واجب الوجود" پر مسٹر آرم اسٹرانگ کی کتاب "گاڈ اینڈ سول" (God and Soul) سے مع حذف واضافہ کے ترجمہ ہوئی ہے۔ لایق۔ اور نیک نیت مترجم نے اپنے دیباچہ مین اگرچہ نہایت معتدل الفاظ مین کتاب کو پبلک سے روشناس کیا ہے، لیکن انکی توقعات سے بہت زیادہ، ریویونگارون نے اس کتاب کی مدح وستایش کے سرٹیفکٹ انکو عطا کیے، اور سخت حیرت ہی کہ مولانا شبلی جیسا صاحب مذاق ناقد بھی ان ریویونگارون کا ہم آہنگ ہے۔ بلاشبہ، اثبات واجب الوجود، اردو اور عربی کی عام جدید کتب کلامیہ کی نسبت بہت زیادہ شایستہ اور بہت زیادہ مدلل ہی،

لیکن مصنف نے چند مقامات پر، جو خصوصیت کے ساتھ اہم ہین، استدلال مین غلطی کرنے کے علاوہ، ایک سے زاید غلط بیانیون سے کام لیا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر اُس نے علت کی یہ تعریف مل کی جانب منسوب کر دی ہے کہ

"بس علت وہی ہے جو معلول سے پہلے آئے"

اور پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اکثر باتون مین محض تقدیم و تاخیر کا تعلق، علت و معلول کے مفہوم پر صادق نہین آتا، جمعہ ہمیشہ شنبہ سے پہلے آتا ہے، مگر جمعہ علت اور شنبہ معلول نہین، سورج ہمیشہ تاریکی کے بعد نکلتا ہے، مگر یہ کوئی نہین کہتا کہ طلوع آفتاب کی وجہ ظلمت شب[۵۱] ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مل ہرگز اس تعریف کی صحت کا مدعی نہین۔ مل کے طرز تحریر کو وہ لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہین، جنھون نے امام رازی کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔ امام صاحب کی طرح، مل کی عادت ہے کہ وہ اپنی تحریر مین موافق و مخالف ہر قسم کے اقوال نقل کر دیتا ہے، اس کے بعد رد و قدح کر کے ایک صحیح نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ علت کی تعریف جو اوپر نقل ہوئی، مل کی منطق مین موجود ضرور ہے، لیکن خود مل اُس پر وہی اعتراض نقل کر چکا ہے، جسکو آرم اسٹرانگ صاحب بیان کر رہے ہین، اور اعتراض ہی نہین، بلکہ اس تعریف کو مردود بھی قرار دے چکا ہے۔ مل کے نزدیک، علت کی صحیح تعریف یہ ہے[۵۲]،

"ان تمام شرائط کا مجموعہ، جن پر کوئی واقعہ مشروط ہو"

یہ اور اسی قسم کی اور بد احتیاطیون کا یہ نتیجہ ہے، کہ آرم اسٹرانگ صاحب کی کتاب کو یورپ کے علمی حلقہ مین اس کی عشر عشیر وقعت بھی نہین حاصل،

[۵۱] دیکھو "گاڈ اینڈ سول" طبع سوم صفحہ ۴۶، اور "اثبات واجب الوجود" صفحہ ۱۳۱

[۵۲] مل کی "سسٹم آف لاجک" حصہ سوم، باب پنجم

جتنی اُنکے ہندوستانی ریویونگار سمجھ رہے ہین[۱]۔

اثبات واجب الوجود سے الکلام کا موازنہ کرتے ہوے، ایک ترجیحی خصوصیت آخرالذکر کی، جو بالکل بدیہی ہے، اُسکی جامعیت ہے۔ اول الذکر نے، جیسا کہ اسکے عنوان سے ظاہر ہے، صرف ایک مسئلہ کو لیکر اُسے خوب پھیلایا ہے؛ بخلاف اسکے آخرالذکر تصنیف مین مذہب، اور مذہب اسلام کے خصوصًا، تمام اصولی مسائل کو علوم جدیدہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اِس سے قطع نظر کرکے، جس قدر دلنشین طرز استدلال الکلام کا ہے اثبات واجب الوجود مین اسکا پتہ تک نہین۔

الکلام کے روشن و تاریک دونون رُخ، جہانتک ریویو کے حدود کے اندر دکھائے جا سکتے تھے، ہم کافی طور سے دکھا چکے۔ لیکن ہمکو یقین ہے کہ پبلک جس نتیجہ پر پہونچیگی (اور جس نتیجہ پر واقعۃً بھی پہونچنا چاہیے) وہ یہ ہے کہ ہمارے میزان خیال مین الکلام کے معائب کا پلہ، اسکے محاسن کے پلہ سے بہت زیادہ بھاری ہے، اگرچہ آخرالذکر بھی خالی از وزن نہین کہا جا سکتا۔

خاتمہ پر ہمکو ایک خطرناک غلط فہمی کا رفع کر دینا ضروری ہے۔ جو ممکن ہے کہ اس تنقید سے کسی کے ذہن مین پیدا ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسکے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالے، کہ راقم تنقید کو مصنف الکلام کی لٹریری عظمت و وقعت سے انکار ہے[۲]

---

[۱] "نئے بگڑے ہوؤن" کی سخت ناواقفیت ہے، اگر وہ یہ خیال کرین کہ "یورپ کے تمام ذخیرۂ معلومات مین الحادہی الحاد" ہے۔ لیکن یہ بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ یورپ کا کوئی صاحب مذاق "اثبات واجب الوجود" کو "شاذ کتابونکی فہرست" مین شامل نہ کریگا۔ وجود باری کے اثبات پر انگریزی زبان مین، پروفیسر فلنٹ، کیمبل فریزر، ہیرس، اور ڈاکٹر مارٹینو، کی تصانیف موجود ہین، جو آرمسٹرانگ صاحب کی کتاب سے بہت زیادہ وقیع اور بہت زیادہ عالمانہ ہین۔

[۲] نہ صرف ممکن ہے، بلکہ واقعۃً بعض ذہن اس غلط فہمی مین مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ نومبر کے الناظر مین ایک صاحب نے اسکا اظہار بھی کر دیا ہے۔

لیکن اگر کوئی اس نتیجہ پر پہونچا ہی، تو اسکو یقین کر لینا چاہیے کہ اسکا قیاس سرتاسر غلط اور قطعًا بے بنیاد ہے۔ راقم تنقید، اپنی ابتدائی زندگی مین جسقدر مولانا شبلی کی تصانیف سے فیضیاب ہوا ہے، اتنا کسی دوسرے سے نہین، اور آج بھی تحقیقاتی حیثیت سے اُسپر مولانا کا جو بار احسان ہی، وہ باستثنا ایک انگریزی نملاسفر کے، تمام دنیا مین کسی دوسرے مصنف کے احسانات سے کم درجہ پر نہین۔ لیکن عقیدت، ارادت، اور احسان مندی کی تمام قوتون سے زیادہ زبردست طاقت صداقت پرستی کی ہے اور اسی ایک طاقت نے راقم تنقید کو اس فرض کی انجام دہی پر مجبور کیا، خوشی کے ساتھ نہین، بلکہ اس افسوسناک خیال کے ساتھ، کہ اسکو اُس شخص کی تردید مین قلم اُٹھانا پڑتا ہی جسکی مخالفت کو وہ ہرگز پسند نہین کرتا۔ اور اصل تو یہ ہی کہ اس آزادخیالی کی تعلیم بھی، جسکے بغیر اس مضمون کا لکھا جانا ممکن نہ تھا، ابتدائً راقم تنقید کو خود اسی مصنف کے مضامین و تصانیف کے مطالعہ سے حاصل ہوئی، جسکی ایک تصنیف پر وہ آج یہ تنقید لکھ رہا ہے۔

درحقیقت، مولانا شبلی کی حیرت انگیز وسعت نظر، زبان دانی، تاریخی تحقیقات، اور ادبی معلومات سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ اردو لٹریچر پر اُنکے جو گرانبہا احسانات ہین، اُنکی منت پذیری کس شخص پر فرض نہین؟ ہندوستان کی علمی سطح کے بلند کرنے مین جو کوششین اُنھون نے کی ہین، ان سے زیادہ اور کون کرسکتا ہی؟ اردو لٹریچر کی تاریخ مین اُنکا نام جلی حروف مین ثبت رہیگا، اور آیندہ نسلین انکو بطور اردو علم ادب کے ایک نامور محسن کے یاد رکھین گی۔ ممکن ہی کہ موجودہ نسل کی ایک جماعت، ذاتی کدورتون کی بنا پر، اسکو یقین نہ کرے، لیکن حقیقت یہ ہی، کہ آج اُردو دان پبلک کا ہر صحیح المذاق فرد، مولانا شبلی کے مسلم الثبوت کمالات و علمی خدمات کا معترف ہی، اور ہمارے ایوان ادب کے در و دیوار زبان حال سے اپنی احسان مندی و منت پذیری کا اظہار کر رہے ہین ؎

منت خاک درت بر بصر نیست کہ نیست　　عاشق روے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست

راقم ایک طالبعلم

عالم خیال

اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کے "ادیب" مین ایک تصویر محو خیال عورت کی شایع ہوئی تھی، قابل اڈیٹر نے نوٹ دیا تھا کہ اس تصویر کے متعلق نظم بھی حاصل کیگئی تھی، لیکن اُردو مین نہ جذبہ اور شوہر کے جذبات نہین ہین، آخر وہ نظم عاشقانہ ہوگئی، اس سبب سے چھاپنے کے قابل نہین رہی اور نہین چھاپی جاتی ہے" اس مین شک نہین کہ اُردو شاعری کا سرمایہ ایسے جذبات سے خالی ہے، کیونکہ اوسکے شعرا زیادہ تر فارسی شاعرون کے نقش قدم پر چلے ہین اور ہماری زبان مین یہ فطری حالتین بکثرت اور بہت ہی بلاغت ہین مگر اُردو مین ایسی نظمین ہو نہین سکتین یہ غلط خیال ہے، اُردو زبان الفاظ اور ترکیب ادا مین محتاج نہین ہے اور یہ اوسکا قصور نہین ہے کہ اسکے شعرا جذبات فطری کی مرقع کشی کیجانب کیون بکثرت متوجہ نہین ہوے، مندرجہ ذیل نظم جو اُردو مین پہلی اور جذبات شاعری کی لحاظ سے بے مثل ہے، جناب **شوق** کے زور قلم اور خداداد قابلیت کا نتیجہ ہے اور اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اگر ہمارے شعرا چاہین تو اُردو مین بھی نیچرل جذبات کے مرقع کھینچ سکتے ہین، ہان قادر الکلامی شرط ہے،

ایڈیٹر

ایک عورت کا شوہر پردیس میں ہے، وہ اُسکی یاد میں محو، عالم خیال میں اپنے خیال سے باتیں کر رہی ہے،

آج او مرے خیال، تو کہاں کہاں گیا
دل بھی تیرے ساتھ تھا، تو جہاں جہاں گیا

تو نے رُخ جدھر کیا، دل کا رُخ اُدھر پھرا
تو جُدا جو پاس سے، دل بھر آیا، سر پھرا

جب سے "وہ" جدا ہوے، تب سے اُنکا دھیان ہے
اُن سے مجھکو اُنس ہے، اُن میں میری جان ہے

جا کے پھر مری خبر، کیوں نہ لی، ستم کیا
میری یاد، میری چاہ، کیوں سبکی سے ختم کیا

مجھسے کیوں خفا ہیں وہ، پھر گئی نظر تو کیوں
دل نہیں اِدھر تو کیوں، رُخ نہیں اِدھر تو کیوں

میرے رُخ سے دور ہے، وہ نگاہ اب کہاں
اُن کا پیار اب کہاں، اُن کی چاہ اب کہاں

میں وہی ہوں یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں
اُنکے دل کی حالتیں، وہ سہی ہیں یا نہیں

ساون اور یہ گھٹا، میں کہیں ہوں، وہ کہیں
حُسن یہ اُنھیں کا ہے، اور وہ دیکھتے نہیں

ساتھ والیوں کے ساتھ، جھولنے کو جاؤں کیا
دل وہاں ہے وہ جہاں، بیدلی سے گاؤں کیا

پینگ آئیں جائینگے، اور ہلیگا دل مرا
ملکے کیا میں گاؤنگی، کیا ہلیگا دل مرا

کھل پڑیگی خودبخود، چاہ ہر صدا کیساتھ
منہ سے باہر آئیگی، آہ ہر صدا کے ساتھ

کرتی ہیں جگر کا خوں، ہمسنیں جو ساتھ ہیں
وہ لگا رہی ہیں آگ، جنکے لال ہاتھ ہیں

اور بھی لگائی آگ، ساونی نے پھولکر
پیڑ پر مری نظر، پھر پڑے نہ بھولکر

یہ شباب کی اُمنگ، اب کسے دکھاؤں میں
رخ کا لال لال رنگ، اب کسے دکھاؤں میں

لال یہ کہاں رہا، زرد ہوکے رہ گیا
رنگ اب کہاں ہے رنگ، گرد ہوکے رہ گیا

جسم وہ نہیں رہا، اس میں کس نہیں ہے اب
ہونٹھ وہ نہیں رہے، ان میں رس نہیں ہے اب

جونک بنکے رات دن، چوستا ہے غم لہو
زرد ہوگیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

کاجل اور مسی کا لطف، جب نہیں "وہی" تو کیا
آئینے میں خود ہی میں، دیکھتی رہی تو کیا

آرسی کو پھینک دوں، منہ لگاکے کیا کروں
بن سنور کے کیا کروں، پان کھاکے کیا کروں

زیور اب پہن چکی، جی سے یہ اُتر چکا
جائے بھاڑ میں سنگار، دل اب اس سے بھر چکا

کس سے ناز اب کروں، میرے ناز اُٹھائے کون
روٹھنے کو روٹھ لوں، لیکن اب منائے کون

کس سے اپنے دل کا بھید، اب میں کھلکے کہہ سکوں
کسکے ساتھ بے جھجک، اب میں ملکے رہ سکوں

مانگتی جو کوئی چیز "اُن" سے مسکرا کے، میں
ہنستے اُسکو دیکھے "وہ"، ہنستی اُسکو پاکے میں

دل میں اب لگی ہے آگ، "لگی" وہ لے گئے
اب ہنسی کا منہ کہاں، سب ہنسی وہ لے گئے

یا تو مجھسے چھین لے، اُنکی یاد، اے خدا
یا تو اُنکو لاکے کر، مجھکو شاد، اے خدا

یا تو کر بیٹھیں مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں
یا تو اپنے ہوش میں، اُنکو دیکھ پاؤں میں

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال، جا کے تو
مجھ سے کچھ نہ کہہ سکا، اُنکا حال، آ کے تو

تو نے میرے دل کا درد، اُن سے کچھ کہا بھی تھا
اُن سے جا کے تجھکو یاد، میرا غم رہا بھی تھا

کیا میں تجھ سے پوچھ اُٹھی، تو پیامبر نہیں
تجھ میں گو رسائی ہے، گفتگو کا نہیں

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہے
دل کی دل کو دے خبر، ہاں، یہ دسترس تو ہے

پھر کے "اُن" کے دل کے گرد، گھیرنا ضرور تھا
اُنکے دل کو میری سمت، پھیرنا ضرور تھا

اُنکے دل میں کر کے راہ، کیوں نہ اُنہیں کی جگہ
تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ

اُنکے دل میں میری جا، شاید اب نہیں رہی
چھن گئی مری جگہ، اور میں نہیں رہی

شاید اور کوئی شکل، کھپ گئی نگاہ میں
کوئی روک ہو گئی، اس طرف کی راہ میں

توبہ! ہو گئے بدگماں، بیٹھے کی خطا ضرور
چاہیں وہ کہیں رہیں، اُن میں ہے وفا ضرور

کاش او خیال تو، اب نہ آئے میرے پاس
کاش اُنکی یاد تو، اب نہ لائے میرے پاس

یا مری نظر کو لے، اور اُن کے پاس جا
مجھ سے تو جگر کو لے، اور اُن کے پاس جا

دیکھ لے نظر اُنہیں، دیکھ لیں جگر کو وہ
آئے مجھ پہ کچھ ترس، آئیں اپنے گھر کو وہ

گھر کا نام خاک لوں، بنکے یہ بگڑ چکا
اس پہ اوس پڑ چکی، مٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے، تو اُنہہ، کون اُسکی لے خبر
رو رہی ہوں میں ادھر، رو رہی ہے وہ اُدھر

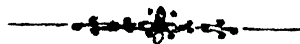
رنگ خاک میں ملا، خاک رنگ پر چڑھی
رنگ اُسی قدر گھٹا، خاک جس قدر بڑھی

میں ہی خاک میں ملی، گھر کی فکر خاک ہو
"اُن" کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

وہ پلنگ انھیں کا ہی، اُس پہ اب ہے تو کون
اٹ گیا ہی خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ
ذکر کیا پلنگ کا، یہ ذرا سی چیز ہے
راہ اُنکی روک لوں، اب جو اُن کو پاؤں میں
بال اپنے کھولکر، اُن پہ جال ڈال دوں
این! یہ بولتا ہی کون، درد جسکے دل میں ہے
کوئی آکے پیڑ پر، کہہ رہا ہے "پی کہاں"،
جی رہی ہوں میں، مگر جی مرا ہے "پی" کے ساتھ
آئی اُن کی سمت سے، اور بو بھی لائی تو
اُن سے ملکے آئی ہی، آ، تری بلائیں لوں
جاکے اُن کے پاس پھر، تو جو اُن کو لا سکے
او دل اور کیا کروں، تیرے درد کا علاج
شرط ہی کہ میرے پاس، پھر پلٹ کے آئے تو
یوں نہ آئیں تو میں لوں، شوق کی کشش سے کام

خود ہی آکے وہ رہیں، جاکے یہ کہے تو کون
آئیں وہ تو مجھسے لیں، اور اک نیا پلنگ
مجھکو اپنی جان تک، اُن سے کب عزیز ہے
پُتلیوں میں دوں جگہ، سامنے بٹھاؤں میں
جب ذرا قدم چلیں، اُن پہ بال ڈال دوں
گرم آتی ہے ہوا، آگ اسکے دل میں ہے
پی کہیں ہیں، میں کہیں، کیا کہوں، ہی جی کہاں
پاس ہوں کہ دور ہوں، ہیں وہ میرے جی کیساتھ
آج او ہوا ضرور، اُن کو چھو کے آئی تو
تو نے خوش کیا مجھے، لے، تجھے دعائیں دوں
درد دل کا جا سکے، چین دل کو آ سکے
خط میں رکھکے بھیج دوں، تجھکو، اُنکے پاس آج
اپنے خون کی قسم، دیکھے، اُن کو لائے تو
کھنچکے آئیں اس طرح، تو نہ لیں اُدھر کا نام

احمد علی، شوق، قدوائی



عجائبات فلک

انسان کو جس قدر عجیب و غریب باتین علم ہیئت کے مشاہدون سے معلوم ہوتی ہین شاید اتنی اور کسی علم سے نہین معلوم ہوتین۔ آسمان کا وسیع میدان خلاق آفاق کی قدرت کے نہایت ہی شاندار کرشمے دکھاتا ہے۔ آدمی انھین دیکھکر محو حیرت ہوجاتا ہے اور اسے اپنی اس جرأت پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ باوجود اپنی اس بے بضاعتی اور کم سرمائگی کے کیونکر اسرار کائنات کے سمجھنے اور چیستان عالم کے حل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر کسی طاقتور دوربین سے آسمان پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے چھوٹے چھوٹے بادل کے سے ٹکڑے ادھر اُدھر فضاے محیط مین پھیلے ہوے نظر آتے ہین۔ اِن بدنما غبارون کا اگر زیادہ طاقتور دوربینون سے مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت مین وہ ہزارون لاکھون تارون کے گچھے ہین جو بُعد مسافت کیوجہ سے روئی کے گالون کی طرح پھیلے ہوے دکھائی دیتے ہین۔ یہ گچھے اتنے چھوٹے ہین کہ کم طاقتور سے طاقتور دوربین کے ذریعے سے بھی انکے تارے بالکل آپس مین ملے جلے معلوم ہوتے ہین پہلے تو بہت دنون تک لوگ یہی سمجھتے رہے کہ یہ مجموعے بھی کہکشان ہی کی طرح کے ہین۔ اور ان مین بھی ایسے ہی نظامات ہین جیسے ہمارا نظام شمسی ہے۔ یعنی اسکے روشن ستارون کے گرد اور بہت سے تاریک اور بے نور کرے گردش کر رہے ہین۔ جیسے ہماری زمین۔ اور اسکے ساتھ کے سیارے کرۂ آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہین۔ مگر جدید تحقیقات سے اس خیال کی تردید ہوگئی ہے اور اب بہت سے قیاسات سے ہمکو یہ ماننا پڑا ہے کہ حقیقت مین یہ گچھے دوسرے نظامات فلکی سے بالکل جداگانہ اور انوکھی قسم کے ہین۔ بہ ہیئت مجموعی یہ گچھے گول کرے سے معلوم ہوتے ہین۔ اور انکے مرکز کنارون کی نسبت بہت زیادہ روشن معلوم

ہوتے ہین - مگر اسکا کوئی حصہ بھی تاریک نہین ہوتا - اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ گچھے فی الواقع بے شمار چھوٹے چھوٹے سورجون کے مجموعے ہین جو نسبتہً ایک دوسرے کے پاس پاس ہین اور سب ملکر گول حلقون کی صورت اختیار کیے ہوئے ہین -

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان چمکدار ستارون مین بھی آپس مین قریب قریب اتنا ہی فاصلہ ہوگا - جسقدر مثلاً نظام شمسی کے مختلف سیارون مین ہے - مگر اب یہ خیال بھی غلط معلوم ہوتا ہے - اگر ہمارے سامنے کوئی کروی چیز ہو تو خواہ اسکا حجم کتنا ہی بڑا کیون نہو - تاہم یہ اندازہ آسانی سے ہوسکتا ہے کہ اس چیز کے دونون آمنے سامنے کے کنارون کا باہمی فاصلہ کس قدر ہے - اس سے یہ مراد نہین کہ ہم حقیقت مین اسکے دونون کنارون کا واقعی فاصلہ ناپ سکتے ہین - نہین - بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہمکو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اسکے دونون کنارون کے باہمی فاصلے کو اس فاصلے سے کیا نسبت ہے - جو اُس چیز کو بہیئت مجموعی خود ہماری آنکھ سے ہے - توضیح کے لیے یہ سمجھیے کہ اگر ہم ایک ایسا گیند لین جسکا محور ایک انچ کا ہو اور اُسے اپنی آنکھ سے ایک گز دور رکھ لین تو ہم جانتے ہین کہ اس گیند کا ایک کنارہ دوسرے مقابل کے کنارے کی نسبت ہماری آنکھ سے اس مسافت کے چھتیسوین حصے کے برابر زیادہ قریب ہے جو ہماری آنکھ اور گیند کے درمیان ہے - تو اب اگر فرض کیجیے کہ ہمسے بہت دور ایک بڑا غبارہ ہے - کہ جب ہم اس گیند کو اپنی آنکھ سے ایک گز کے فاصلے پر اس غبارے کی سیدھ مین رکھ دیتے ہین تو وہ غبارہ بالکل نظر سے چھپ جاتا ہے - تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اس غبارے کا محور یعنی اسکے دو متقابل کنارون کا میانی فاصلہ ہماری آنکھ اور غبارے کی درمیانی مسافت کا چھتیسوان حصہ ہوگا - یہ درست ہے کہ ہمنے

جو کچھ معلوم کیا ہے وہ محض ایک نسبتی امر ہے - اور حقیقت مین ہمکو نہ اپنے اور غبارے کا باہمی فاصلہ معلوم ہوا ہے - نہ غبارے کے محور کا طول - تاہم ہمکو جو کچھ معلوم ہوا ہے - وہ بھی ایک کام کی بات ہو - اور اس سے بہت سے مفید نتیجے اخذ ہو سکتے ہین - اور جو کیفیت غبارے کی ہے - وہی ہر ایک کروی چیز کی ہے - خواہ وہ چاند ہو سورج ہو - ستارہ ہو - یا ستارون کا گچھا ہو - یہ نسبت یقیناً ہر ایک صورت مین صادق آئے گی -

اب اگرچہ علماے ہیئت ابھی تک عام طور پر ستارون اور خاص کر ان تارونکے گچھون کا واقعی فاصلہ دریافت نہین کر سکے - تاہم چونکہ وہ انکا ظاہری حجم ناپ سکتے ہین - جو چشم ظاہر بین کو نظر آتا ہے - اس لیے وہ اندازاً ان گچھون کے مختلف تارونکا باہمی فاصلہ بھی بتا سکتے ہین - ہان یہ مجھے یہین کہدینا چاہیے کہ ناظرین کہین میری گیند کی مثال سے دھوکے مین پڑکر ان گچھون کا ظاہری حجم اس گیند کے برابر نہ سمجھ بیٹھین - کیونکہ یہ اس سے کہین چھوٹے معلوم ہوتے ہین - یہان تک کہ ایک گز کے فاصلے پر اگر پن کا ناکہ - یا رائی کا دانہ بھی رکھ دیا جاے تو وہ ان کو نظر سے چھپا لیگا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عظیم الشان اور عجیب وغریب گچھون کے دو بعید ترین کنارون کا فاصلہ اس مسافت کے مقابلے مین بہت ہی کم ہوگا - جو ہمکو ان سے جدا کیے ہوئے ہے - اور پھر جب ہم ان کثیر التعداد اور بیشمار تارون کو دیکھتے ہین - جو ان انتہائی کنارون کے درمیان مین بکھرے ہوئے ہین - تو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تارے اور بھی زیادہ پاس پاس ہین - منجمون نے مختلف قرائن اور قیاسات سے آخر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان گچھون کے تارون کی باہمی مسافت کسی طرح اس فاصلے کے دس لاکھوین حصے سے زیادہ نہین ہو سکتی - جو ہمارے آفتاب اور انکے درمیان مین حائل ہے -

لیکن ان گچھون مین بہت سے تارے ایسے بھی ہین - جو اوسط طاقت کی دوربین سے صاف نظر آنے لگتے ہین اس لیے ہمکو مان لینا چاہیے کہ یہ تارے کم سے کم بیسوین درجے کے تارون کے برابر توضرور روشن ہین یعنی بالفاظ دیگر اسکا یہ مطلب ہے کہ اگر اول درجے کے روشن ستارون کو انکے موجودہ فاصلے سے بیس گنا زیادہ فاصلے پر لیجائین - تو دونون کی روشنی برابر معلوم ہو - اسلیے اگر ہم بفرض کسی خیالی جہاز مین بیٹھکر فضاے محیط مین اُڑین اور اُڑتے اُڑتے ان مین سے کسی گچھے کے اس قدر قریب پہونچ جائین کہ ہمارا انکا فاصلہ انکے موجودہ فاصلے کا صرف بیسوان حصہ رہجاے - تو ہمکو اسکے زیادہ چمکدار تارے اتنے ہی روشن معلوم ہون - جسقدر یہان سے اول درجے کے تارے روشن نظر آتے ہین - لیکن اس قرب کے باوجود بھی ہم ان تارون کے باہمی فاصلے سے پچاس ہزار گنا زیادہ دور ہون گے - کیونکہ ہم کہہ ہی چکے ہین کہ ان تارون کا باہمی فاصلہ ہمارے اور انکے فاصلے کے دس لاکھوین حصے سے زیادہ نہین ہے - خیر - تو اگر ہم اپنے خیالی جہاز پر برابر اُڑے چلے جائین - اور ان گچھونکے اور بھی زیادہ قریب ہوتے ہوتے آخر مین ان کے مرکز مین جا پہونچین - تو پھر کیا ہو؟

اسکا جواب بہت آسان ہے - فرض کیجیے کہ ہم ایک مجموعے کے بیچون بیچ اسکے دو سب سے زیادہ چمکدار تارون کے درمیان مین پہونچ گئے - اب ظاہر ہے کہ ہمارا فاصلہ ان دونون تارون مین سے ہر ایک سے اس فاصلے کا ایک لاکھوان حصہ ہوگا جو ہمارے اور انکے درمیان اُس وقت تھا جبکہ وہ دونون تارے اول درجے کے ستارون کی برابر روشن نظر آتے تھے - کیونکہ اسوقت ہم انسے انکی باہمی مسافت کی نسبت پچاس ہزار گنا دور تھے - اور اب ہم

ان دونون کے بیچ مین آئے ہین - اب قیاس کیجیے کہ یہان سے ہکوان مین سے ہر ایک تارا کس قدر روشن معلوم ہوگا ہمارے اول درجے کے روشن تارون مثلاً الدبران - ویگا وغیرہ سے ایک لاکھ گنا زیادہ روشن نہین بلکہ ایک لاکھ در ایک لاکھ یعنی دس ارب گنا زیادہ روشن نظر آئے گا - کیونکہ ناظرین جانتے ہین کہ کمیت نور بعد کے مربع کے متناسب ہوا کرتی ہے - بالفاظ دیگر یون کہیئے کہ گویہ تارا ہمارے آفتاب کے برابر تو روشن نہ ہوگا - مگر پھر بھی اس قدر روشن ضرور ہوگا کہ اس ایک اکیلے کی روشنی سے اچھا خاصہ دن ہوجاے -

مگر یہی نہین - ابھی تک تو ہم صرف ایک دو تارون کو لے رہے تھے - حالانکہ وہان ایک دو کیا ہزار دو ہزار کا بھی شمار نہین ہے - اس گچھے مین لاکھون تارے ہین - جن مین سے ہر ایک اگر اس قدر روشن نہین ہے - تو کچھ بہت کم بھی نہین ہے - اور جن مین سے ایک ایک کی روشنی شب تار کو صبح صادق بنا دینے کے لیے کافی ہے - اس لیے ظاہر ہے کہ اگر کوئی زمین وہان ہوجہان ہمنے اپنے آپ کو تصور کیا ہے - تو اسپر کبھی بھی رات ہونا ممکن نہین ہے - یہ ممکن ہے کہ دن کے مختلف درجے ہون - جو حصۂ زمین قریب ترین سورج کے رُخ ہوگا - وہان سب سے زیادہ دن ہوگا - اور جو اسکے مقابل مین ہوگا وہان سب سے کم دن - مگر ہر وقت اور ہر کہین دن ہی ہوگا - اور دن بھی اسقدر روشن کہ اسکا تاریک سے تاریک حصہ ہمارے روشن سے روشن دن کی دوپہر سے زیادہ روشن ہوگا -

یہ ایک ایسی کیفیت ہوگی - جسکا ہم کسی طرح تصور بھی نہین کر سکتے - کیونکہ ہماری زمین پر اسکی کوئی دھندلی سی مثال بھی نہین ملتی - پھر ہم یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ یہ دور دراز کے تارون کے گچھے صرف بجھے اور بے جان کرہ ہاے آتشین ہی

ہین اور کچھ نہین - کیونکہ ہم جانتے ہین کہ یہ ننھے ننھے سے ٹمٹماتے ہوئے تارے حقیقت مین کائنات کی نہایت ہی عظیم الشان رکن ہین - ہم یہ بھی سمجھتے ہین کہ انمین سے ہر ایک تارا روشنی اور جسامت مین کسی طرح ہمارے آفتاب تابان سے کم نہین ہی - اور پھر ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ ان اجرام نور کی تعداد ہزار در ہزار ہے - کیا ان سب باتون کو جانتے ہوے بھی ہم یہ خیال کر سکتے ہین کہ یہ غیر محدود مادہ یہ لاانتہا طاقت یونہی عمر مفلسان کی طرح فضول اور رائگان جا رہی ہے - کیا یہ ہزارون لاکھوں روشن آفتاب اور نورانی ستارے بھی گور غریبان کے چراغ بالین کی طرح عبث اور بیکار ٹمٹما رہے ہین - یہ تو کسی طرح سمجھ مین نہین آتا - اس لیے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان آفتابون کے گرد ہمارے گھر کی طرح کی ہی زمینین - بڑی بڑی دنیا ئین ہون گی - جہان ممکن ہی نہین بلکہ قرین قیاس ہے کہ ان میں جمادات و نباتات کا بھی وجود ہے اور احتمال ہے کہ ہماری طرح دیگر ذی عقل حیوانات بھی رہتے ہون - مگر یہ یقینی بات ہے کہ ان دنیاؤن کا حال بالکل وہی ہوگا جو ہم اوپر بیان کر آئے ہین - وہان ہمیشہ دن ہوگا - یا یہ کہیے کہ نہ کبھی دن ہوگا - نہ کبھی رات - اور کوئی موسم بھی نہ ہونگے - وہان کی حرارت دائمی اور وہان کی روشنی غیر مقطوع ہوگی - اور جہان تک ہم قیاس کر سکتے ہین - وہان کے باشندون کو اس سے بھی بحث نہ ہوگی کہ آیا انکی زمینین کسی خاص آفتاب کے گرد باقاعدہ مدورون مین گردش کرتی ہین - یا کبھی ایک آفتاب کے گرد اور کبھی دوسرے آفتاب کے گرد چکر لگانے لگتی ہین - اور یونہی ہر روز اپنے آفتاب بدلتی رہتی ہین - جیسا کہ بعض اُن دُمدار تارون کی بابت کہا جاتا ہے جو کبھی بھولے بھٹکے فضاے محیط مین سیر کرتے ہوے ہمارے آفتاب کے پاس آجاتے ہین - اور گئے وقت کی طرح جہان سے وہ ایک بار گزر گئے ہین - وہان پھر ابد الآباد تک نہین آتے -

ظاہر ہے کہ ہم ان عجیب وغریب دنیا والون کی طرز بود و باش کا کیا تصور کر سکتے ہین - اسپر رائے زنی کرنا تضیع اوقات اور نادانی ہے - ہم کسی طرح بھی یہ نہین سمجھ سکتے کہ ان لوگون کو کس قسم کے حواس دیے گئے ہین - اور ان کی شکل صورت - قد قامت کیسے ہون گے - جن سے وہ ایسی حالت مین رہتے ہین - جو یقینًا ہمارے لیے سخت تکلیف دہ ہو - لیکن ہم ان سرزمینون کی عجیب و غریب حالت کا کچھ یونہی سا تصور کر سکتے ہین - حقیقت مین یون سمجھنا چاہیے کہ وہان کی حالت بالکل ایسی ہی ہوگی - جیسی اگر کبھی کسی تارون بھری رات مین جتنے تارے نظر آتے ہین وہ یکایک اتنے زیادہ روشن ہو جائین کہ ان مین سے ہر ایک سورج کے قریب قریب معلوم ہونے لگے تو ہماری زمین کی ہو - اور پھر اس طوفان نور مین ان آفتاب پیکر ستارون کا بے انتہا گردشین کرتے ہوئے ہر وقت چارون طرف ڈوبنا اور ہر وقت چارون طرف سے طلوع ہونا ایک ایسا عجیب و حیرت ناک تماشا ہو جو یہان چشم تصور نے بھی نہین دیکھا - مگر وہان کا ہر شخص ہر وقت دیکھتا ہوگا - مگر بر خلاف اسکے وہ صبح و شام کے دلکش منظرون - شفق کے خوشنما رنگون اور سایے کے عجیب و غریب صورتون سے بھی بالکل نا آشنا ہوگا -

اسکے علاوہ وہان والون کی ایک اور بھی خصوصیت ہوگی جو دلچسپ ہی نہین بلکہ سبق آموز بھی ہے - یہ تو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے کہ وہان کے باشندون مین ایسے آدمی نہ ہون جنھون نے ماہیت کائنات اور انتظام عالم کے سمجھنے کی کوششین نہ کی ہون - یہ بھی قیاس کر لینا چاہیے کہ شروع شروع مین انکو بھی اپنے کا انتظام سمجھنے مین ہمارے منجمون کی طرح بہت سی دقتین پیش آئی ہون گی - وہ مدتون تک اپنی زمین کو تمام نظامون کا مرکز اور ساری مخلوقات کا خلاصہ سمجھتے رہے ہون گے - اور شاید بہت غور و فکر کے بعد صحیح نتائج پر پہونچے ہونگے -

اور ان کو اپنے بظاہر چھوٹے چھوٹے سورجون کی اصلی جسامتون اور اپنی بظاہر ساکن زمین کی گوناگون گردشون کا اندازہ ہوا ہوگا -

مگر یہان ان کی علومات کا دائرہ یقیناً ختم ہوگیا ہوگا - کیونکہ ان کی سرزمین کی بے انتہا روشنی اور ان کے کثیر التعداد آفتابون کی دائمی چمک نے باقی تمام نظامات کائنات و سیارات عالم کو ان کی نظر سے چھپا رکھا ، اور بعینہ جس طرح ہماری زمین پر دن کے وقت ایک آفتاب کی روشنی سے تمام ستارے غائب ہوجاتے ہین اسی طرح وہان کے دائمی دن مین کبھی بھی کوئی بیرونی ستارہ نظر نہ آتا ہوگا - ان کی بے انتہا روشنی ہی نے گنبد نور بنکر ان نظرون کو محدود کردیا ہوگا - اور ان کے ہزارون سورجون کی تابش نے ان کو ان کرورہا کرور تارون کی چمک سے بے بہرہ کر رکھا ہوگا جو ہمارے آسمانون پر رات بھر جگمگاتے رہتے ہین - غرض ہم سمجھ سکتے ہین کہ گو جس عالم مین وہ لوگ رہتے ہین وہ خود نہایت ہی شاندار - روشن اور عجیب وغریب ہے - مگر اس کی ان بے انتہا نظامات کے سامنے کیا ہستی ہے - جن کو ہم اپنی کالی رات کے بھیانک پردے مین دیکھتے ہین - اور جنکے ہجوم مین ان کے سے سیکڑون ہزارون عالمون کا ڈھونڈھے بھی پتہ نہین لگتا -

غرض یون ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ گو روشنی بہت سے عجیب وغریب تماشے دکھاتی ہے - لیکن ساتھ ہی اسکے ان سے بہت زیادہ نظارے چھپا بھی دیتی ہے - ہم ان تارون کے گچھون کے رہنے والون کی حالت کا تصور کرسکتے ہین کہ وہ اپنی نہایت روشن دنیا اور اپنے دائمی دن اور ہر وقت ڈوبتے اور ہر وقت نکلتے ہوئے سورجون کے عالم مین کیسے خوش ہونگے - اور اگر کوئی ان کے سامنے کالی رات اور خوفناک اندھیرے کا ذکر کرے اور کسی طرح وہ اسکا مفہوم بھی سمجھ سکین تو وہ اس سے کسقدر گھبرائین - اور اپنے آپ کو ہمسے کس قدر زیادہ

عمدہ حالت مین سمجھین - مگر ہم جانتے ہین کہ ان کی یہ روشنی ہی ان کی نظرون سے ان نہایت ہی شاندار مناظر اور نظامات کائنات کو چھپائے ہوئے ہے - جو ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہین - بعینہ یہی حالت اہل فلسفہ و سائنس کی بھی ہے - وہ بھی اپنی عقل رسا کی روشنی پر ناز کرتے ہین - اور کسی ایسی بات کو تسلیم نہین کرنا چاہتے جو ان کے علم و قیاس کے دائرے سے باہر ہے - لیکن بالکل ممکن ہے کہ ان کی یہ روشنی عقل ہی بہت سی ایسی عجیب سچائیون کو چھپائے ہوئے ہو - جو عقل کی رسائی سے پرے اور علم کی دسترس سے باہر ہون - روشنی اچھی چیز ہے - عقل بھی اچھی چیز ہے مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ روشنی ہی کی کثرت سے نظر آتا ہے - اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے - وہ عقل ہی کی رسائی سے معلوم ہوتا ہے - حقیقت مین رات بھی اپنے پردے مین ایسے ایسے حیرت خیز اور تعجب انگیز نظام چھپائے ہوئے ہے جو نظام شمسی سے بدرجہا زیادہ بڑے اور بمدارج زیادہ عجیب اور شاندار ہین - اور جو دن کی روشنی مین کبھی بھی نظر نہین آتے اور کوئی وجہ نہین کہ روشنی کی طرح عقل اور علم بھی بہت سی صداقتون اور بہت سی سچائیون کو کیون چھپائے ہوئے نہ ہون -

محمد انوار الحق

رباعیات مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

معبود کسے، تیرے سوا کہتے ہین
ہان فرق یہ ہے، نام جدا کہتے ہین
بس مادہ کہتا ہے اُسیکو دہری
ہم اپنے یہان، جسکو خدا کہتے ہین

وہ ولولۂ بادہ پرستی نہ رہا
کچھ دیر بھی، خمخانۂ ہستی نہ رہا
اک شعبدہ تھی، جام کی گردش ساقی
جب بند ہوئی آنکھ، تو کچھ بھی نہ رہا

شہرت و ناموری

یہ ایک مشہور جملہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہی، اوسکو اپنی زندگی کے کار آمد بنانے کے لئے ضروری ہی کہ وہ اپنے ہم جنسون سے رعایت اور ہمدردی کا خواہان ہو، وحشیانہ زندگی کے منازل طے کرکے جب انسان تہذیب و تمدن کے راستون مین قدم رکھتا ہی تو اوسوقت ایک ابتدائی نظام تمدن یا ہیئت اجتماعیہ قائم ہوتی ہی، اور ہر فرد مختلف انسانی ضروریات کے لحاظ سے مختلف کام اور پیشے اختیار کرتا ہی۔ کوئی کپڑا بنتا ہی، کوئی سلائی کرتا ہی، کوئی اناج بوتا ہی، کوئی سوداگر بنتا ہی، غرض ہر شخص اپنی پسند کے مطابق اپنے آرام اور سوسائٹی یا تمام ابناے جنس کے فائدہ کو مدنظر رکھکر کوئی کام یا پیشہ اختیار کرتا ہی۔ ہر شخص چونکہ اپنی ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کا تنہا انتظام نہین کرسکتا اسلئے ضرورت لاحق ہوتی ہی کہ باہم تقسیم عمل ہوجائے اور ہر شخص اپنے خاص کام سے دوسرون کی مدد کرے اس طریقہ سے کل جماعت کی کاربرآری ہوتی ہی اور سب آرام پاتے ہین۔

اسی ہیئت اجتماعیہ کے قیام و ترقی کے لئے و نیز انفرادی آرام و فائدہ کے لحاظ سے یہ امر لازمی ہی کہ سوسائٹی کا ہر فرد ایک قسم کا اعتبار پیدا کرے اور اوسکو قائم رکھے، ورنہ ہیئت اجتماعیہ کے دوسرے اراکین اوسکو چھوڑ دینگے، اوس سے نفرت کرینگے اور اوسکو اپنی جماعت سے علحدہ کرنیکی کوشش کرینگے۔

ابتدائی نظام تمدن مین مختلف حالات اور مختلف وجوہ سے جو ترقیان ہوتی رہتی ہین اوسکی وجہ سے طرح طرح کے تماشے پیش نظر ہوتے ہین۔ آب و ہوا، مرز و بوم اور دوسرے قدرتی و مصنوعی اسباب سے اثر پذیر ہوکر کسی ملک مین مذہبی حکومت قائم ہوتی ہی کسی جگہ جمہوری سلطنت کی بنیاد پڑتی ہی، اور کہین شخصی حکومت کا پرچم اقبال لہراتا ہی، طرز حکومت کے مختلف مدارج کی بنا پر مختلف جماعت ہائے انسانی باعتبار اپنے حالات و کیفیات کے تمدن و تہذیب کے

مختلف مراتب سے منسوب ہوتی ہین۔

تہذیب وشائستگی کے مختلف مراتب طے کر کے انسان ابتدائی ہیئت اجتماعیہ کے محدود دائرہ سے باہر نکلتا اور ایک وسیع حلقہ یا ایک بڑی جماعت مین داخل ہوتا ہی تو بجائے اسکے کہ اوسکو ایک چھوٹی برادری مین اعتبار قائم کرنیکی ضرورت ہو اوسے ایک بڑی جماعت اور برادری مین اعتبار قائم کرنا پڑتا ہے وہ حیثیت جو ابتدائی ہیئت اجتماعیہ مین قائم رکھنا ہوتی تھی ایک اعلیٰ درجہ کی سوسائیٹی ایک وسیع حلقہ اور ایک بڑے دائرہ مین وسیع پیمانہ پر اوسکو حاصل کرنا پڑتی ہی، انسان کی یہی خواہش کہ اوس کا اعتبار بڑھے۔ اوسکی ذات سے اوسکے ہم جنسون کو مزید فائدہ پہونچے اور وہ اوسکی خوبیون نیکیون اور رفاہ عام کے کامون کو قدر کی نگاہ سے دیکھین اور اوسکے احسانات کا اعتراف کرین اعتبار کی حد سے گذر کر شہرت وناموری کے نام سے موسوم ہوجاتی ہے۔

یہ شہرت وناموری اپنے درجہ اور اپنی سوسائیٹی کے اعتبار سے ایک جولاہا، ایک درزی، ایک کاشتکار اور ایک سوداگر بھی حاصل کرتا ہی اور اپنے طبقہ اور جماعت مین ایک اعلےٰ درجہ کا مہذب ومتمدن شخص بھی یعنی جس سوسائیٹی مین انسان نقل وحرکت کرتا ہی۔ جس مذہب کے سایہ مین وہ نشو ونما پاتا اور جسکے زیر اثر رہنے مین وہ اپنی دنیوی واخروی نجات سمجھتا ہی جس ملک مین پیدا ہوا ہی جہان اوسکو جینا مرنا ہی۔ جس گورنمنٹ کے تعلقہ سیاست کا وہ پابند ہی، جس حکومت کے تحت اور جس قانون کی اطاعت مین رہکر وہ مطمئن، آزاد اور خوش رہنا چاہتا ہی اوس سوسائیٹی کے افراد، اوس مذہب کے پیرؤون، اوس ملک کے باشندون، اوس گورنمنٹ کے افسرون کی نظرون مین اعتبار رکھنا، عزت پانا اور شہرت و ناموری حاصل کرنا اوسکے لئے گویا لازمہ حیات ہی، خصوصاً اوس شخص کے لئے جو اپنی سوسائیٹی، اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنی گورمنٹ کو ترقی اور تہذیب کے اعلیٰ مدارج کی طرف لیجانا چاہتا ہے جو اسبات کا آرزومند ہی کہ وہ اصول تمدن اور وہ طریق معاشرت دنیا کے سامنے پیش کرے

جو اوسکے ملک، قوم یا گورنمنٹ کے لئے مفید ہو جسکی یہ خواہش ہی کہ اپنے خیالات، اپنی جذبات اور اپنی رایون کا اظہار کرکے دوسرون مین وہی خیالات اور جذبات پیدا کرے اور اونکی رایون کو بدل دے کہ قوم اور گورنمنٹ کی اصلاح ہو یہ امر ناگذیر ہی کہ وہ شہرت اور ناموری کے میدان کا چست و چالاک شہسوار بنے اور فضائے عظمت و بزرگی وسیع سطح پر نیر درخشان بنکر چمکے، کیونکہ عزت و اعتبار کی سند اور عظمت و وقار کے پرتلے بغیر اوسکو ہر دروازہ پر دھتا بتائی جائیگی، وہ ہر جلسہ مین نامعلوم رہے گا، ہر طبقہ مین بے مایہ معلوم ہوگا اور ہر شعبۂ زندگی مین ناکام رہیگا اور اوسکی آواز نقارخانہ مین طوطی کی آواز ہوگی جسکی کہین شنوائی نہین ہوتی -

اب اس کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالیے - ایک شخص ایمانداری، دیانت، راستبازی، عدل، محبت اور ایثار کی تصویر مجسم بنا ہوا ہی، کوئی فعل اوس کا ایسا نہین ہوتا جو اصول مذہب کے خلاف سوسائٹی کی روش کے مخالف یا حکومت کے حدود قانونی سے باہر ہو، ہر شخص سے محبت اور خلوص کا برتاؤ رکھتا ہی، ہر شخص سے اخلاص سے پیش آتا ہی معاملہ کا سچا اور وعدہ کا پکا ہی، جھوٹ، دغا اور بے ایمانی اوس سے کوسون دور ہی، قوم، ملک اور گورنمنٹ کی بہی خواہی کی ہر وقت فکر رکھتا ہی، ملک کا مخلص خادم، قوم کا سچا جان نثار اور گورنمنٹ کا ثابت قدم وفادار ہی اور قومی محبت مین ایسا سرشار ہی کہ ذاتی مفاد کو قومی فائدے کے سامنے ہمیشہ پس پشت ڈالدیتا ہی - ایسا شخص ہر جگہ عزت پاتا ہی، گورنمنٹ کی نظر مین معتمد و موقر، ملک مین قابل پرستش اور اہل مذہب کے خیال مین مقدس و بزرگ سمجھا جائیگا، جہان جائیگا اوسکی آؤ بھگت ہوگی جس مجلس مین داخل ہوگا اوسکی تعظیم ہوگی، بڑے بڑے مغرورون کی گردنین اوسکے اوصاف حمیدہ کے سامنے جھک جائینگی اوسکے اخلاق اوسکے ایثار اور اوسکی خالص نیت کا ایسا رعب ہوگا کہ دشمن کو بھی اوسکی تعریف و توصیف بظاہر با دل ناخواستہ لیکن بباطن اعتراف ضمیر سے مجبور ہو کر کرنا پڑیگی، یہ شخص جہان جائیگا،

جو طریقہ معاشرت اختیار کریگا، تمدن کے جس شعبہ مین داخل ہوگا کامیاب رہے گا، اوسکی شہرت و ناموری ایسی ہوگی کہ بڑے بڑے تاجدار اوسکی آرزو کرین گے، بڑے بڑے دولتمند اوس پر جان دینگے، اوسکی شہرت پائیدار، اوسکی عزت مستقل اور اوس کا نام ابدالآباد تک قائم رہے گا، آیندہ نسلین اوس کا نام عزت سے لین گی، اوسکے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے باعث فخر اور موجب نجات سمجھین گے، غرضکہ اوسکی زندگی ایک نامور، کامیاب، آزاد اور مطمئن زندگی کا بے مثل نمونہ ہوگی۔

شہرت و ناموری یا عزت و اعتبار (خواہ جس نام سے اوسے پکارئیے) ہر ایسے شخص کا لازمی حصہ ہی جو سوسائیٹی، ملک، قوم یا گورنمنٹ کی خدمت کرنا چاہتا ہی اور راحت اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا خواہان ہو، جو شخص خدمت کرے گا اوسی کی شہرت اور ناموری ہوگی۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جو شخص کسی حیثیت سے اور کسی حد تک مشہور و معروف ہوگا ضرور اوس نے اوس حیثیت سے اور ایک حد تک اپنے ابنائے جنس کی کسی طبقہ کی خدمت کی ہوگی یا وہ خدمت کرتا ہوگا۔

شخصی سلطنت کے دربار مین شہرت و ناموری کے حلقہ بگوش جس قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین اوس کا تو کہنا ہی کیا لیکن واقعہ نفس الامری یہ ہی کہ جمہوری حکومت کے اصول پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہی کہ اونکی بارگاہ مین بھی اون کو کچھ کم مرتبہ حاصل نہین ہی کیونکہ نیابت کے اصول کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہی کہ جو شخص زیادہ خدمت کرے زیادہ مستحق اعزاز اور زیادہ ممتاز اور نام آور ہو قوم کا پیشوا، ملک کا لیڈر اور گورنمنٹ کا مشیر و وزیر سب وہی ہوگا۔

شہرت و ناموری کا خیال دنیا کے ہر حصہ مین مختلف حیثیتون مین ہمیشہ سے پایا جاتا ہی

اور اگر جائز و مستحسن حدود کے اندر رہی تو انسان کی ترقی اور تہذیب کا سب سے بڑا معاون ہی۔ جن جماعتون مین یہ خیال دب جاتا ہی یا ناجائز اور مذموم طریقہ سے رواج پذیر ہوتا ہی اون پر کم حوصلگی، مردہ دلی، اور افسردگی طاری رہتی ہی اور وہ انحطاط و تنزل کی حالتمین مبتلا ہوجاتی ہین اور بالآخر اس درجہ متبذل اور بے مایہ ہوجاتی ہین کہ وحشی اور نیم وحشی کا خطاب پاتی ہین اور جن جماعتون مین یہ خیال اعلی درجہ پر پایا جاتا، اور مستحسن حدود مین رہتا ہی وہ روز بروز نشو و نما پاتی ہین، تہذیب و تمدن کے مدارج طے کرتی ہین اور نئی نئی اُمنگون، نئی نئی تجویزون، نئی نئی ایجادون اور نئے نئے خیالات سے ترقی کی راہ کو پاک و صاف بنا دیتی ہین۔

جو جماعتین انحطاط و تنزل کی حالت مین ہوتی ہین یا جو شخصی حکومت کے زیر سایہ پشتہا پشت سے رہتی چلی آئی ہین، جنکے ارمان مرچکے، حوصلے پست ہو چکے اور اخلاق بگڑ چکے ہین اون مین ذی اقتدار اور دولتمند اشخاص کا ایک گروہ قوم کا خون چوسنے کے لئے پیدا ہوجاتا ہی جو خدمت کرنے والون اور اصلی عزت و شہرت کے مستحقین کو اونکے پایہ و مرتبہ سے محروم کرنیکی کوشش کرتا ہی، زر و مال کی مدد اور اپنے معاونین کے زور سے جنکی معاش کا وسیلہ خود وہی گروہ ہوتا ہی چند روزہ شہرت حاصل کرلیتا ہی اور قومی مجلسون پر قبضہ کرکے گورنمنٹ مین پیش پیش دکھائی دیتا ہی، خصوصاً جب اوس جماعت کے بہی خواہ اور اوس قوم کے خادم اوسکو انجماد کی حالت سے حرکت کی طرف رغبت دلاتے اور وحشیانہ اور جابری شخصیت کے خیالات سے تہذیب و جمہوریت کی طرف مائل کرتے ہین تو یہ گروہ مع اپنے حوالی موالی اشخاص کے جنمین خود کوئی ذاتی وصف نہین ہوتا اون پاک نفوس کی مخالفت سے عزت و نام حاصل کرتا دکھائی دیتا ہی لیکن اوس کو جلد نیچا دیکھنا پڑتا ہی اور ملمع کی قلعی اڑ جاتی ہی، اوس کا کھوٹا پن ظاہر ہوجاتا ہی اور بالآخر یہ فرقہ ذلیل و خوار ہوجاتا ہی۔ اس ہنگامی اور وقتی دور قدر و منزلت کے ختم ہوتے ہی جب اصلی خدمت کرنے والے

اورحقیقی مستحق عزت بزرگ اپنی اصلی جگہ پر پہونچتے اور اپنے حقیقی مرتبہ پر فائز ہو جاتے ہین تو اون کو اپنے مفید خیالات کی اشاعت کا موقع ملتا ہی اور وہ اپنی نیک رایون اور سودمند خدمتون سے سوسائٹی، ملک، قوم اور گورنمنٹ کی کایا پلٹ دیتے ہین، پھر ہر جگہ اونھین کا دور دورہ ہوتا ہی، ریاکار اور محض مال و زر اور جاہ وحشم کی مدد سے نام و نمود حاصل کرنیوالے اوسکی گرد کو بھی نہین پاتے۔ پس انسانی ہمدردی اور قوم، ملک اور گورنمنٹ کی خدمت کو شہرت و ناموری کا زینہ بنانا چاہیئے کہ اصلی عزت اور حقیقی عظمت کی صراط مستقیم یہی ہی۔

ایسے نیک اغراض اور ایسی مبارک خواہش رکھنے والون کی شہرت و ناموری بجاے خود ایک محمود صفت ہی اور جائز مقابلہ کی وجہ سے قومی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ۔ لیکن دولت و ثروت کی مدد سے جو شہرت و ناموری حاصل کی جائے اور خدمت ابنائے جنس جب پس پشت ڈالدی جائے تو یہ خود ایک مذموم جذبہ بنکر ناجائز مسابقت کی بنا پر قوم کو زوال و انحطاط کے آخری زینہ پر پہونچانیوالی ہوتی ہی۔

دونون قسم کی شہرت اور ناموری چاہنے والون کی جانچ کا معیار یہ ہی کہ طبقۂ اول الذکر اصلی قومی خدمت کو چندروزہ قدر و عزت پر ترجیح دیتا اور قومی و ملکی مفاد کے مقابلہ مین ذاتی اغراض کی ذرہ برابر پروا نہین کرتا، لیکن آخرالذکر گروہ اسی قلیل المدت مرتبہ و منزلت کو حقیقی ملکی و قومی خدمات پر مقدم رکھتا اور ذاتی عزت و جاہ کے مقابلہ مین قومی و ملکی مفاد کو خواب نادیدہ کی طرح فراموش کر دیتا ہی، پس ہمارا فرض یہ ہی کہ ہم کام کرنے والون اور نام و نمود چاہنے والون مین امتیاز کرین اور ہوشیاری، دوراندیشی اور دیانت داری کے ساتھ اندازہ کرکے خادم القوم مخدومھم کو سچ کر دکھائین اور بام شہرت پر چڑھنے مین اوسکی سد راہ ہی نہون بلکہ اوسکی مدد بھی کرین اور جب تک مذکورالصدر معیار پر کسی کو جانچ نہلین قومی و ملکی کام اوس کے سپرد نکرین کیونکہ محض لفاظی یا دولت و ثروت یا با اقتدار لوگون مین رسوخ رکھنے کی وجہ سے کسی شخص کو قومی و ملکی کام سپرد کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت مین

ڈالنا اور اپنے قومی نظام کا شیرازہ بکھیرنا ہے۔

ہمین چاہیئے کہ ہر شخص کو قوم کی خدمت کرنے اور ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی کرنیکا موقع دین، جو اپنے آپ کو سچا خادم ثابت کرے، جو خلوص کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے اور جو انجام فرائض مین اپنے آپ کو قوم کا جوابدہ اور ملک کا ذمہ وار ثابت کرے اوسکے مرتبہ اور خدمات کے لحاظ سے اوسکی عزت کی جائے اور قومی وملکی کامون مین اوسی حصہ دیا جائے اور جو شخص ہماری اصلی خدمت نکرے، اپنا پورا استحقاق ثابت نکرے، اپنے آپ کو قوم کا ایک فرد نہ سمجھے، قوم کے سامنے نیک و بد کا ذمہ دار اور بھلائی برائی کا جوابدہ نہ بنے، وہ قعر گمنامی مین پڑا رہے اور قومی وملکی معاملات کی ہوا نہ پائے تو مناسب اور خیر و برکت کا موجب ہوگا۔

نذیر احمد (علیگ)

مین کیا ہون؟

مین تم سے کیا بتاؤن اے اہل دل مین کیا ہون ۔۔۔ اک نقشہ محبت یا مرکز وفا ہون

سب چھیڑتے ہین مجھکو خاموش ہون مگر مین ۔۔۔ ہون نغمہ ہائے پنہان یا ساز بے صدا ہون

ہون اعتبار ہستی اندازہ گیر مستی ۔۔۔ مخمور اک شرابی مغرور اک گدا ہون

مدت ہوئی کہ ہون مین دلدادۂ مشائخ ۔۔۔ یا درس خانقہ ہون یا نقش بوریا ہون

سجدے کئے ہین مینے برسون صنم کدے مین ۔۔۔ دل سے بتون کا بندہ ظاہر مین باخدا ہون

ہے ظرف میرا عالی مستغنی تموّل ۔۔۔ گنجینۂ سلاطین یا خوان اغنیا ہون

مانندِ کاہ مجھ تک کہنچتے ہین دل سبھون کے
ہون مادۂ کشش کا جذاب کہربا ہون

محفل مین اہل دل کی ہون نغمۂ طرب زا
مجلس مین اہل غم کی مین درد آشنا ہون

کرتا ہون باخبر مین منزل سے بیخودونکو
اس قافلہ مین گویا آوازۂ درا ہون

سرسبز ہون بظاہر باطن مین خون ہے دل
مین اس چمن مین گویا نیرنگئ حنا ہون

ہر نسخۂ محبت مین نے کیا مرتب
اکسیر اہلِ دل ہون اک جز و کیمیا ہون

گو مشت خاک ہون مین سبکی نگہ مین لیکن
اک مخزن جواہر یا معدنِ طلا ہون

اک بیوفا پہ مائل مدت سے ہے مرا دل
پیہم ترانہ سنج روحی لک الفدا ہون

یہ انتقالِ پیکر ہے صورتِ تغیّر
مین ورنہ درحقیقت سرمایۂ بقا ہون

ہون قلزم قدم کا مشہور اک شناور
گو دجلۂ جہان مین اک موجۂ فنا ہون

اجزائے دل سے میرے خلقت ہوئی بتونکی
کہتا ہے پھر بھی سے بت شوخ مین خدا ہون

تھا پتھرونسے مجھکو شغلِ صنم تراشی
دیوانگی مین بھی مین بیکار کب رہا ہون

بالاختصار سن لو یہ سرگذشت میری
اٹھتا ہے جو دلون مین وہ دردِ جانگزا ہون

رگ رگ مین ایک نشتر ٹوٹا ہوا پڑا ہے
جتنی مصیبتین ہین اون سبکی انتہا ہون

اوسکی نظر ہے سطحی میری نظر ہے غائر
ناصح کی دوستی کو کس طرح مین نباہون

مرزا محمد ہادی عزیز

نہین حاصل ہی تو حاصل کرو،

حاصل کرنے کے طریقے فلسفیانہ دلیلون اور دلچسپ مثالون سے ایسی خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہین جنکو دل اور عقل بہت آسانی سے قبول کرلین،

رسالہ اس امر پر بحث کرتے کرتے کہ انسان جس خیال پر اپنے دل و دماغ کو استقلال کیساتھ جمادے اوس مین کامیابی ضرور ہوتی ہی اور جب دل و دماغ پر قابو حاصل کرنے کی طاقت انسان کی فطرت مین موجود ہی تو اوس طاقت سے کام لیکر دل و دماغ کو نیک خیالات کی جانب مصروف کرنا چاہیئے، یہ نتیجہ نکالتا ہی،

"ہماری زندگی عارضی خوشیون اور ذاتی خواہشون کے حاصل کرنے کے لئے نہین ہی بلکہ نہایت اعلی نشا پورا کرنے، نہایت عالی مدعا حاصل کرنے اور اپنے ابناے نوع کے واسطے زیادہ سے زیادہ مفید اور بہ کار آمد ہونے کے واسطے ہی"

اخلاق کی تعلیم اس سے بڑھکر اور نہین ہوسکتی، اگر انسان اپنی زندگی کا مقصد یہی قرار دے لے اور اوسکو ضرور قرار دینا چاہیئے، تو حسن اخلاق کے اثر سے باہمی ہمدردی کا جوش بنی نوع انسان کو اتحاد اور اوصاف کے ایک ہی دائرے مین مجتمع کردے،

ایسے ہی اخلاقی مطالب اور اون مطالب کے مفید نتائج سے اس رسالے کی نسبت یہ راے قائم ہوتی ہی کہ اپنے چھوٹے سے صندوقچے مین بہت قیمتی جواہر بھرے ہوئے ہی، یہ بالکل صحیح ہی کہ،

"خیال مین بھی اپنے مثل پیدا کرنے کی طاقت ہی، خواہ ہمکو اوس کا علم ہو یا نہ ہو، انسانی دماغ کی قوتِ آخذہ کا قانون جو یہ کہتا ہے کہ مثل مثل کو پیدا کرتا ہے اور شبیہ شبیہ کو کھینچتی ہے، وہ کائنات کا ایک عالمگیر قانون ہے اور انسانی زندگی کر ہر لمحے مین اپنا کام کئے جاتا ہی،

قوتِ خیال جس پر زندگی کی بھلائیون اور برائیون کا انحصار ہی اور جسکے صرف کرنیکا

اشارہ

ناظرین پہلے اسے ملاحظہ کرلین اوسکے بعد صفحات
۳۴ - و ۳۵ - پڑھین

ریویو بر رسالۂ قوت خیال

ملقب بہ

تہذیب الخصال

جو سرخی مینے اوپر قائم کی ہی یہ ایک چھوٹے سے رسالے کا نام ہی، یہ رسالہ مسٹر الف
والڈو ٹرائن کی کتاب "کیریکٹر بلڈنگ" کا ترجمہ ہی،

"کیریکٹر بلڈنگ" کے الفاظ خود دکھ رہے ہین کہ کتاب کس بحث مین ہی اور وہ بحث
انسان کی زندگی کے لئے کس قدر مفید ہی،

زندگی کے لفظ سے صرف دنیا کی مادی زندگی ہی مقصود نہین ہی بلکہ اسکے ساتھ ہی
روحانی زندگی بھی مدنظر ہی، روحانی زندگی کا مطلب یہ ہی کہ انسان دنیا مین قوت خیال سے
قلب کی صفائی پر متوجہ ہو جسکا نتیجہ یہ نکلے کہ مرنے کے بعد اوس کو دوسرے عالم مین راحت

ابدی حاصل رہے، اسی قوت خیال کو حضرت جنید بغدادی کا یہ قول کہ "التصوف تصحیح الخیال" صوفیانہ زندگی کا ماحصل قرار دیتا ہی،

آیا کوئی دوسرا عالم بھی ہی؟ بیشک ہی، دنیا کے مذاہب کثرت کے ساتھ اوس عالم کے وجود کو مانے ہوئے ہین، البتہ بعض اوس سے منکر ہین، مجھے اِس موقع پر حضرت علیؑ کا وہ قول یاد آیا جو اونھون نے ایک دہری مذہب والے سے فرمایا تھا، یعنی اگر خدا نہین ہی اور ہم اوسکو مانتے ہین تو مرنے کے بعد ہم کو کچھ نقصان نہ پہونچیگا لیکن اگر وہ ہی اور تم اوسکو نہین مانتے ہو تو مرنے کے بعد تمھارا کیا حشر ہوگا، اسی قول کو اگر دوسرے عالم کے نہ ہونے اور ہونے پر لے جاؤ تو نتیجہ اونھین مذاہب کے مفید نکلے گا جو عالم ثانی کے وجود کو مانے ہوئے ہین،

یہ جملہ مینے اس موقع پر صرف اس ضرورت سے لکھ دیا کہ رسالے کے آخری حصہ مین روحانی زندگی کی جانب قوت خیال کے صرف کرنے کی بحث ہی جس سے تزکیہ نفس کی دولت حاصل ہو،

مختصراً یہ کہنا چاہیئے کہ اس اخلاقی رسالے کا ماحصل اس امر کا ثابت کرنا ہی کہ

"تمام انسانی کاروبار مین اصل محرک قوت خیال ہے"

مین پھر یہ ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہون کہ کاروبار سے صرف دنیا ہی کے دھندے مقصود نہین ہین بلکہ کار سے عالم معاش کا ہر کام اور بار سے وہ بار عبودیت مراد ہی جسکو فطرت انسانی اپنے سر پر لے چکی۔

یہ قول نہایت صحیح ہی کہ

"ہر شخص اپنے دل و دماغ کے حلقے مین مطلق العنان بادشاہ ہی اور اگر نہین ہی تو چاہیئے کہ ہو"

یہ پُرمغز جملہ اوس بڑے اصول کی ہدایت کر رہا ہی جس پر اس رسالے کے نتائج اور انسانی زندگی کے اوصاف مبنی ہین، یعنی تمکو اپنے دل و دماغ پر قابو حاصل ہی اور اگر

اختیار فطرت یا یہ کہیئے کہ قدرت نے خود انسان ہی کو دیا ہی اوسکا فلسفہ جو وسعت مطالب کی ضد نہین رکھتا، رسالے کے اس جملہ مین بھرا ہوا ہی،

مین کہتا ہون کہ قوت خیال ایسی زبردست ہی جو صرف مثل ہی کا مثل نہین پیدا کرتی بلکہ جس شے کا وجود سوا وہم کے اور کچھ نہ ہو، اوس کو بھی مجسّم بنا دیتی ہی، خوف کوئی جسم نہین رکھتا صرف ایک حسّ باطنی ہی لیکن جب یہ حس حرکت مین آتی ہی تو جو وہم اس کا محرّک ہوتا ہی اوسی کو قوت خیال جسم کا جامہ پہنا دیتی ہی، اسی قوت خیال کی نسبت کہا گیا ہی کہ واہمہ خلّاق ہی، خلاق کے معنی ہین پیدا کرنے والا نہ کہ مصوّر، غالباً اصل مصنّف اور حضرت مترجم کا مطلب "مثل کا مثل" پیدا کرنے سے یہی ہو کہ خوف کی حس باطنی وہم کی رو سے جس شکل کو پیدا کر لیتی ہی، مثلاً لکڑی سے آسیب کی شکل کو یا فاسفورس سے غول کی شکل کو، اگرچہ یہ شکلین بالکل فرضی ہین لیکن قوت خیال ان کو تمام اعضا سے مجسم کر کے خوف کی نگاہون کے سامنے پیش کر دیتی ہی، اور یون مثل کا مثل پیدا کرنے کی صورت پیدا ہو گئی،

رسالے کا آخری حصہ منشاے حیات کے اُن بلند نتائج سے متعلق ہی جن سے

"یہ فائدہ ہوگا کہ ہم اپنی غایت الآمال کو زیادہ اعلی اور ارفع بنا سکینگے، یہ فائدہ ہوگا کہ ہم ہمیشہ اپنے اور اپنے خالق کے باہمی تعلقات کو سمجھ کر حقوق عبودیت کو زیادہ اچھی طرح ادا کر سکینگے"

اب مین اس ریویو کو ختم کرنا چاہتا ہون اسلیئے کہ رسالے کے اصل مقصد کو مینے اوسی کے جملون نیز اپنے الفاظ سے اس قدر ظاہر کر دیا ہی کہ ارباب فہم اس امر کا اندازہ کر سکین کہ زندگی کو بااوصاف بنانے، اخلاق کو درست کرنے اور خدا کے ساتھ بندے کو اپنے تعلقات عبودیت مستحکم کر کے حیات مابعد الموت مین راحت ابدی حاصل کرنے کے لئے "قوت خیال" کس قدر مفید ہی،

میری رائے مین یہ رسالہ ایسا اچھا ہی جسکی اخلاقی ہدایتون کو لوگ اپنے دماغون مین

لیکر پڑھی لکھی عورتون اور بچون کو اسکا سبق دین، زیادہ تر مستحق اسکی تعلیم کے وہ نوخیز ہین جنکی حالت مثل پودون کے ابتدا ہی سے درستی اور راستی پر لانے کے قابل ہوتی ہی،

اس رسالے کے مترجم حضرت مفتی محمد انوار الحق صاحب۔ ایم۔ اے۔ منشی فاضل انڈر چیف سکرٹری وسکرٹری صیغۂ تعلیم بھوپال ہین، اردو فصیح اور سلیس، چھاپا نفیس، اور کاغذ عمدہ سفید ہی، قیمت فی جلد ۴ ر، تاج محل بھوپال کا پتا لکھکر حضرت مترجم سے طلب کیا جائے

راقم احمد علی شوق قدوائی

کورٹز نمبر (۳)

(سلسلہ کے لئے نمبر ۶ اکتوبر سنہ۱۹۱۱ء کا الناظر ملاحظہ ہو)

آفت زدون کی حالت ایسی ہتیار دیے، سب سے بڑھکر یہ کہ فن جنگ سے ناواقف اتنا بڑا لشکر لائے اور اوس کا لڑانا نہ جانا، آگے کی صفین دشمن سے لڑ رہی ہین اور پیچھے والے تماشا دیکھ رہے ہین، ان کے ہجوم وکشاکش سے لڑنے والون کا بھی ہاتھ رکتا ہی، اونہین یہ نہ معلوم تھا کہ تمام لشکر کا زور ایک ہی دفعہ دشمن پر کیونکر ڈالتے ہین، اون کے خیال مین یہ نہ آیا کہ لشکر کو پھیلا دین اور حریف کو چارون طرف سے گھیر کر بارین، اون کو یہ تدبیر نہ سوجھی کہ ایک ایک سوار سے ہزار ہزار نیزہ دار اور ایک ایک سرباز سے سو سو تیر انداز مقابلہ کرین، یا ایک ایک توپ کا توڑنا ایک ایک افسر کے ذمے کر دین، اونھون نے یہ بھی نہ کیا کہ جنگ کو متصل جاری رکھین، اور دشمن کو کھانے پینے سونے دم لینے کی مہلت نہ دین، پھر بھی چار ساعت تک بڑی مردانگی سے لڑتے رہے، اون پر آگ برسا کی اور توپون اور بندوقون کے منہ پر سے نہ ہٹے، اور ابھی نہ ہٹتے اگر سپاہ سالار اور فوج کے دوسرے سردار باہم گر تکرار نہ کر بیٹھتے، اس نے اوس کو برا کہا اوس نے اس پر الزام دہرا، قریب تھا کہ آپس ہی مین تلوار چل جائے، انجام اس جھگڑے کا یہ ہوا، کہ بڑے بڑے رؤسا اپنی اپنی فوج لیکر

علیحدہ ہو گئے، جب آدہی سپاہ رہ گئی، تو رئیس لشکر نے بھی میدان جنگ سے مراجعت کی، لیکن یورپ والون مین کوئی ایسا نہ تھا جو زخمی نہ ہوا ہو، اور پچاس گورے یا اس سے کچھ کم و بیش خاک و خون مین آلودہ ہو گئے، کورٹیز نے کشتون کو چھپا چھپا کر دفن کیا، اور چھپانے مین بڑا اہتمام کیا، اوسے ڈر تھا کہین یہ بات نہ مشہور ہو جائے کہ ہم لوگ مرتے بھی ہین، ہندوؤن کا سپہ سالار ایسا بے وقوف نہ تھا کہ آدمی کو جنات یا دیوزاد سمجھے یا مرنے والون مین اون کو شمار نہ کرے، بے وقوفی اوسنے کی تو یہ کی کہ اوس وقت جنگ موقوف کر دی، یہ نہ سمجھا کہ ساری قوم مین ایسا جوش و خروش اور مرنے اور جان دینے پر ایسی آمادگی و طیاری ہمیشہ پیدا نہین ہوتی، اب جو یہ لوگ منتشر ہوے تو پھر اونکا سمٹنا دشوار ہو گیا، ہر ایک یہی کہتا ہی کہ اندلس والون سے صلح کر لینا اور راستہ دیدینا مناسب ہی، یہ لوگ دیوزاد ہین نہ کاٹے کٹینگے نہ مارے مرینگے، پنڈت اون کے نئے لال بجھکڑ نکلے، اوانھون نے سوچ بچار کر عجیب بات کہی کہ تمھارا یہ خیال تو غلط ہی کہ یہ لوگ دیوزاد ہین، لیکن اتنا ہی کہ یہ لوگ سورج کی اولاد ہین، دن کو ان پر غلبہ پانا محال ہی کہ آفتاب ان کی پشت پر رہتا ہی، رات کے وقت آفتاب کی آنکھ بچا کر شب خون مارو تو فتح ہو گی، انشاء اللہ خان کہتے ہین کسی نے پنڈت سے کھٹملون کی شکایت کی تو اوسنے کہا ؎

ایکرے اون کا پدرستانہا جنجل   اوسکی اولاد ہین یہ سب کھٹمل

کلمبس نے دھوکے مین ان لوگون کو ہندو ہندو کہنا شروع کیا تھا، یہ بھی وہ سچ مچ ہندو ہی نکلے، پنڈتون کا کہنا پتھر کی لکیر ہو گیا، ؎

مسی ملتے ہین لعل میگون پر   پھر کمر باندھتے ہین شب خون پر

شب دیجور گئی شب یلدا آئی، تشویش و غم کی رات تو بہ دانابت مین گزر چکی ہی، ابھی زیادہ عرصہ نہین ہونے پایا کہ شب خون کی ساعت آپہونچی، دس ہزار مردان آزمودہ کار برچھے سنبھالے، تلوارین تھوا سے، تیر و کمان سے لیس ہو کر، کیتون مین چھپتے ہوئے، درختون کی آڑ پکڑتے ہوئے آلِ آفتاب کے قریب جا پہنچے، عقل کی خوبی شبخون مارنے چلے تو چاندنی رات

ہین، اندلس والے ایک آفت کے پرکالے بھلا وہ کب غافل ہوتے ہین اوس ملک کی لوگون کا بدگمان وکثیر الحذر ہونا ضرب المثل ہی جس روز سے جہاز پر سے اوترے اور بت پرستون کو خدا پرست بنانے پر کمر باندھی ایک رات چین سے نہین سوئے، ع

کبھی آشنائے تہ لغل سر مرغ قبلہ نما نہین

مرغابیون کی طرح ایک آنکھ بند ایک کھلی، ایک نیند لے رہا ہی ایک کھڑا ہوا پہرہ دی رہا ہی، پہلوبین ہتھیار دھرے ہین گھوڑے کسے ہوے تیار ہین، کورٹز نے ایک پہاڑی پر قیام کیا تھا اوس پر سے دیکھا کہ بھٹون کے کھیت کے اوسطرف جاپانی نے کھیت کیا ہی، اور ایک سیاہی سی پھیلتی چلی آتی ہی، وہ اس پہیلی کو بوجھ گیا کہ ع

راجہ کے باغ مین دوشالہ اوڑھے کھڑی ہی ہری ہے، من بھری ہے

فوراً سب کو جگا دیا کہ بندوقین بھر رکھین اور توپین پھٹر پر چڑھا دین، مگر خبردار کوئی دم نہ مارے، سانس نہ لے، ناگاہ وہ سیاہی لمر لوہ سے آکر لپٹی، اور مار سیاہ کی طرح بل کھا کر پہاڑی پر چڑھنے لگی، ابھی یہ اژدہا سورج کے بچون کو نگلنے چلا آ رہا تھا کہ بجلی سی چمکی اور اولے پڑنے لگے، اوپر کی مار اور اتنے قریب سے، آدمی کی کیا بساط ہی ہاتھی بھی ہوتا تو اولٹ جاتا، اتنی لڑائیان ہوئین یہ کبھی بھاگے نہ تھے، اب کے بھاگے اور بے حواس ہوکر بھاگے، یہ فتح بھی سینٹ جیگو کے نام پر ہوئی اور بڑی ناسور و بہادر قوم پر غلبہ پایا، شور مچ گیا کہ یہ لوگ نہ رات کو سوتے ہین نہ دن کو مرتے ہین، بھلا انسان ضعیف البنیان اور ملائکہ آسمان سے کیا مقابلہ، اب جو وہ کہین قبول کرنا چاہیے، لیکن پھر رئیس فوج نے سمجھایا، کہ دیوانے ہوئے ہو ملائکہ کہان کے دیوزاد، دو دن کھانے کو نہ پائین گے تو بے موت مرجائینگے، تمھین یقین نہ آئے تو میری طرف سے سفیر بن کر جاؤ اور اون لوگون مین رہ کر اچھی طرح اون کے حالات کو دریافت کر آؤ،

غرض سفارت روانہ ہوئی، کورٹز اون کے آنے کی شان اور سفید چادر کے نشان سے سمجھ گیا کہ صلح کے طالب ہین، اونسے بمدارات پیش آیا اور تمام اہل اندلس کو اس صلح کی بے انتہا خوشی

ہوئی، دو ایک دن گزرے ہونگے کہ مریناان لوگون سے کچھ کھٹک گئی، کورٹز سے اوس نے اپنا شبہہ بیان کیا، کچھ لوگ اس سفارت کے جاچکے تھے اور کوئی پچاس آدمی ابھی تک باقی تھے، کہ کورٹز نے کئی شخصون کو باندھ کر الگ الگ اونکا اظہار لیا، حال کھل گیا کہ ہندوون کا سپہ سالار پھر لڑنے کے لیے تیار ہے اور ان لوگون کو جاسوسی کے لئے بھیجا ہو تا کہ ہماری قوت وضعف کا اندازہ کرے، اس نے اون سب کے ہاتھ کٹوا ڈالے اور کہا جاؤ اپنے رئیس سے کہدو کہ جب تمھارا جی چاہے آؤ ہم ہر وقت تیار ہین، اس واقعہ سے ان کی ایک اور کرامات جاہلون کے ذہن نشین ہوگئی، کہ یہ لوگ دل کی بات کو اور غیب کے حال کو جانتے ہین ہم ہرگز ان سے نہ لڑینگے، آخر کار سب نے کورٹز کی اطاعت اختیار کرلی اور یہ کہا کہ جس طرح ہم جنگ مین ثابت قدم رہے دیکھلینا اسی طرح صلح مین بھی استوار رہین گے،

اس صلح سے اندلس والون کی جان مین جان آگئی اور فتح ملکسلو کی بنا قائم ہوئی، اگر ایک آدھ لڑائی اور رہوئی تو سب کا کام تمام ہو چکا تھا، ہر وقت کا دھڑکا ہر دم کا کھٹکا، دن کو اضطرابی رات تو بے خوابی، ہاتھ پاؤن شل ہوش وحواس مختل، جینے سے بیزار ہوگئے تھے، اسی اثنا مین ایک اور رفو دہی ملی، ٹلاسکالا مین جب یہ لڑ رہے تھے تو مونٹی زوما بہت ہی خوش تھا کہ میرے سر سے بلا ٹلی، جب دیکھا کہ اس دشمن صعب پر فتحیاب ہوگئے، تو اوس نے مبارکباد تو کہلا بھیجی مگر دم ہی نکل گیا، سمجھ گیا اس قوم کے ہاتھون اسی ملک کی بربادی بھی ایکدن لکھی ہے۔

ٹلاسکالا کی فصیل مین داخل ہوے تین ہفتے گزرے تھے کہ لڑائی بھی ختم ہوگئی اور صلح کے عہد وپیمان بھی ہوگئے، یہان کے لوگ بڑے جری تھے انکی جرأت کو ان کا فاتح خود تسلیم کرتا ہی، صلح کے بعد عہد وپیمان مین بھی بڑے ثابت قدم نکلے اور ہمیشہ دل سے اندلس والون کی ہوا خواہ رہے، مقام مصاف سے دس کوس کے فاصلہ پر شہر ٹلاسکالا واقع تھا، اہل شہر نے فاتحون کو خاص شہر مین مہمان بلایا توپون کے کھینچنے کا انتظام خود میزبانون نے کیا، راہ مین جتنی بستیان ملین وہان کے زن ومرد گلاب کے پھولون کا ہار خیر مقدم مین ان کو پہناتے تھے اور گھوڑون کی

گلے مین باندھتے تھے، ستمبر سنہ ۱۵۱۹ء کی تیئیسوین تاریخ اندلس والے ٹلاسکالا مین داخل ہوئے، راہ مین ہجوم عام اور کوٹھون پر نظارگیون کا اژدحام اس کثرت سے تھا کہ راستہ نہ ملتا تھا، مکانون پر بندھن وار بندھے ہوے تھے، اون لوگون کے خوشی کے نعرے اور باجون کی آوازین کر مہمانون کا دل دھڑکنے لگا اور بہت خوف طاری ہوا لیکن مرنیا نے اونکا اطمینان کر دیا، اکثر عمارتین اس شہر کی سنگین استرکاری کی مصفا بنی ہوئی تھین کہ خود کورٹز نے یہان کی عمارتون کو شہر غرناطہ کے ایوانات کا ہمسر لکھا ہی، جابجا امیرون کے یہان ہر روز دعوتین اور جلسے ہوا کرتے تھے، محفلون مین زن و مرد یکجا رہتے تھے دل سے دل ملنے لگے اس پر وہان کے لوگون نے ارتباط بڑہانے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ باہم دگر شادیان ہوجانا چاہئے، اندلس والے مذہب کے بڑے پابند تھے دوسرے یہ کہ غیر کفو سے شادی کرنا رسوائی و ذلت کا باعث سمجھتے تھے اور اس وصف مین یورپ کی سب قومین ممتاز ہین کہ غیر کفو سے کسی قسم کا تعلق رکھنا اون کے نزدیک خلاف شان ہی اور شرفا کے لیے باعث ننگ ہی، ان لوگون نے یہ عذر کیا کہ جب تک ہمارا مذہب نہ قبول کرین ہم شادی نہین کر سکتے، غرضکہ مذہب کی بحث چھڑ گئی، ایک راہب جو ان لوگون کے ساتھ تھا اوس نے پیکر مریم و مسیح کو عبادت کے لئے پیش کیا وہ لوگ بخوشی اس بات پر راضی ہوگئے کہ اس بت کو بھی اپنے بت خانہ مین رکھین گے، لیکن واعظ نے کہا کہ تمھارے سب بت جھوٹے خدا ہین، ان سب کو پہلے توڑ ڈالو، یہ سن کر اون لوگون نے کہا کہ ہماری قوم ہرگز اس بات پر رضامند نہوگی، یقین مانو جب تک خون کی ندیان نہ بہ جائین کوئی ہمارے بتون کو نہین توڑ سکتا، جب یہ سُنا تو زیادہ اصرار اس باب مین مناسب نہ جانا سب خاموش ہو رہے بالفعل مذہبی جھگڑون کو ملتوی رکھا، چند امیرزادیان اپنی خوشی سے عیسائی ہوگئین اور کورٹز کے نوجوان افسرون نے اون کے ساتھ شادی کرلی، ۶

رام جی نے بیٹا دیا وہ بھی مسلمان کا

اس فتح کی دہوم اور صلح کی خبرین دور دور پہنچین، ٹلاسکالا کی جرأت و شجاعت مانی ہوئی

بات تھی، اندلسیون کے ساتھ اوسکا شریک ہوجانا ایسا امرعظیم تھا جس نے تمام ملک مکسیکو مین
ہل چل ڈال دی، ریاست تیز کوکو کا ایک شہزادہ لشکر سمیت کورٹز کا شریک اور مونٹی زوما کی
اطاعت سے منحرف ہوگیا اور اس ناخلف کی شرکت سے بھی کورٹز کی بڑی تقویت ہوگئی،

یہ حیرت خیز مضمون تاریخ مین مذکور ہی کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو منجمون نے زائچہ دیکھ کر راجہ
سے کہا تھا کہ اس بچہ کو قتل کرنا چاہیئے اس کے ہاتھ سے ملک و قوم پر تباہی آنے والی ہی، راجہ
مذہب کا پکا تھا اوس نے جواب دیا کہ مجھے یقین ہی کو کٹنرل کی اولاد مشرق سے آنے والی ہی،
اون کے تسلط کا زمانہ قریب آگیا ہی اگر یہ لڑکا جوان ہوکر اون کا شریک و معین ہوجائے تو
مشیت ایزدی سے کیا چارہ ہی، یہ لڑکا بچپن سے کینہ توز و کینہ کش تھا جوان ہوکر بڑا دلیر و
صف شکن نکلا میدان جنگ مین اس نے بڑے بڑے کارنمایان کئے، باپ کے مرنے کے
بعد چاہتا تھا کہ بڑے بھائی سے گدی چھین لے لیکن مونٹی زوما کی حمایت اور کمک سے
اس کا بس نہ چل سکا پھر بھی کچھ کوہستانی ملک اس کے قبضہ مین آہی گیا، اس نے اونہین
پہاڑون مین بڑی فوج تیار کرلی تھی اور وقت کا منتظر تھا، اسی اثنا مین اندلسیون کی چڑھائی
اور ٹلاسکالا کی تباہی اور آخر مین صلح کا مفصل حال اوس نے سنا اور یہ ننگ خاندان غیرون
سے مل کر اپنے بزرگون کا ملک و مال تباہ کرنے پر آمادہ ہوگیا، کورٹز کے پاس اپنا سفیر بھیجا
اور مونٹی زوما کی عداوت کا اظہار کیا، کورٹز نے اوس کی شرکت کو غنیمت سمجھا اور اوسکی حمایت
کا وعدہ کرلیا، اس بدخواہ قوم نے منجمون کی پیشین گوئی کو پورا کرکے چھوڑا، قوم ازٹیک کے
تباہ کرنے اور دارالسلطنتہ مکسیکو کو اوجاڑنے مین وہ کورٹز کا دست راست رہا، ؎

کرتے نہین زبان کو خبر دل کے راز سے لیتے نہین ہین نام چھری کا شکار مین

ابھی یہ لوگ ٹلاسکالا ہی مین مقیم تھے کہ مونٹی زوما کا سفیر پھر پہنچا، سونے کی ایک منقش
چادر اور نفیس نفیس تھان اور کچھ طاقے اوس نے بطور ہدیہ بھیجے تھے اور کہلا بھیجا تھا کہ تم لوگ
اگر مجھ سے ملنا ضرور سمجھتے ہو تو خیر آؤ لیکن شہر چلولا کی راہ سے آنا وہان تمھاری دعوت کا انتظام

ہوگا مگر اپنے ساتھ ہمارے دشمنون مین سے ٹلاسکالا کے لوگون کو یا ٹوٹونک والون کو ہماری سرحد مین لے کر نہ آنا،

کورٹز نے روانگی کا سامان کر دیا یہان کے بہت سے لوگ ساتھ چلنے اور رفاقت کرنے پر آمادہ ہوگئے اس نے اون مین سے چھ ہزار جوان انتخاب کر کے ساتھ لئے اور تین ہفتے عیش وعشرت کرنے کے بعد دوستون سے رخصت ہو کر چلولا کی طرف رخ کیا، ٹلاسکالا سے دس کوس کے فاصلہ پر یہ شہر واقع ہی، بنارس کیطرح زمانہ قدیم سے پنڈتون کا گھر اور تیرتھ کا مقام ہی، یون تو جہان تک نظر کام کرتی ہی برج ہی برج دکھائی دیتے ہین خود کورٹز نے چارسو برج گنے لیکن سب سے بڑا مندر عجیب وغریب عمارت ہی کہ اونسٹھ گز بلند اور چارسو چوہتر گز اوسکے قاعدہ کا دور ہی جس مین چوالیس ایکڑ زمین آگئی ہی، یہ عمارت اہرام مصر سے بہت مشابہ ہی جسکی چوٹی پر کوئٹزل کی مورت اور ایک عالی شان قربانگاہ ہی، شہر کی سڑکین نہایت مصفا اور باہم دگر متوازی ہین،

ٹلاسکالا کے لوگون مین اور چولولا والون مین سخت منافرت تھی اس وجہ سے حسب رائے کورٹز سب ہندوؤن نے بیرون شہر مقام کیا اور یورپ والے فقط شہر کے اندر داخل ہوے، اعیان شہر نے بڑے تپاک سے استقبال اور بڑی دھوم سے دعوتین کین، لیکن تھوڑے ہی دنون مین اونکا طرز بدل گیا اور کورٹز کو بدگمانی پیدا ہونے لگی مرینا اس کی جاسوس تھی اور بڑی خوش مزاج ملنسار عورت تھی وہان کی ایک رانی کو اس سے بہت محبت ہوگئی تھی اوسنے مرینا سے اصرار کیا کہ تم میرے گھر مین چل کر رہو ان غیر ملکیون کے ساتھ اس شہر مین تمہارا رہنا اچھا نہین، مرینا یہ سن کر کھٹک گئی جھٹ اندلس والون کی شکایت شروع کی کہ کچھ اور کھلے، رانی دھوکے مین آگئی اوس نے بیان کر دیا کہ اہل شہر ان غیر لوگون سے بہت ناراض ہین سب ہجوم کر کے ان کے مارنے کی فکر مین ہین مکسیکو کے راجہ نے بھی بیس ہزار مردان کارزار اس کام کے لئے بھیجے ہین وہ سب بیرون شہر چھپے ہوے ہین، سے

جو دل سے ڈرتے ڈرتے ایک حرف شوق نکلا تھا — وہ اوسکے سامنے آیا زبان پر داستان ہوکر

یہ سن کر مرینا ہول کھاتی ہوئی کورٹز کے پاس پہنچی اور سب حال اوس سے بیان کر دیا،
کورٹز تحقیق کے درپے ہوا دو پنڈتوں کو بلا کر بہت سا جواہر و زر و زیور جو مونٹی زوما نے
بھیجا تھا رشوت مین دیا اور مفصل حال دریافت کیا معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ دغا کرنے والے
ہین، اس نے جھوٹھ موٹ خبر اوڑا دی کہ کل ہی صبح کو ہم لوگ یہان سے روانہ ہوجائین گے
اور رات بھر مین قتل عام کا انتظام کرلیا، جانتا تھا بیرون شہر ایک لشکر سفاکون کا موجود ہی
جو قرنون سے قوم ازٹیک کے خون کے پیاسے ہو رہے ہین ذرا اشارہ پاتے ہی شہر مین گھس
پڑینگے اور خاطر خواہ دلکا بخار نکالینگے اور برسون کا قصاص لے لینگے، اون سے کہلا بھیجا کہ
سب تیار رہین اور جس وقت توپ کی آواز سنین فوراً شہر مین گھس آئین اور قتل و غارت مین
کوئی دقیقہ نہ اوٹھا رکھین، یہ سنتے ہی میزبانون کے لئے چھریان تیز ہونے لگین اور تلوارونپر
باڑھ رکھی جانے لگی، ٹلاسکا والون مین وہ رات عید قربان کی رات تھی، تیغ آزمائی کے شوق
مین ان لوگون کو نیند نہ آئی، لذت انتقام رہ رہ کے دل مین گدگدی کرتی تھی اور بستر راحت
پر سے اوٹھا اوٹھا دیتی تھی، دو برس جن ظالمون کے حصار مین گزرے اور نمک کھانے سے محروم
رہے صبح کو سر میدان اون پر ہاتھ صاف کرنے کا اور قصاص لینے کا موقع ہی، ؎

اوسکو پھر تیغ آزمائی کا ہے شوق — کیا ہوا اگر زخم میرے بھر چلے

چلولا کی گلیون مین تباہی و بربادی کی ہوا چل رہی ہی بازارون مین اوداسی برس
رہی ہی، رات ہی سے سناٹا نظر آرہا ہی برجون پر بوم شوم الرحیل الرحیل پکار رہا ہی فرشتہ
عذاب کا اندھیری رات مین الیس الصبح بقریب کی آواز دے رہا ہی، لیجئے صبح ہوگئی آفتاب نکل آیا ؎

ظلمت نے کیا فرار چمکی جو کرن — بھاگا آذر کشسپ سے آہرمن

خنجر کھینچے کوئین سے نکلا بیژن — نیزہ لئے باختر سے پہنچا سہراب

اہل شہر مہمانون کو رخصت کرنے آئے احاطہ مین ایک ہجوم ہوگیا، کورٹز نے اونکی طرف

مخاطب ہوکر پہلے تیغ زبان سے کام لیا شکایت کے اور الزام کے وار کیئے اوس کے بعد گوروں کو اشارہ کردیا، تین چار بندوقین ایک ہی دفعہ چل گئین پھر صحن مین گھوٹیے دوڑا دوڑا کر اون سب کو تلوار سے چورنگ کرنا اور ٹاپون کے نیچے کچلنا شروع کیا، جو لوگ پھاٹک کی طرف بھاگ کر گئے وہان پہرہ والون نے اون کا کام تمام کردیا، باہر سے جو لوگ اپنے ابنائے جنس کی چیخ پکار سن کر کمک کو پہنچے وہ پھاٹک کے سامنے آتے ہی توپ کا نشانہ ہوگئے، احاطہ کے اندر بسمل پر بسمل اور کشتون پر کشتے پھڑک رہے تھے کہ باہر والون کی خبر لینے کے لئے اندلسیون نے اپنے مقام سے حرکت کی، جو لوگ راہون مین ملے اون کو بندوقون اور تلوارون مین دھر لیا جو کوٹھون پر سے حملہ کر رہے تھے اون کے گھرون مین آگ لگا لگا کر محلے کے محلے اوجاڑ دئے یہ آفت تو ناف شہر مین برپا تھی، دوسری طرف سے ٹلاسکالا والے قتل عام کرتے چلے آرہے تھے، دونون گروہون نے ملکر موت کا بازار گرم کردیا گھرون مین گھس گھس کر نفائس مال و نفوس رجال کو تلف و تاراج کیا، اس کشت و خون مین جو لوگ مارے گئے تین ہزار سے چھ ہزار تک کا تخمینہ اونکا کیا گیا ہی،

آخر بعض روسائے شہر و سفرائے مونٹی زوما کی سفارش سے کورٹز نے امان دے دی لوٹ مار موقوف ہوئی، ٹلاسکالا والون نے بہت سے لوگ اسیر کیئے تھے کہ ان کو بیچ ڈالینگے اور چلولا کے پنجرون مین بہت سے اجل گرفتہ پہلے سے قید تھے کہ قربانی کئے جائینگے ان سبکو کورٹز نے رہا کردیا، اسکے بعد بڑی دھوم سے دوشیزہ طفل شیرخوار کو گود مین لئے ہوے بڑے مندر کے ایک حجرہ مین جلوہ گر ہوئے اوسکے سامنے سب عیسائی جمع ہوکر فتح کا سجدہ شکر بجالائے، اس واقعہ کی خبر سن کر قرب و جوار کی ریاستون نے سفارتین روانہ کین اور فرمانبرداری بادشاہ اندلس کو قبول کیا، مونٹی زوما کے پاس سے پھر سفیر آئے اور زر و زیور کے علاوہ پندرہ ہزار پنبۂ لباس بھی اوس نے پیش کئے اور اس سازش مین اپنی شرکت کا انکار اور برأت کا اظہار کیا، کورٹز نے بظاہر اوسکے عذر کو قبول کرلیا مگر دل مین سمجھ گیا کہ راجہ پر رعب بیٹھ گیا،

اس شہر مین پندرہ دن مقام کر کے یہ لوگ مکسیکو کی طرف روانہ ہوے، راہ مین جتنی ریاستین ملتی جاتی تھین سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ظالم سونے کے بہت خواہشمند ہین ہر جگہ سے ہدایا کے ساتھ سونا ہی بکثرت آیا، اور مونٹی زوما کے ظلم و جبر کا شکوہ عموماً ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ہمارے نوجوانون کو لشکر مین اور عورتون کو حرم مین بظلم داخل کرتا ہے، یہ خبرین سن سن کر کورٹز کی ہمت اور بھی بڑھتی جاتی تھی، بہت چڑھائیان اور کوہ آتش افشان راستہ مین پڑے یہ ساری مصیبتین جھیل کر مع خیل و لشکر پار اوتر گیا، راجہ نے ایک سفیر اور بہت کچھ زر و جواہر روانہ کیا تھا کہ پہاڑون پر چڑھنے کے پہلے ہی غنیم کے لشکر مین پہنچ جائے اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم لوگ یہین سے واپس چلے جاؤ تو اس وقت بھی زر کثیر دونگا اور آیندہ بھی تمھارے بادشاہ کو سالانہ خراج بھیجا کرونگا، لیکن یہ سفیر جب تک پہنچے پہنچے سارا لشکر پہاڑون کے اس پار اُتر چکا تھا، راجہ کو جب معلوم ہوا کہ پہاڑون کی راہ کاٹ کر گورون کی فوج وادی مکسیکو مین پہنچ گئی تو بہت ہراسان ہوا، کھانا پینا چھوڑ دیا، ہر وقت دعا و وظائف مین مشغول رہنے لگا، جب خبر آئی کہ بہت قریب پہنچ، تو شاہزادہ کاکاما امیر تیزکوکو کو استقبال کے لئے بھیجا، یہ شخص ہوادار پر سوار تھا، کورٹز کو دیکھ کر اوتر پڑا اور جھک کر سلام کیا، کورٹز کو اس شخص مین شاہزادگی و امارت اخلاق و مروت اور ناز و نعمت کی ایسی شان نظر آئی کہ حیران ہو گیا، تعظیم کی گلے ملا، اوس نے تین دانے گوہر شاہوار کے بطور ہدیہ دئے اس نے ایک ترشے ہوے شیشہ کا ہار اوسے پہنا کر رخصت کیا، لوگون کو ان پردیسیون کے دیکھنے کا ایسا اشتیاق تھا کہ چارون طرف سے ہجوم کئے ہوئے تھے، اور بعض بعض لوگ صفون کے اندر چلے چلے آتے تھے، اس پر اہل لشکر کو طرح طرح کی بدگمانی ہوتی تھی، کہ ایسا نہو کوئی افسر پر حملہ کر بیٹھے یا میگزین مین آگ لگا دے، اسی شک مین کوئی پندرہ بیس ہندوون کو گولی مار مار کر گرا دیا،

حسن کامل

صوفیہ کے حسن سیرت پر لکھے کچھ مین نے بند
یعنی ایسی نیک، ایسی دلکش، ایسی دلربا
لوگ اون کو پڑھ کے بولے شعر تو ہین دلپسند
لیکن ان مین حسن صورت کا مرقع ہے کھنچا
مین نے نقشہ کھینچا پھر رنگینئے الفاظ سے
اوسکی پیاری شکل کا، اس مین بھی نکلی ایک فیہ
کیونکہ مین نے حسن کامل تھا کیا ثابت اوسے
خلق کہتی ہے کہ یہ ہے اوسکی سیرت کی شبیہہ
آہ اوس معشوق کو کیونکر نہ چاہے دل مرا
جو حسین ہو، نازنین ہو، باوفا ہو، نیک ہو
اوس بت کافر کی حق یہ ہے پرستش ہو روا
حسن سیرت حسن صورت جس مین یہ ہر ایک ہو

نادر علیخان نادر کاکوروی

(ترجمہ نظم انگریزی)

شعاعِ اُمّید

آہ یہ اندازِ فصلِ برشگالی آہ آہ — آسمان پر گھٹائین کالی کالی آہ آہ

آہ یہ رونق گلستان کی یہ منظر باغ کا — پھولون کے پژمردہ چہرون پر بحالی آہ آہ

تازگی بخشِ مشامِ روح موجِ بوئے گل — انبساط افزا شرابِ پرتگالی آہ آہ

عشوہ گر جادو نظر یہ آہ کمسن مالنین — اور کفِ نازک پہ یہ پھولون کی ڈالی آہ آہ

نونہالانِ چمن کی آہ یہ آرایشین — یہ ادائین جانفزا یہ دھج نرالی آہ آہ

پُر تبسم آہ سوسن کے مسی آلودہ لب — اور سُنبل کی وہ زلفین کالی کالی آہ آہ

سبزۂ نوخیز کی یہ آہ جامہ زیبیان — دُوشِ گل پر چادرِ پیچش وضع شالی آہ آہ

یہ سہانی رات یہ تارون بھری سقفِ فلک — نور کی یہ چاند کے ہاتھون مین تھالی آہ آہ

آہ جوش افزا یہ موسم یہ سمان برسات کا — اُس تغافل کیش سے پہلو یہ خالی آہ آہ

کیا لبھائیگی مجھے دلکش فضا برسات کی
زخم کرتی ہے ہرے دل کے ہوا برسات کی

یاد کب ہے آہ اب طرزِ غزلخوانی مجھے — اس سے بس معذور سمجھین مرغِ بستانی مجھے

پھول ہنسکر کیا ہنسائینگے بھلا مجھ زار کو — یاد آتی ہے کسی کی چینِ پیشانی مجھے

آرزو سیرِ چمن کی آہ کس دل سے کرون — ایک ظالم نے بنا رکھا ہے زندانی مجھے

اب بھی جی بھرتا نہین ہے آہ یہ بیدردیان — اے فلک تا کے رکھیگا وقفِ حیرانی مجھے

آگے دن کی کاوشین اب کاش پیچھا چھوڑ دین — صدمۂ فرقت گھلا کر کر چکا پانی مجھے

زندگی پر میری ہے محو تحیر اک جہان — دے رہے ہین لوگ الزام گرانجانی مجھے

موت کا احسان لون میری بلا کو کیا غرض — پھونکدینے کو ہے کافی سوز پنہانی مجھے

آس باقی ہے جو تن مین سانس باقی ہے ابھی — ورنہ کچھ کم تھے نہ یہ صدمات روحانی مجھے

اُن کو آلینے دے پھر تو بھی نکلنا جان زار — ہو نہ وقت واپسین حاصل پشیمانی مجھے

سانس مین نے اپنی رکھی ہے لگا اُمید پر
ہے مَثَل دنیا بھی قایم ہے صدا اُمید پر

سید محمد فاروق شاہ پوری

غزل

جشن جم کا ماجرا باد صبا سے پوچھ لے — کیا ہوا تختِ سلیمانی ہوا سے پوچھ لے

داورِ حشر، آرزوون کا نکلنا تو کجا — جان بھی مشکل سے نکلی ہے قضا سے پوچھ لے

ہر قدم پر آتی ہے شہر خموشان سے صدا — خاک مین ہم ملگئے ہین نقش پا سے پوچھ لے

پوچھتا کیا ہے کسی سے، دلکی دل کو ہے خبر — سارا حال اس ساغرِ گیتی نما سے پوچھ لے

زالِ دنیا کے فریب و مکر سے غافل ہے تو — بے وفائی اس کی مردان خدا سے پوچھ لے

کشتۂ تیغ تغافل کی نہین تجھکو خبر — مین بتاؤن تجھکو تو اپنی ادا سے پوچھ لے

لوٹنا دل کا بھی ظالم دیکھنے کی سیر ہے — آنکھ اوٹھانے کیلئے شرم و حیا سے پوچھ لے

اے جنون سے چل کسی جنگل مین ہے جوش بہار — راہ کھلی بن کی اس کالی گھٹا سے پوچھ لے

دو گواہ ہوں سے پریشانی کا میری ہی ثبوت — گر تجھے باور نہیں زلف دوتا سے پوچھ لے

ہے زبان شمع خاموشی میں بھی صرف سخن — بزم ہستی کی خبر اہل فنا سے پوچھ لے

جس ہنر سے خود ہو عاری سیکھ لے اُستاد سے — راستہ جو بھول جائے رہنما سے پوچھ لے

پھر شکیبائی کا دعوی ہو چلا ہے نظم کو

پھر مزاج آگر ذرا ناز و ادا سے پوچھ لے

علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی

غزل

ادائے شرم پر نازاں ہو نظروں سے نہاں ہو کر — ستم کرتے ہو در پردہ شریک آسماں ہو کر

رگ و پے میں سمایا عشق ربط جسم و جاں ہو کر — رہی یہ آگ میرے تن میں مغز استخواں ہو کر

سمجھتے ہو تماشا دیکھنا اس داغ سوزاں کا — کیا اک حشر برپا جس نے سینہ میں نہاں ہو کر

جنوں کے جوش میں کیا اصل ہے جیب و دامن کی — عجب کیا جامہ اصلی بھی اُترے دھجیاں ہو کر

ہوئے بیباک اب تم ورنہ طفلی میں یہ عالم تھا — جھجک جاتے تھے اپنے سایہ سے خود بدگماں ہو کر

شب مہتاب میں فرقت زدے تیرے نکل آئیں — عجب کیا رخت ہستی پرنے پرنے ہو کتاں ہو کر

محیط آسماں نے مجھکو آخر گھیر کر مارا — لگائے ہر طرف سے تیر ظالم نے کماں ہو کر

غزل اس رنگ کی ایک اور بھی لکھنا پڑی مرزا

نہیں رکتی طبیعت اہل معنی کی رواں ہو کر

مقام عشق پر فائض ہوئے ہم لامکاں ہو کر ولہ کسی پردہ نشیں کے گھر پہ پہنچے لامکاں ہو کر

لگائے تیر دل پر تیرے ابرو نے کمان ہوکر
کلیجہ پر پڑین نیچی نگاہین برچھیان ہوکر

تیری باتونکو دہراتی ہی فرقت مین زبان میری
یہ تیرے منہ مین گویا رہتی ہی تیری زبان ہوکر

یہی انجام ہم آغاز الفت مین سمجھتے تھے
رہے گی یہ بلا آخر عذاب جاودان ہوکر

کوئی اس آفتاب حشر کو دیکھے تو کیا دیکھے
شعاع حسن مانع ہی نگاہ پاسبان ہوکر

حیا کی شوخیون سے اٹھتے اٹھتے جھک گئین نظرین
مری قسمت سے اونکے تیر بھی آئے کمان ہوکر

ترے ہر لفظ پر شوخی سے اُس نے نکتہ چینی کی
غزل کیسی لکھی تھی تو نے مرزا نکتہ دان ہوکر

مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی

خیرات

ایک بے کار آدمی بازار مین ملتا ہی، تم اوسکو نکل کا ایک سکہ دیتے ہو، وہ دو پیسہ مین روٹی کھاتا ہی اور بقیہ دو پیسے کی افیون لیکر گھومتا ہی اور ایک درخت کے سایہ مین افیون پی کر غین ہو جاتا ہی، دوسرے دن وہ یہ خیال کرکے کہ کام کم ہی تو ہو نکل کے سکے دینے والے تو بہت ہین، بھیک مانگنے کی ضرورت نہین کیونکہ لوگ اتنے نرم دل ہین کہ اوسکی حالت پر خود رحم کرینگے اور اوسکو ضرورت بھر کے پیسے مل جائین گے، اب بتاؤ کہ تمنے اوس شخص کے ساتھ کیا بھلائی کی؟

دروازہ پر دستک کی آواز سنکر تم دروازہ کھولتے ہو، ایک عورت گود مین بچہ لئے کھڑی ہی، اور رو رو کر بیان کرتی ہی کہ مین بیوہ ہون، یہ دودھ پیتا بچہ بے دودھ کے تڑپتا ہی، گھر پر دو چھوٹی چھوٹی لڑکیان فاقہ کر رہی ہین، تم یہ دردناک حالت سنکر ایک دونی جیب سے نکالکر اوسکے ہاتھ دھرتے ہو، اب اگر وہ کوئی اوباش عورت نہین ہی تو وہ دو آنے مین دونون وقت کے کھانے کا سامان کریگی اور دوسری شام کو پھر دونی کی تلاش مین نکلے گی، پھر بھلا تمھاری دونی مین کیا برکت ہوئی،

تمھاری گلی مین معجزہ آل نبی پڑھتے ہوئے دو آدمی نکلتے ہین تم اون کو ایک پیسہ دیکر
مکان کے اندر چلے جاتے ہو، نتیجہ کیا ہوتا ہی، وہ دوسری گلیون مین اس طرح گاتے
ہوئے پھرتے ہین، تمھارا پیسہ اونکے کس کام آیا،

خیرات دینے کا خیال ہر شخص کو ہوتا ہی مگر یہ کوئی نہین جانتا کہ خیرات ہی کیا، ہماری نظر سے
علم الاقتصاد کی ایک چھوٹی سی کتاب گذری جس کا نام تھا "کیا چیز دکھائی دیتی ہی اور کیا چیز
نہین دکھائی دیتی" ہمارے نزدیک خیرات کے اون طریقون پر جو مذکور الصدر صورتون مین
بیان ہوئین کتاب مذکور کا عنوان پوری طرح صادق آتا ہی،

پہلی صورت مین بظاہر یہ تو دکھائی دیتا ہی کہ ایک شخص کی روٹی کا سامان ہوا جاتا ہی
لیکن یہ نہین دکھائی دیتا کہ اوسکے بعد بھی وہ کسی کام کے قابل رہتا ہی بلکہ وہ ایسے مقامات
کے قریب سے بھی نہین گذرتا جہان کام مل سکتا ہو کیونکہ وہان نکل کے سکے مفت نہین ملتے
عجب نہین کہ رات کو شراب پی کر وہ بدمستی کے پاداش مین حوالات مین بند رہا ہو اور وہین
مفت کی روٹیان توڑی ہون، ایسی صورت مین تم نے صرف اسکو خراب ہی نہین کیا بلکہ
تمھاری جیب پر دو طرف سے بار پڑا، بحیثیت ٹکس دہندہ اور سخت خراب کنندہ کے، یہ
دکھائی نہین دیتا اگرچہ واقعی ایسا نہین ہوتا ہی، اگر وہ خیرات کا مستحق ہی تو تمھاری رقم ٹکس
مین اوسکا حصہ ہونا چاہیئے، اور اگر وہ اس رقم کا حصہ دار ہو سکتا ہی تو ہماری فیاضی سے
اوسکو کچھ نہ ملنا چاہیئے، لیکن بحالت موجودہ دونون مین تحریک ہوتا ہی،

دوسری صورت مین یہ دکھائی دیتا ہی کہ ایک بیوہ عورت، اوسکا شیرخوار بچہ اور
ننھی ننھی لڑکیان فاقون سے تنگ ہین اور تمھاری فیاضانہ خیرات سے اونکو فاقہ کشی کی تکلیف
سے نجات ملجائیگی، یہ اچھی بات ہی لیکن دوسرے دن اونکی حالت بدستور ابتر رہتی ہی،
اوس عورت کے دل مین کام کرنے کا خیال ہرگز نہین پیدا ہوتا، نہ لڑکیان کام مین لگائی
جاتی ہین، نہ اسبات کی کوشش کی جاتی ہی کہ اونکے خوشحال اقربا دست اعانت دراز کرین،

چند روز اسی طرح پر بھیک مانگ کر وہ زندگی بسر کر لیجاتے ہین اور نرم دل لوگ یکے
بعد دیگرے اپنی اپنی فیاضیان دکھا کر بیٹھ رہتے ہین، یہ بدنصیب لوگ فاقہ کشی کرتے کرتے
لطمۂ موت کا شکار ہوجاتے ہین اور اونکی تجہیز وتکفین کا بار پھر انھین نیک لوگون پر پڑتا ہی،
جس سے اونکو اور صدمہ ہوتا ہی مگر افسوس کہ یہی نہین دکھائی دیتا،

تیسری صورت مین تم معجزہ آل نبی پڑھنے والے فقیرون سے ملتے ہو، اونکو محتاج جانکر
تم خیرات دیتے ہو اور گویا اونکی حاجت روائی اور مشکلکشائی کرتے ہو، یہانتک تو ٹھیک تھا
چند روز تک وہ تم ایسے فیاضون کی فیاضی سے بسر اوقات کرتے ہین مگر جاڑون کی شدت
مین ہوا لگ جانے سے بیمار پڑجاتے ہین اور باہر نکلنے کے قابل نہین رہتے اوس وقت
اونکی امداد کی کوئی صورت نہین نکلتی اور یہ کسی کو نہین دکھائی دیتا،

حاشا! مین خیرات کو مسدود کرنے کا خواہان نہین اور نہ فقیر کو بھیک دینے کی روک
کرنا چاہتا ہون بلکہ مین صرف یہ چاہتا ہون کہ لوگ اس بات پر غور کرین کہ اصلی خیرات
کیا ہی اور محض خود غرضانہ خیرات کسے کہتے ہین، اصل خیرات کا مقصد یہ ہی کہ جس کسی کو خیرات
دی جائے اوس کا نفع مدنظر رکھا جائے نہ کہ خیرات دینے والے کی فیاضانہ خواہشات کا
پورا کرنا، اگر تم اپنی فیاضانہ خواہشات کو اس طرح پورا کرتے ہو کہ دوسری دیانت داری کی
ساتھ محنت وکوشش کرنے سے باز رہین اور اون مین فضولخرچی، کاہلی اور بدکرداریان بڑہین
تو یقیناً ہماری فیاضی اس سے زیادہ وقعت نہین رکھتی کہ ڈھول کے اندر پول کھی جائے بلکہ
حقیقت یہ ہی کہ وہ اوس زہر کی میٹھی گولی کے مانند ہی جو کھانے مین خوش ذائقہ مگر نتیجہ اوس کا
ہلاکت ہو، کسی شخص نے کیا خوب کہا ہی کہ "جو شخص کام نکرے وہ روزی کا بھی مستحق نہین ہی"

میرے یہ جملے کسی قدر تلخ معلوم ہوتے ہونگے لیکن مین بلاخوف تردید کہہ سکتا ہون کہ
انھین بظاہر تلخکام جملون مین بعض نہایت مفید اصول مضمر ہین جو ہم مین سے بہتون کے پیش نظر
ہوتے رہتے ہین مگر افسوس ہی کہ ہمارے ملک کے اکثر بڑے بڑے اہل الرائے بھی اون پر

عمل درآمد نہین کرتے، میرے خیال مین اگر بجائے سخت نقصان پہونچنیکے افراد اور ہئیت اجتماعیہ دونون کو تھوڑا سا فائدہ پہونچانا بھی مقصود ہی تو باضابطہ خیراتی کمیٹیان اور خیرات فنڈ قائم کرنا چاہیے ہین، ابتک جو طریقہ خیرات جاری تھا اس کا بہت دنون تجربہ کیا گیا ہی اور یہ تجربہ برابر غیر مفید اور ناکامیاب ثابت ہوا، اسمین شک نہین کہ یہ طریقۂ خیرات مذہب نے سکھایا ہی مگر مین معاف کیا جاؤن اگر مین یہ کہون کہ یہ خالص مذہبی طریقہ نہین ہی بلکہ یہ عیش پرست تمدن کا سکھایا ہوا طریقہ ہی، اس طریقہ مین بجائے اسکے کہ محتاج کا انسداد اور دفعیہ ہو محتاج کی پرورش کرکے امارت کی شان دکھائی جاتی ہی اور فیاضی کی شہرت پوری کی جاتی ہی، محتاج کی اعانت اسطرح پر ہوتی ہی لیکن اوسکو اپنی مدد آپ کرنے کا زرین اصول بھی نہین سکھایا جاتا اور اوسے یہ نہین بتایا جاتا کہ وہ غربت سے واقعی طور پر نجات پائے، بعض فقیر دولتمند بھی ہوتے جاتے ہین مگر آہ وہ دولتمندی کی حالت مین بھی فقیر ہی رہتے ہین اور یہ حالت اس درجہ ہئیت اجتماعیہ کے لئے خطرناک ہوگئی ہی کہ بہی خواہان ملک اوسکے انسداد کے لئے قانونی مدد کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہین، اور جذبات کے اس غیر مفید بلکہ مضرت رسان رو کو روکنے کی کوشش کر رہے ہین، جذبات! ہان جذبات ہی کی مدد سے انسان بڑے اور عمدہ کام کرسکتا ہی، لیکن اگر یہ منظور ہی کہ ملک و قوم کو ایسے جذبون سے نقصان نہ پہونچے اور کوئی فائدہ مترتب ہو تو مثل شعلہ دود اور برق کے اون کی اعتدالی صورت قائم رکھنا چاہیئے،

اصلی خیرات عمدہ طریقہ اور ٹھیک مقصد یا صحیح اصول کا اگر پورا اندازہ کرلیا جائے تو اوس سے نہ صرف فیاضی کی مزید ترغیب ہوگی بلکہ ہم بہت سی فضول خرچی اور خوش عقیدتی کی مضرت رسان غلطیون سے محفوظ رہین گے،

میرے خیال مین اصلی خیرات اور عاقلانہ بھیک دینے کے صحیح مقاصد اور طریقون کے ٹھیک ٹھیک اصول قائم کرنے مین کوئی دشواری نہ ہوگی، پہلا مقصد خیرات کا انسانکی

مدد کرنا ہی، دوسرا مقصد اوسکو اپنی مدد آپ کرنے مین اعانت دینا ہی، تیسرا مقصد یہ ہی کہ اوسکے دوستون اور اعزا پر جنکو اوسکی مدد کرنا چاہیئے تم تمام امکانی دباؤ ڈالو، چوتھا مقصد یہ ہی کہ اوسکی مدد اس طرح پر کیجائے کہ اوسکی خود توقیری اور آزادی کا خیال کم نہو، اور پانچوان مقصد یہ ہی کہ اوسکی مدد اس طور پر کی جائے کہ وہ اپنی مصیبتون کا مقابلہ کرسکے اور اون سے عہدہ برآ ہوسکے، اور آخری مقصد یہ ہی کہ تمھاری کوششین ہمیشہ موثر اور دیرپا نتایج پیدا کرنی مین صرف ہونا چاہیئے ہین،

یہ تو ہمارے مقاصد ہین اب طریقے بھی سُن لو، سب سے پہلا اور ضروری کام یہ ہی کہ ہر چھوٹی بڑی بستی مین ایک یا متعدد خیراتی انجمین قائم ہونا چاہیئے ہین، جہان پہلے سے ایسی انجمنین کام کر رہی ہین وہان صرف اتنی کوشش کرنا ہوگی کہ اون کا دائرہ اثر زیادہ وسیع ہو، یہ انجمنین اپنے اپنے حلقہ کی خیراتی رقوم کی ذمہ وار ہون، یعنی اوس حلقہ مین جو لوگ کسی قسم کی خیرات دین وہ اوس انجمن کے دفتر مین بھیجین اور جسقدر خیرات کی جائے وہ اوسی کے ذریعہ سے ہو، اوسکے بعد جب کسی شخص کے سامنے کوئی قابل امداد آدمی آئے تو اوسکو چاہیئے کہ وہ اپنے حلقہ کی خیراتی انجمن مین اوسکو بھیجدے تاکہ انجمن کے کارکن پہلے اوس کی حاجتون کا صحیح اندازہ کرین اور پھر حسب ضرورت امداد دین،

اس طرح کی انجمنین اگر قائم ہوجائین اور فیاض اور مستعد لوگ پوری اعانت کرین تو ملک کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتی ہین، ملک بھر مین اور ہر ہر بستی مین جس قدر خیراتی روپیہ صرف ہو رہا ہی اگر وہ یکجا ہوجایا کرے تو اوسکی مجموعی تعداد نہایت کافی ہوگی اور بعض فیاض لوگون پر جو مزید بار اسوقت پڑتے ہین وہ اوس سے سبکدوش ہوجائین گے، اور ساتھ ہی اوسکے عمدہ اور باضابطہ انتظام کی صورت مین نہایت معقول اور کافی امداد حاجتمندونکی ہوسکتی ہی، ملک بھر مین جتنے یتیم اور مفلس لڑکے ہین اونکی امداد کی سردست کوئی صورت نہین ہی جسکا نتیجہ یہ ہی کہ قوم مین محتاجون اور بیکارون کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی ہی لیکن

اگر اس طرحکی انجمین قائم ہوجایئن تو ایسے لڑکون کے لئے صنعتی مدارس کھولے جا سکتے ہین جنکے ذریعہ سے ملکی صنعت وحرفت کو بھی فروغ ہوگا اور قوم کا ایک بڑا گروہ باکار ہوکر خوشحالی کی طرف قدم بڑہا سکتا ہی جس سے ساری قوم کا فائدہ متصور ہی،

اس صورت مین یہ ضرور ہی کہ مستعد اور محب قوم اشخاص کو تھوڑی سی ذاتی توجہ صرف کرنا ہوگی، اور یہی وہ چیز ہی جسکی بحالت موجودہ قوم مین کمی معلوم ہوتی ہی، لیکن جس حالت تغیر وکشاکش مین ہماری قوم ہی اوس کا اندازہ کرنے کے بعد مین کچھ زیادہ شکایت اور ناامیدی کا موقع نہین رہتا، ہمین کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور ایک وقت آئیگا کہ ہمین بہت سے مخلص قوم کے خدمت گذار بھی میسر آجایئن گے ہماری اور تمام قومی تحریکات بھی نہایت اچھے پیمانہ پر کام کرنے لگین گی، (باقی آیندہ)

راقم فقیر

لیڈیز کانفرنس

اس بارہ مین ہم اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہین، ۱۲ جولائی کے روزانہ پیسہ اخبار مین کسی خاتون نے ایک طویل مضمون لیڈیز کانفرنس کے متعلق لکھا تھا، چونکہ اوس مضمون کے دیکھنے سے ہمین یہ معلوم ہوا کہ معزز خاتون نے لیڈیز کانفرنس کی مخالفت محض اوس تلخ تجربہ کی بناپر کی ہی جو انجمن خاتونان ہمدرد اسلام لاہور کے چلانے مین اونکو ہوا تھا اور نیز یہ کہ وہ ابھی تک یہ نہین سمجھ سکین تھین کہ کانفرنس قائم کیسے ہوگی اور چلیگی اسلیئے ہمین ضروری معلوم ہوا کہ ہم اوس مضمون کا جواب لکھ کر شایع کرین تاکہ عام طور پر جو غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ تھا اوس سے یہ تجویز نقصان نہ اوٹھائے اور ساتھ ہی اوسکے پبلک کو ایک حد تک اون عملی تجاویز سے واقف ہونے کا موقع ملے جو عموماً حامیان کانفرنس کے پیش نظر ہی، ہم نے اوس مضمون مین اپنے حدود عادت سے قدم آگے رکھکر یہ بھی لکھدیا تھا کہ جن بزرگون کو کانفرنس کے متعلق

کسی طرح کے شکوک ہون وہ ہمکو لکھین تاکہ ہم اونکی تشفی کرنیکی کوشش کرین،

تہذیب نسوان کے کئی نمبرون مین مولوی سید ممتاز علی کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین لیڈیز کانفرنس کے عنوان پر نکلے ہین، شریف بی بی مین ہمارے کرمفرما سید محمد فاروق صاحب نے ایک مضمون لکھا ہی، اُن کے جوابات آئندہ کسی موقع پر لکھے جائینگے، سردست ہم اون خدشات کو رفع کرنا ضروری جانتے ہین جو نظم اُردو کے مسلم الثبوت اُستاد اور الناظر کے معزز قدردان و معاون جناب منشی احمد علی شوق، قدوائی نے اپنے مضمون مطبوعۂ الناظر بابت ماہ ستمبر مین ظاہر کئے ہین،

"بیگمات جو کانفرنس مین شرکت کرنے کے لئے جائینگی اون کے لئے سفر کرنا نہایت دشوار ہوگا، مصارف کی زیادتی کے لحاظ اور نیز اس خیال سے کہ بغیر محرم ساتھی کے وہ سفر نہین کرسکتین"

مشکلات اور دشواریون کے بغیر تو کوئی قومی کام انجام پذیر ہو ہی نہین سکتا، نہین بلکہ دنیا کا کوئی کام مشکلات سے خالی نہین، جو لوگ اب ایجوکیشنل کانفرنس مین شریک ہوتے ہین یا جو مخدرات آیندہ لیڈیز کانفرنس مین شریک ہون اون کے متعلق یہ تو پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ اونہین مصارف سفر برداشت کرنیکی قابلیت ہی اور اون کے دل فیاضی سیرچشمی اور قومی سے در دسے بھرے ہوئے ہین، اگر یہ نہین ہی تو ہمارے پاس ایسے ذرائع ہرگز موجود نہین ہین کہ ہم اونکو شرکت کانفرنس کے لئے مجبور کرسکین، رہا محرم کے ساتھ سفر کرنیکا مسئلہ تو ہم بصد ادب یہ دریافت کرنیکی جرأت کرینگے کہ بحالت موجودہ سفر کرنے والی خواتین مین سے فیصدی کتنی ایسی ہین جو محرم ساتھی کے ہمراہ سفر کرتی ہین، ایسی صورت مین کہ ہمارے ہان اسلامی پردہ کا رواج نہین اور محرمات کی فہرست نہایت طویل ہی، محرم کا تذکرہ کرنا عبث ہی،

اودھ کے قصبات و دیہات ہندوستان مین اسلامی شرافت کا مرکز سمجھے جاتے ہین اور سچ یہ ہی کہ مشرقی تہذیب اور قدیم تمدن کا نمونہ مسلمانون مین اگر کہین نظر آتا ہی تو ہمارے

دیہات وقصبات کے شریف خاندانون ہی مین لیکن یہان بھی محرمات کی فہرست شب ہجر کیطرح طولانی رکھی گئی ہی، آئے دن ہم دیکھتے ہین اور غالباً اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ کثرت سے سفر کرنے والی خواتین غیر محرم ساتھیون کے ہمراہ سفر کیا کرتی ہین، پس جبکہ ذاتی اغراض کے حصول کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز سمجھا جاتا ہی تو کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ قومی اور ملی ضروریات کے لئے ایسا سفر افضل و اولیٰ نہ سمجھا جائے، ہم تسلیم کرتے ہین کہ ہمارا یہ طرزعمل ان دین حضرات کے لئے جواب نہین ہوسکتا جنکے ہان پردۂ شرعی کا پورا پورا اتباع کیا جاتا ہی لیکن بحالت موجودہ ہندوستان مین ایسے حضرات کی تعداد کسقدر ہی،

ماسوا اسکے اگر بفرض محال ہم یہ مان لین کہ ہماری خواتین کو بغیر محرم ساتھیون کے سفر کرکے کانفرنس کی شرکت نکرنا چاہیئے تو اون مخدرات کے اجتماع مین تو کوئی ہرج نہین ہو سکتا جنکے باپ بھائی، شوہر یا بیٹے کانفرنس کی شرکت کرنے آئے ہون یا اون مستورات کی یکجائی مین تو کوئی صرفہ یا دشواری نہین جو کانفرنس کے مقام انعقاد کی رہنے والی ہون،

۲- "کانفرنس مین اس کا انتظام نہو سکے گا کہ کوئی غیر شریف عورت شریک نہو سکے جس سے شریف زادیون کے اخلاق اور اونکی طرز معاشرت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو"

یہ کہنا کہ کانفرنس مین شریف زادیان اور امیرزادیان ہی شریک ہون اسلام کی ایک بڑی خصوصیت کو زائل کر دینا ہی جسنے کل مومنین اخوۃ کہکر امیر و غریب، شریف و رزیل عالم و جاہل، بادشاہ و گدا کو ایک سطح پر کر دیا تھا، کیا شعار اسلام جائز رکھے گا کہ اگر کوئی بدقماش اور بدوضع شخص مسجد مین نماز پڑھنے کی غرض سے پہونچ جائے تو وہ حضرات جو نیکی اور ایمانداری کی شکل مجسم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہین درمسجد سے اوسکی جھلک دیکھ کر اولٹے پاؤن واپس جائین، ہمارے الفاظ کا مفہوم غلط نہ سمجھا جائے اور یہ معنی نہ لئے جائین کہ ہم نماز اور لیڈیز کانفرنس کو ایک ہی درجہ پر لانا چاہتے ہین لیکن جس دل سے ہم کانفرنس کی حمایت کر رہے ہین اور اوسکو قوم کے لئے ضروری جانتے ہین وہ ہمین اسبات کے باور کرنے پر مجبور کرتا ہی کہ لیڈیز کانفرنس یا

اوسی قبیل کی دوسری قومی تحریکات اوس بڑے شجر کی مختلف شاخین ہین جو نور ایمان اور قانون شریعت کے مجموعہ کی صورت مین ہمارے سرون پر سایہ فگن ہی، اور احکام شرعی ہون خواہ قومی فرائض ہمارے خیال مین دونون باہم گرچولی دامن کا ساتھ رکھتے ہین،

اس حیثیت سے گذر کر اگر عام تمدنی حالت پر نظر کیجائے تو یہ کہا جا سکتا ہی کہ لیڈیز کانفرنس کی شرکت کرنیوالی خواتین پر کسی طرح کا شک کرنا نہ صرف ظن المومنین خیرا کے اصول کے خلاف ہی بلکہ اسوجہ سے نہایت نامناسب بھی ہی کہ جو بی بیان کانفرنس کی شرکت کی غرض سے دور دراز متقامات کا سفر کر کے جمع ہونگی وہ یقیناً وہی ہون گی جو قوم کا درد دلمین رکھتین ہین، قومی ضروریات کو محسوس کرتی اور قومی خدمت انجام دینا چاہتی ہون گی، ان نفوس قدسیہ کی عظمت و وقعت کرنے کے بجائے اگر ہم تفتیش وتحقیقات کا محکمہ قائم کر کے اونکی شرافت نسبی اور نجابت خاندانی وغیرہ کی جانچ شروع کرینگے تو ہوشمند اور ذی شعور اصحاب ہمارا مضحکہ اوڑائے بغیر نہین رہ سکتے اور ہم "محتسب را درون خانہ چہ کار" کے پرمعنی مثل کے پورے پورے مصداق بنین گے،

انفرادی حیثیت سے اگر قوم کے تمام ایسے اراکین کی پرائیوٹ زندگی پر ہم مطلع ہون جنکے ذات سے آج ملک وقوم کو بہت سے فائدے پہونچ رہے ہین اور طرح طرح کی تعلیمی تمدنی اور مذہبی انسٹیٹیوشنز کے چلانے مین مدد کر رہے ہین اور اخلاقی یا مذہبی ضابطہ کی میزان پر اون کے اعمال وکردار وزن کرین تو ہمین مجبوراً اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اون مین سے اکثر حضرات مقیاس عمل پر پورے نہین اوترتے، تو کیا اپنی کمزوریون کی بدولت یہ بزرگ اوس عزت کے مستحق نرہین گے جو اونکی خدمات قومی کی وجہ سے ہمارے دلون مین راسخ ہوجاتی ہی یا کانفرنسون اور مجلسون مین اونکو شریک نکرنا کسی حال مین مستحسن اور حق بجانب کہا جا سکتا ہی، یہ تلخ جملے ہین مگر حقیقت اور سچائی کی اگر کوئی وقعت اور قیمت ہی تو ان پر پورا التفات کیا جائیگا ہم ایسے حضرات کی مثالین بتا سکتے ہین جو اپنے اخلاق کی پستی کی وجہ سے بھی اوسی قدر

ممتاز ہین جتنے اپنے تبحر علمی اور خدمات قومی کے لحاظ سے لیکن اونکی پرائویٹ زندگی کے حالات پر خاک ڈالکر آج ساری قوم اونکی تعریف و توصیف کے راگ الاپ رہی ہی اور اون کے قومی خدمات کے کارناموں کی داستانین بیان کرکر کے عظمت و توقیر کا بیش قرار خراج پیش کررہی ہی اسی قدر مراعات ہم اوس فرقۂ نسوان کے برگشتہ بخت طبقہ کے لئے بہی چاہتے ہین جو باوجود شریف نہونیکے قوم کی خاطر دور دراز مقامات کا سفر کرکے معاملات قومی کے عقدہ کشائی مین، مدد دینے کے لئے طیار ہو، اور اگر آپ اس قدر رواداری کے متحمل نہین توپھر ہماری ناچیز رائے مین نہ اپنے لڑکون کو اسکولون مین جانے کی اجازت دیجئے اور نہ خود کسی مجمع یا جلسہ مین شریک ہوجیئے کیونکہ ہم دعوی کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ استثنائی حالتون سے قطع نظر کرکے کوئی پبلک اسکول اور کوئی عام جلسہ ایسا نہین جسمین شریک ہونے والے سب کے سب شریف اور خوش اخلاق ہون،

خدانخواستہ رذالت یا بداخلاقی کے ہم وکیل نہین ہین اور اوس دن کو ملک کیلئے سب سے بہتر اور مبارک ترین جانین گے جب یہ کہا جا سکے کہ ہماری قوم کے تمام یا بیشتر واکثر افراد شرافت اور خوش اخلاقی کا نمونہ ہین لیکن جبتک صورت حالات اسکے بالکل برعکس ہی ہم اون شریف اور نیک اطوار بھائیون سے جو قومی معاملات مین دلچسپی رکھتے ہین اونکی اون ہمپیرزا ورکم مایہ بہنون کے لئے مناسب رواداری کی التجا کرینگے جنکی شرافت اور خوش اطواری کی اگرچہ تحقیق نہین کیگئی ہی لیکن جو قومی درد کیوجہ سے شرکت کانفرنس کے لئے آمادہ وطیار ہین،

اس مضمون کے خاتمہ پر موجودہ رفتار تمدن اور ملک کی حالت پر نظر کرکے انگریزی تعلیم کی حمایت مین لکھا گیا ہی کہ اگر یہی لیل ونہار ہی تو ایک دن یہ ضرورت ہو. اگر تمدنی ہی تو اوسکی تخم ریزی ہونی چاہئے ورنہ فصل بچھڑ جائیگی او بجائے پھلون کے خاک پھانکنی پڑیگی"

کیا یہی جملے لیڈیز کانفرنس کے متعلق عرض کرنیکی ہم جرات کر سکتے ہین ؟ چاسمہ

خیال مین اس سے تو انکار نہونا چاہئیے خصوصاً جبکہ عورتون کی تعلیم اتنی ضروری چیز ہی کہ انگریزی پڑھانے کی صلاح دی جاتی ہی،

واقعہ یہ ہی کہ ہمارے ملک مین قدامت پرستی اور سہل انکاری کی وجہ سے تمام قومی کام ابتر و ناقص رہتے ہین قدامت پرستی کی وجہ سے یون کہ ہمین اپنی ضروریات کا احساس بہت دیر مین ہوتا ہی اور جو لوگ کسیقدر پیشتر احساس کرتے ہین انکو سخت بے اعتنائی اور مخالفت کا سامنا ہوتا ہی اور سہل انکاری کی بنا پر اس طرح کہ جب ضروریات زمانہ محسوس کرلیجاتے ہین تب بھی حصول مدعا کی کوشش مین نہایت سستی اور لاپروائی کی جاتی ہی، چنانچہ اسی لیڈیز کانفرنس کے بارہ مین ہمین معلوم ہی کہ اس مسئلہ سے اتفاق کرنے والون بلکہ اسکے حامیون کی تعداد اب اتنی کافی ہی کہ کارروائی شروع کیجا سکتی ہی لیکن ہر شخص بجائے خود سکوت کے عالم مین اس امر کا انتظار کر رہا ہی کہ دوسرا ابتدا کرے اور انگریزی مثل کے مطابق "بلّی کے گھنٹی باندھنے والا" نظر نہین آتا،

اے ہمدردان فرقہ نسوان اور اے حامیان لیڈیز کانفرنس اگر آپ حقیقت مین کانفرنس کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہین اگر آپ اس بدنصیب فرقہ پر واقعی ترس کھاتے ہین، اگر آپ اپنے جسم مین ایک احساس کن دل اور اوس دل مین ذرہ برابر بھی قوم کا درد رکھتے ہین، اگر آپ کو کسی قسم کی اعانت کرنے کی اہلیت حاصل ہی تو اوٹھئے اور اس مبارک تجویز کو عملی صورت مین لانے کے لئے اپنا دست امداد بڑھائیے، اور ہمین پوری توقع ہی کہ آپ کی ادنی توجہ سے یہ گاڑی چلنے لگے گی اور خواتین ہند کی بہبودی اور فلاح کا مرکزی چشمہ آب حیات کی ساقی گری شروع کردیگا، ورنہ جس قدر دیر کی جائیگی وہ قیمتی وقت لوٹ کر نہ آنے والا وقت، ضایع ہوگا اور اس قومی نقصان کی ذمہ دار آپ سے وطن دوست اور محب قوم حضرات کی خاموشی اور سرد مہری ہوگی،

ایڈیٹر

گولیان !! گولیان !! گولیان !!

لیجیے! آپکو بقائے صحت و زندگی کیلئے اکسیر کی تلاش رہی

ہماری ایجاد کردہ اتنگ نگرہ گولیونکا نام شاید آپنے سنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے بھری ہین۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون۔ ویدون اور حکیمون نے اسکا تجربہ کرکے اسکی تعریف مین ہمکو خطوط لکھے ہین۔ ہزارون سندین اور سارٹیفکیٹ اسکے موجود ہین۔ سیکڑون فرمائشین ان گولیونکی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے متواتر ہمارے شفاخانہ مین پہونچتی رہتی ہین۔ عصبی کمزوری کو جڑ سے کھودینا۔ مایوسیون کو سراپا اُمید بنانا۔ مادۂ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا۔ ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا حافظ کو قوت دینا۔ جسم کو تندرست و توانا بنانا۔ مردہ دلون مین تازی روح پھونکنا اس کا ادنی کرشمہ ہے۔ مرد ہون یا عورتین اونکے ہر قسم کے ضعف دور کرکے عالم جوانی دکھانے مین۔ یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین۔ اگر انہین تندرست بھی کھائے تو بیشمار فائدے اپنے جسم مین پائے۔ جن لوگون نے انہین استعمال کیا ہے اونسے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیجئے یا خود ایک بار تجربہ کرلیجئے۔ **قیمت** فی بکس جسمین ۳۲ گولیان ہوتی ہین عہ علاوہ محصولڈاک ہے

اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب **کام شاستر مفت منگوالیجئے**۔ جو اُردو۔ انگریزی ناگری۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی۔ تامل وغیرہ زبانون مین۔ ۱۵ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہین۔ اور ہم محصولڈاک اپنے پاس سے لگا کر آپکو بھیجدینگے۔ ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کابیان ہم مفت تقسیم کرچکے ہین۔ اس کتاب کے دیکھنے سے آپ کو بہت سے مزید مفید معلومات حاصل ہوجائینگی سے ملنے

کا پتہ

ویدشاستری منی شنکر گووندجی۔ آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر۔ ملک کاٹھیاوار

اس سے بڑھکر اور کیا اکسیر ہوگی

قیومس ہیر ایل (یعنے) روغن نایاب

تمام اعضا مین دماغ بادشاہ مانا گیا ہی - اگر نزلہ - زکام - بالونکا سفید ہونا - دماغی کمزوری - رنگ زرد اور ضعف بصارت معلوم ہو تو سمجھ لینا چاہئیے کہ دماغ مین کمزوری اور کوئی نہ کوئی خرابی ضرور ہی - ہمارا تیل - ایسی کیمیاوی اجزا سے ترکیب دیا گیا ہی - جو بالون کے گرنے سر کے چکر انے - درد سر کے دور کرنے - کم خوابی خفقان اور دیگر امراض دماغی کے واسطے بیحد مفید ہی - اسکے استعمال سے بالونکی جڑین مضبوط اور بالیدگی زیادہ ہوتی ہی - مدرس ڈاکٹر - طالب علم - وکیل - بیرسٹر اور ضعف دماغ کے شاکی لوگون اور خصوصاً عورتون کو اس تیل کا استعمال خاص طور پر رکھنا چاہئیے - یہ تیل بالون کو خوشبودار کرتا ہی - خود تیل نہایت ہی خوشبودار اور خوشرنگ ہی - اسکے استعمال سے سر مین جوئین وغیرہ مطلق نہین پڑتی ہین قیمت فی شیشی ۱۲ محصول ایک شیشی ۴ر اور تین شیشیون کے لیے ۶ر

قیومس سالٹ (یعنے) نمک قیومی

واقع تمام امراض معدہ - درد شکم - درد قولنج - قراقر - نفخ - بواسیر ریاحی - بدہضمی - ہیضہ - درد مثانہ - درد گردہ - کھٹی ڈکار اور قبض کے دور کرنے مین ازحد مفید ہے - اسکا استعمال تمام وبائی امراض سے محفوظ رکھتا ہے - یہ نمک بھوک بہت لگاتا ہی معدہ کی جملہ خرابیون کے دور کرنے کے علاوہ ہاضمہ کو قوت دیتا ہے - ہر شخص کو لازم ہی کہ ہمارے اس ایجاد کردہ نمک کو اپنے گھر مین رکھے اور اسکے استعمال سے ضرور فائدہ اٹھائیے قیمت فی شیشی ۸ر

قیومس ہیر ڈائی (یعنے) خضاب قیومی

آجکل اشتہاری دنیا مین خضابونکی بھرمار ہی - مگر تسلی آمیز الفاظ سے اطمینان ہونا غیر ممکن ہی جب تک تجربہ نہ ہو بیسود ہی - ہمارے دواخانہ مین جو خضاب تیار ہوتا ہی وہ ایک شیشی کا ہی - اسکی خوبیون کو بیان کرنا بیکار ہے تاوقتیکہ خود شائقین اسکی تعریف نہ کرین - خضاب کا کام ہی کہ بالون کو سیاہ کرے - جلد پر داغ دھبہ نہ ہو - بالون کی رنگت کو قائم رکھے - اس مین کرختگی نہ پیدا ہو بدبو نہ دے - سوزش نہ کرے - ہمارے خضاب مین یہ تمام باتین موجود ہین - اور تمام برائیون سے پاک ہی اگر بال سیاہ نہ ہون یا جلد پر داغ آوے - تو قیمت واپس کر دیجائے گی - ایک مرتبہ ضرور منگا کر ہماری صداقت کا امتحان کرین قیمت فی شیشی عہ محصولڈاک ۵ر ایک شیشی سے ۳ شیشی تک ۶ر

قیومس ریگولیٹر (یعنے) حب شفاء النسا

یہ گولیان مستورات کے امراض رحم کے دور کرنے مین اکسیر کا حکم رکھتی ہین - اگر رحم مین یا زیر ناف درد ہوتا ہو - یہ ماہواری ایام ٹھیک طور سے نہ ہوتے ہون - یا بند ہو گئے ہون تو ون یا ہتھیلی مین آگ سی لگی رہتی ہو - یا دو یا ماہ سے تین چار روز قبل رحم مین یا زیر ناف درد ہوتا ہو - کبھی کبھی رطوبت بھی جاری رہتی ہو - علاوہ ازین حمل نہ قائم رہتا ہو یا حمل ضائع ہو جاتا ہو - دن کا شب شکایتون کو دور کرنے میں ہماری یہ گولیان تیر بہدف کا کام کرتی ہین - ایک ماہ دونون وقت استعمال کرنا چاہئیے گولیونکی قیمت محصول عہ

المشتہر

شفیق الدین منیجر دواخانہ حکیم عبد القیوم تالتلا لین نمبر ۷ کلکتہ

چوب چینی اور عشبہ کے اکتالیس مجربہ فوائد

جن کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

فائدہ (۱) جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کر کے کی ہے اور سرٹیفکیٹ دیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ جب کبھی آتشک و سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد بدن پر پھنسیاں ہو جائے۔ چہرہ اور جسم پر داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائیں گے۔

فائدہ (۲) جسکی تصدیق چھتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابی معدہ و خرابی جگر بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر بے رونقی اور مردنی پیدا ہو جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی کبھی قبض ہو جاتا تھا وہ سب اس مرکب کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ (۳) جسکی تصدیق دو سو مریض آزما کر رہے ہیں خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں۔ جسم پر دانے پھوڑے پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جسکی تصدیق تینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چلتوں میں رہتا تھا اور ان سے سخت بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور بدن میں دن بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں اور آیندہ پیدا ہونا بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جسکی تصدیق تین سو مریض کر چکے ہیں۔ ہر ایک ناسور اور جلد سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی اس مرکب کو چند روزہ استعمال سے ناسور سوکھ گیا اور زخم بھی بھر گئے۔

فائدہ (۷) جسکی تصدیق ستائیس بیمار کرتے ہیں ان چوتڑوں سے اوپر گردو تمام ران اور پنڈلیوں میں درد ہو جایا کرتا تھا۔ جس سے ٹانگ دن بدن میں سوکھتی جاتی تھی اسکی ایک شیشی کے استعمال سے رگیں ہاڈ اور درد جاتا رہا۔

فائدہ (۸) جسکی تصدیق چار سو عورتیں اسے استعمال کرنے کے بعد کرتی ہیں کہ انکی بلوں میں درد اور رحم سے بد بودار پانی جاری رہتا تھا اور ایام حیض میں کمر و سر میں درد سخت ہوا کرتا تھا۔ اسکے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے رحم کا پانی بند ہو گیا اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

الغرض یہ چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے اعلیٰ مصفی خون ہے

جہاں بہت سے عشبہ ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے شربت وغیرہ ملانے میں جس سے خون نہایت غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے) یہ مرکب نہایت سریع العمل فائدے دکھلاتے ہیں۔ اس جوہر کا اعضاء رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر پیدا ہوتا ہے جس سے تمام چہرے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

ثبوت کیلئے اسکے استعمال سے پہلے اپنے بدن کو وزن کرو پھر ایک ماہ بعد وزن کرو۔ وزن ڈیوڑھا ہو جاویگا۔

نصف صدی سے یہ مرکب ملک کے ہر ایک حصہ میں تجربہ کیا گیا ہے آپ بھی تجربہ کر کے فائدہ حاصل کریں۔

قیمت

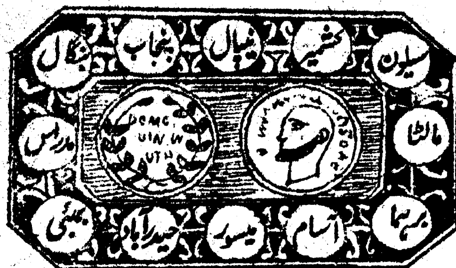
شیشی کلاں (ایک ماہ کے لیے کافی ہو) قیمت دو روپیہ (ہے) شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ .... میر

علاوہ ازین اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوائیں موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب افسر نامردی (للعہ) (۳) [illegible] (۴) [illegible] (۵) حب دافع بواسیر (۶) حب دافع جریان [illegible] (۷) سرمہ [illegible] (۸) جوہر [illegible] مصفی خون [illegible] (۹) [illegible]

نوٹ اگر آپ کسی مرض میں مبتلا ہیں تو ہمارے فارم [illegible] امراض [illegible] جس سے آپ کا مرض معلوم [illegible] علاج کے قابل ہو یا نہیں۔ اگرچہ [illegible] ہوگی۔

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی [illegible] الحکماء [illegible] لاہور

کارخانہ چکن محمد عبد الرحمن و خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ



حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلۂ حسن خدمات و عمدگی مال کارخانہ ہذا کو نمایش گاہ ۱۸۸۵ء مین تمغہ اور سارٹیفکٹ عطا فرما کر سودیشی اشیار کی حمایت اور دیسی تاجرون کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر ہماری ملکی امرا اور روسا کچھ بھی توجہ نہین فرماتے لہذا اگر آپکے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیار کی خریداری مین سعی فرما کر صنعت و حرفت کی ترقی مین مدد دیجئے صرف ملکی اشیار کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہوسکتا ہے مختصر فہرست ہدیہ ناظرین ہے۔

اشیا	قیمت
تھان کامدانی بھی بیل بوٹیکی	عـــہ سے دعـــہ تک
تھان کامدانی و چکن	ے ر سے عـہ تک
تھان چکن بیل بوٹہ دار	ے ر سے عـہ تک
دوپٹہ کامدانی بیل بوٹہ کے	ے ر سے عـہ تک
دوپٹہ چکن بیل بوٹہ دار	عـہ سے ـہ تک
ساری چکن بیل بوٹہ دار	ع ر سے عـہ تک
کرتے چکن ہر جسم کے لائق	۱.۲ ر سے للعہ ر تک
کلاہ چکن دوپلڑی و گول و چوگوشیہ	۲ ر سے عا ر تک
پلنگ پوش بخیتہ	ع ر سے صہ ر تک
لحاف بخیتہ چھپے ہوئے	ع ر سے صہ ر تک
فرد رضائی بخیتہ	ع ر سے صہ ر تک

المشتہر محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ

پان مین کھانیوالی تمباکو کی مشکی گولیان و قوام و زردہ

نہایت خوشبودار خوش ذائقہ مقوی دماغ مفرح قلب جاذب رطوبات فضلیہ دافع درد دندان مصفی دہان وغیرہ وغیرہ ہین اگر ہماری تحریر کے خلاف یا کسی وجہ سے ناپسند ہون تو بذریعہ پارسل واپس فرمائیے فوراً قیمت پھیر دیجائیگی

اشیا	قیمت
گولیان نقرئی جو ہوبہو مثل موتی کے ہین	فی روپیہ ڈھائی تولہ و پانچ تولہ
گولیان سادی بلا ورق کے	فی روپیہ چار تولہ و آٹھ تولہ
قوام مشکی جسکی گولیان بنتی ہین	فی روپیہ ۵ تولہ دس تولہ
زردہ خشک مشک آمیز	فی سیر للعہ ر و عا ر

المشتہر محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن تاجران مقام لکھنؤ گلی پارچہ

رجسٹری شدہ

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن

نشان تجارت

دماغی کمزوری۔ فالج۔ بیخوابی۔ ڈراونے خواب دیکھنا۔ قوی کا قبل از وقت اضمحلال۔ نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہوجانے سے لاحق ہوں۔ ان امراض کے بے ضرر اور قابل اعتماد علاج ہین اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم رکھی ہے فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز سرعت سے دور ہوجاتے ہین۔



اسکی قوت بخش تاثیرات پہلی ہی دور استعمال کرنیسے نمایاں ہوجاتی ہین عصبی اور دماغی قوتون مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے دلمین عادت کے بالکل خلاف تقویت اور تسکین پیدا ہوجاتی ہے۔ ہاضمہ مین فوقیت آجاتی بھوک بڑھجاتی اور قبض رفع ہوجاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھرجاتا ہے لب سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہوجاتی ہے ہر بات مین مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعضائے تغذیہ پر کیسا عظیم اثر کرتی ہے دنیا کی تمام حصونکی باشندون اور فن طبابت کے اعلی ماہرونکی ہزارون مستند شہادتونسے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہوگیا ہے۔ کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی وسعت اور ہردلعزیزی کی قدردانی نصیب نہین ہوئی۔

خبردار

''فاسفوڈائن'' کا نام قانون ٹریڈمارک کے مطابق محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اس لیے اسکی نقل لانگ مین یا کسی دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالونسے عدالتی چارہ جوئی کیجائے گی اس قسم اور نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع ۸۴-۱۸۸۳ء مین اعلے سند ملی تھی۔

ہندوستان بھر کے دواساز اور دوا فروش بحساب فی بوتل (خورد) عہ (کلاں) صہ فروخت کرتے ہین۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری ''ہیمپ اسٹینڈ۔ لندن۔ انگلستان مین

بنایا جاتا ہے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھتیس ۳۶ برسون سے ہندوستان مین استعمال کیجاتی ہی۔ اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور سب قسم کے علاج کر کے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجیے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہی اس لیے اسکی چار یا پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہوجاتا ہی اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اُسکی خرابیون کو مٹاتی ہی اور تلی کو گلاتی ہی۔

قیمت - بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴؍ محصولڈاک ۶؍ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸؍

قیمت - چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸؍ محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک چھ آنہ ۶؍

جناب بہین لج گوپال بھاوی ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول بیلاگاؤن کالاپا برا سے لکھتے ہین کہ آپ کی بخار کی دوا مین اپنی دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دیرہا ہون بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہین بھی یہہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہی۔ مفصلات کے غریب آدمیون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہی جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ہنڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئی جناب بابو لچھمن نرائن اسٹیشن ماسٹر سکندہ را علی گڈہ سی لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کنا سی ضلع فرخ آباد سی لکھتے ہین دو شیشی تاپ تلی کی آپکے یہان سی منگوائی تھین اس سی دونون مریض اچھے ہوگئے۔ جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچگئی۔ آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیو دت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردے نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ دی۔ تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہی۔ آپ ایسی نیکی کرنیوالے کا ازبسکہ شکرگذار ہون جناب کالی رام نند برہمن بھبردن ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہی۔ ہم کہان تک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آنس مرزاپور سے لکھتے ہین مین آپکا ازبسکہ شکریہ ادا کرتا ہون کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ صرف دو یوم مین جاتا رہا

۲ المشتہر ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵۔۶ تاراچند اسٹریٹ کلکتہ

اپنے الناظر پریس مین منشی سخاوت علی سکرٹری فلاور ملز نے چھپوایا اور شایع کیا

جامے است جہان نمائے ہر صفحہ دارین

۱۳۲۷ھ

الناظر



فلسفی ۔ تاریخی ۔ تمدنی ۔ اخلاقی ۔ معاشرتی ۔ ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۰ یکم فروری سنہ ۱۹۱۱ء جلد ۴

الناظر پریس متصل پل آہنی مین طبع ہو کر

دفتر رسالۂ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

قسم اول قیمت سالانہ للعہ

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے ۔ کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہے ۔ ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہے اس لیے غیر خالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہے جتنا غیر خالص ہوا سے ۔ تندرستی اور زندگی کے لیے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے ۔

ہمارے کارخانے مین اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہی اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہی ۔

حضرت گنج متصل حق مود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنس
حضرت گنج لکھنو

الناس باللباس

مثل مشہور ہی ”ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا“ اور کپڑے کی ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہی ۔ ہمارا کارخانہ پبلک کی خدمت سنہ ۱۸۷۶ء سی کر رہا ہی ۔ ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہے صرف فرمایش کی دیر ہی جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ زنانہ ولایتی یا ہندوستانی کسی طرز فیشن یا وضع کی ہم نہایت کفایت اور خوبی کیساتھ تیار کر دینگے ۔ آزمایش کر لیجئے خدا سے امید ہی آپ خوش ہونگے ۔ پیمایش کا فارم اور کپڑونکے نمونہ طلب فرمائیے ۔

قطب الدین مینجنگ پروپرائٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکدان کیئے ہوے

دی فونو اکسچینج ۔ لکھنؤ ۔ متصل کوتوالی چوک

ہاتھی فون گراموفون ۔ راماگراف اوڈین بیکا جیمبر آ پیرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین
کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

لوکل اور بیرونجات کی خریدارون کی آسانی کے لیے خوش گاہونکی تین ہزار دو سو مختلف گانونمین سے بہتر ریکارڈونکا انتخاب لکھنؤ مین صرف ایک یہی مرکز ہی جہان ہر مشہور کمپنی کی ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ ملسکتے ہین ۔ ہر ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا موازنہ اور جانچ اور اسی مقام پر آزادیسے ہو سکتا ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف ہین اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہی خریداری سی پہلی ہماری دوکان کی نمایشگاہ مین تشریف لاکر ہمارے مختلف ساخت کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کی خوشنما فلاور ہارن ملاحظہ فرمائیے ۔ ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین ۔ ہارمونیم ۔ پیانو اسٹیل فرنگ گیس لائٹ ۔ لمپ کیش بکس جاپانی منی بیگ صابن دیسی ٹوتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہین ۔ منیجر دی فونو اکسچینج

فہرست مضامین

نمبر			صفحہ

الناظر

نمبر ۲ جلد ۴ — یکم فروری سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہز ہائنس سر آغا خان اور محمڈن یونیورسٹی

ذیل کے قطعۂ فارسی مین ناظم باکمال و ادیب بیمثال جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز مدظلہ نے (جنکی مسلّم الثبوت اُستادانہ سخنوری و قادر الکلامی پر ہماری لکھنؤ کو ناز ہے) اپنے سچّے اسلامی خلوص اور قومی ہمدردی کے کیفیات کو ظاہر کیا ہے۔ نواب وقار الملک کی حضرت ہمت فرمانے اور ہز ہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ کے ایک لاکھ روپئے کے گران قدر عطیہ کے وعدے کے ساتھ (ملک معظم کے ہندوستان مین تاج پوشی کی یادگار مین) اسی سال کے اندر محمڈن یونیورسٹی کے معرض خیال سے عالم امکان مین آنے کے بدیہی علامات کے ہویدا ہونے سے جناب عزیز کے شاعرانہ جذبات کو دفعتاً جو حرکت پیدا ہوئی ہے وہ اس قطعہ سے بخوبی نمایان ہے۔

ایڈیٹر

قطعۂ فارسی خواجہ عزیز الدین عزیز

بنام ایزد درین عہدِ ہمایون — کہ باشد دین و دولت روز افزون

فلک را گر چراغان از نجوم است — جہان روشن ز انوارِ علوم است

ز شاخِ سدرہ ای طالب قلم کن — لوائے علم در عالم علم کن

علی گڑھ را بگو بر خویش مے بال — کہ یونیورسٹی خواہد شد امسال

شود ماہِ درخشان مہرِ تابان — کند روشن سوادِ ہر دبستان

وقار الملک افزود اقتدارش — باین وقر و وقارست افتخارش

بصحت باد یا رب او ہم آغوش — کہ کس نتوان گرفت این بار بر دوش

ہمہ آغا خان ہز ہائنس ذو القدر — کہ گیتی را ہم او صدر است و ہم بدر

زفیضِ او علی گڑھ علم گر شد — محک بہر عیارِ سیم و زر شد

کمر بست و دری از فیض بکشاد — تو گوئی خشت این بنیاد بنہاد

ز جیبِ خاص خود بخشید یک لک — زدہ یک مے تواند داد ہر یک

ز ہر خرمن ستاند دانۂ چند — ز ہر میخانۂ پیمانۂ چند

کند ہر گلشنی گلدستۂ پیش — دہد ہر نخل خرما خستۂ خویش

اعانت از گدا تا شاہ باید — ضیا بخشش از سہا تا ماہ شاید

اگر پیغامِ آغا خان فرستد — گہر ہر بحر و زر ہر کان فرستد

توان گفتن بقومِ اکملت الیوم — مگر بیدار گردد قوم از نوم

ہزہائنس سر سلطان محمد خان شاہ آغا خان

اور

مجوزہ یونیورسٹی مسلمانان ہند

سیرئ دل گلشنِ جاوید کی ہونے کو ہی | رونمائی شاہدِ امید کی ہونے کو ہی
خندہ زن ہی مہر گردون پر چراغ اسلام کا | بادۂ اطہر سے ہی لبریز ایاغ اسلام کا

پھر نسیم علم سوئے لالہ زار آنے کو ہی | گلشنِ اسلام مین تازہ بہار آنے کو ہی
شامِ غم کچھ جا چکی ہی جا رہی ہی جائیگی | صبحِ عشرت کوئی دم مین مسکراتی آئیگی

ہوگا روشن علم و فن سے آفتاب اسلام کا | چھوٹ جائیگا گہن سے آفتاب اسلام کا
پھر عروجِ قوم کے سامان بدست آنیکو ہین | تشنگانِ خستہ دل سیراب ہوجانیکو ہین

خضرِ رہ کو پا لیا اوسکے سہارے آرہے | پھر پھرا کے آب حیوان کے کنارے آرہے
دردمندِ قوم آغا خان فخرِ روزگار | جسکا دم ہی گلشنِ اسلام کی صبح بہار

کیب مسلمانون کی ہمدردی کا دم بھرتے ہین آپ | ناخدائی کشتئ اسلام کی کرتے ہین آپ
ہر رگ و پے مین بھری ہمدردئ اسلام ہی | خدمتِ قومی سمجھتے ہین کہ اپنا کام ہی

سچ تو یہ ہی بے سہارون کا سہارا آپ ہین | ہم مسلمانون کی قسمت کا ستارا آپ ہین
قوم کے خادم بھی ہین مخدوم بھی سرتاج بھی | کشورِ دلہائے عالم پر ہین کرتے راج بھی

ہوگا یونیورسٹی کالج علیگڈھ کا ضرور | ایک لاکھ آمادہ ہین دینے کو چندہ خود حضور
آپ یاور ہین تو بے کھٹکے نکلجائے گا کام | قوم کا کالج بنیگا ایک دن دار السلام

آفتابِ فیض جبسدن جلوہ گر ہو جائے گا — علم سے روشن مسلمانون کا گھر ہو جائیگا

سامنے آجائیگا علم و ہنر کا آفتاب — تیرگیٔ جہل کا اُٹھجائے گا آخر حجاب

گر اجازت ہو تو آنکھون سے لگالے سنگ در — خادم مدحت سرا آشفتہ دل آشفتہ سر

آپ پر روشن ہی، وہ شش خانِ حیرانی مین ہی — عالم آئنہ قلب پاک "سلطانی" مین ہے

بادۂ شوقِ قدمبوسی سے بیحد چور ہی — دل سے ہی نزدیک ظاہر مین جگر کچھ دور ہی

دعاگو احقر محمد افتخار علی جگر

علمی چیلنج

ذیل کی چند منطقی شکلین جو خاکسار نے ثبوتِ واجب الوجود، ثبوتِ روح، اور بقائے روح، وغیرہ وغیرہ پر ترتیب دی ہین اس غرض سے نذر ناظرین کرتا ہون کہ اگر صاحب تنقید الکلام یا جنابِ شوق، صاحبِ محاکمہ مندرجۂ رسالہ الناظر بابتہ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء انمین سے کسی کی تردید یا تغلیط فرماسکین، تو خاکسار تنقید اور محاکمہ کو معقول اور اپنی تردید نمبر ا و ۲ و ۳ و ۴ مندرجۂ رسالہ ہاے الناظر سنہ ۱۹۱۰ء کو پایۂ فن سے گرا ہوا اور غیر قابل توجہ ارباب بصیرت سمجھے گا اور اپنی ہیچ میرزی کا اعلان کردے گا۔ اس چیلنج کو ذاتیات سے کوئی علاقہ نہین، صاحب تنقید نے چونکہ تنقید الکلام کے حدود سے گذر کر اسلام کے عقائد حقہ پر معاذ اللہ حملے کرنا شیوہ کرلیا ہی، جس سے اکثر ناظرین مغالطہ مین پڑ گئے اسلیے ہر مسلمان پر واجب ہی کہ براہین قاطعہ سے اُسکی تنقیص کرنے تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

وہو ہذا

ا۔ وجود واجب الوجود کا ثبوت،

۲۔ روح کے وجود کا ثبوت،
۳۔ روح کی ماہیت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے،
۴۔ روح کی بقا کا ثبوت،
۵۔ روح کے مادی یا غیر مادی ہونے کا تصفیہ،

منطقی اشکال سے

اول واجب الوجود کا ثبوت،

شکل اول

(۱) جو چیز مرتب، مستمر النظام ہے اور اس ترتیب اور نظام سے ارادہ کئے ہوئے نتائج پیدا ہوتے ہین، وہ کسی صاحب ارادہ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے،
(۲) عالم مرتب، مستمر النظام ہے اور اس ترتیب اور نظام سے جو اس مین ہے ارادہ کیے ہوے نتائج پیدا ہوتے ہین،
(۳) اسلیئے عالم کسی صاحب ارادہ کا پیدا کیا ہوا ہے،

شکل دوم

(۱) ارادہ صفت ذی حیات ہے،
(۲) عالم کسی صاحب ارادہ کا پیدا کیا ہوا ہے،
(۳) اسلیئے عالم کا پیدا کرنے والا ذی حیات ہے مردہ نہین ہے،

شکل سوم

(۱) عالم کا پیدا کرنے والا ذی حیات اور صاحب ارادہ ہے، دیکھو شکل اول و دوم کے نتائج
(۲) مادہ ذی حیات نہین ہے نہ صاحب ارادہ،
(۳) اسلیئے مادہ عالم کا پیدا کرنے والا نہین ہے،

۲ روح کے وجود کا ثبوت

(۱) جو اثر عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے پیدا ہوتا ہی وہ اُس وجود کے لیے امر طبعی ہوتا ہی

(۲) جب تک وہ ترکیب عناصر اُس وجود مین باقی رہتی ہی وہی اثر پیدا ہوتا رہتا ہی اور اُس اثر کا نہ پیدا ہوتے رہنا محال ہی۔

(۳) اسلیے اس وجود کے اختیار مین یہ امر نہین ہی کہ جبتک وہ ترکیب عناصر اُس وجود مین باقی رہے اُس اثر کو کبھی ظاہر ہونے دے اور کبھی ظاہر ہونے نہ دے۔

مثال شکل اوّل

(۱) مقناطیس مین ترکیب کیمیاوی عناصر ہی جذب آہن کا اثر پیدا ہوا ہی یہ اثر مقناطیس کا طبعی امر ہی۔

(۲) جب تک مقناطیس مین عناصر کی یہ ترکیب کیمیاوی باقی رہیگی یہ اثر جذب آہن کا پیدا ہوتا رہیگا اور اس اثر کا پیدا نہ ہوتے رہنا محال ہی۔

(۳) اسلیے مقناطیس کے وجود کے اختیار مین یہ امر نہین ہی کہ جب تک عناصر کی وہ کیمیاوی ترکیب اُسمین باقی رہے اس اثر جذب آہن کو کبھی ظاہر ہونے دے اور کبھی ظاہر ہونے ندے۔

مثال شکل دوم

(۱) حیوان مین ارادہ اور اختیار ہی کہ جس کام کو چاہے کرے چاہے نکرے۔

(۲) کیمیاوی ترکیب عناصر سے جو اثر پیدا ہوتا ہی اس وجود کے اختیار مین یہ نہین ہوتا کہ کبھی اس اثر کو ظاہر ہونے دے اور کبھی ظاہر نہ ہونے دے (دیکھو شکل اوّل کا نتیجہ)

(۳) اسلیئے حیوان مین جو ارادہ اور اختیار ہی وہ کیمیاوی ترکیب عناصر کا نتیجہ نہین ہوسکتا، کیونکہ اگر اُسکا نتیجہ ہوتا تو لازم آتا ہی کہ کیمیاوی ترکیب مین یہ اختیار بھی ہی کہ کبھی وہ اُس نتیجہ کو ظاہر ہونے دے اور کبھی اُس نتیجہ کو ظاہر ہونے نہ دے جو محال ہی (دیکھو شکل اول کا نتیجہ)

مثال ۲ شکل دوم

(۱) زید عمرو کے مارنے کو لٹھ اُٹھاتا ہی اور پھر اُسیوقت بلا کسی خارجی اثر کے اُس لٹھ کو رکھدیتا ہی اور عمرو کا مارنا ترک کردیتا ہی۔

(۲) زید کا لٹھ اُٹھانا عمرو کے مارنے کے لیے اور پھر اُسیوقت لٹھ کا رکھدینا ترک ارادہ سے یہ دو متضاد افعال زید کے اختیار سے ہین۔

(۳) اسلیئے زید کے ہردو متضاد افعال عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا اثر نہین ہین کیونکہ اگر اس ترکیب کا یہ اثر ہوگا تو لازم آتا ہی کہ اُس ترکیب کو اس امر کا اختیار ہی کہ کبھی اپنے اثر کو ظاہر ہونے دے اور کبھی اس اثر کو ظاہر نہ ہونے دے لیکن یہ محال ہی (دیکھو شکل اوّل کا نتیجہ)

مثال (۱) شکل سوم

(۱) حیوان مین بعض افعال، دوست دشمن کا تمیز کرنا، اشیا کی شناخت خیال وغیرہ یعنی تعقل موجود ہی۔

(۲) عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا اُصول ابتک اس بات پر قائم نہین ہوا کہ یہ تعقل عناصر کی کسی ترکیب کیمیاوی کا نتیجہ ہی۔

(۳) اسلیے لازمی طور پر حیوان مین کوئی ایسی شی موجود ہی جو ان نتائج یعنی تعقل کا باعث

ہی اور جو کچھ وہ شی ہو وہی روح ہی،

مثال (۲) شکل سوم

(۱) حیوان کی آنکھ کے سامنے شعاع مین جو چیزین ہون اُنکے عکس کا طبقات چشم پر منقش ہونا عناصر کی کیمیاوی ترکیب اور طبقات کا اثر ہی،

(۲) لیکن ان اشیا کی شناخت۔ دوست و دشمن مین تمیز۔ ان اشیا کا بھلا بُرا لگنا عناصر کی ترکیب کیمیاوی کا کوئی اصول اسپر دال نہین ہی،

(۳) اسلیے لازمی طور پر یقین کیا جاتا ہی کہ حیوان مین کوئی اور شی موجود ہی جو ان نتائج کا باعث ہی اور جو کچھ وہ شی ہو وہی روح ہی،

(۴) روح کی ماہیت کا جاننا فطرتِ انسانی سے خارج ہی،

شکل چہارم

(۱) فطرتِ انسانی کسی چیز کی موجودگی کو ثابت کر سکتی ہی،

(۲) لیکن کسی شی کی ماہیت کا جاننا خواہ وہ چیز کیسی ہی عام ہو انسانی فطرت سے خارج ہی،

(۳) اسلیئے فطرت انسانی نے حیوان مین روح کی موجودگی تو ثابت کر دی لیکن روح کی ماہیت کا جاننا اسکی فطرت سے خارج ہی۔

(۴) روح کی بقا کا ثبوت۔

شکل پنجم

(۱) حیوان مین ہمکو روح کا وجود ثابت ہوا ہی (دیکھو شکل سوم کا نتیجہ)

(۲) لیکن کسی اور وجود کا ثبوت نہین ہوا جسکے ساتھ روح اسطرح سے وابستہ ہو کہ اگر وہ نہو تو روح بھی نہو،

(۳) اسلیے روح جوہر قایم بالذات ہی؛

شکل ششم

(۱) ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہی کہ کوئی جوہر قایم بالذات کبھی فنا نہین ہوتا؛

(۲) روح جوہر قایم بالذات ہی (دیکھو شکل پنجم کا نتیجہ)

(۳) اسلیے روح کبھی فنا نہین ہوگی؛

(۵) روح مادی ہی یا غیر مادی

جسقدر اقسام مادّہ کے ہمکو معلوم ہین روح ان اقسام مادہ سے نہین ہی؛ لیکن اگر روح کسی ایسے قسم کے مادّہ سے ہو جو ہمکو معلوم نہین ہی تو اُسکا مادّی ہونا اسلام کے کسی مسئلہ کی صداقت پر حرف نہین لاتا؛

راقم عطا محمد امرتسری

مناظرۂ دلچسپ

اخلاق و عشق دونون ہین رنگ شاعری کے ... دونون مین بحث ہی یہ ہی کون کس سے بہتر
گستاخ ایک انمین اور دوسرا مہذب ... اک رندِ نوجوان اک پیرِ خجستہ منظر
ہی ایک سوزِ دل سے مانند شعلہ سرکش ... اور اک سرِ تواضع رکھے ہوئے زمین پر
دونون کو ہی یہی کد دونون کو ہی یہ کاوش ... ثابت ہون خلق مین ہم اک دوسرے سے بہتر
بولا یہ عشق آخر سُن اہی وفا کے پُتلے ... دل کونسا ہی ایسا جسمین نہین مرا گھر
عابد ہو یا کہ زاہد راہب ہو یا کہ تائب ... ہر ایک پوجتا ہی میرے ہی در کا پتھر
اقلیم پر دلون کے مین حکمران رہونگا ... بندہ مرا رہیگا سلطان ہو یا گدا گر
مین جس طرح کہونگا کرنا پڑیگا ویسا ... درویشِ بے نوا ہو یا کوئی صاحب زر

ہین جس کلام مین ہون رنگین و دلنشین ہے
عشاق ہی نہین ہین میرے ثناگر و نہین
رکھتے ہین درد میرا عشاق دل مین اپنے
یہ عندلیب خوشگو کرتی ہی مدح کسکی
گر میرے تذکرہ مین لذت نہین ہی حاصل
اس ملک عاشقی کے سلطان بنے ہوئے ہین
خوبی کلام مین ہی میرے سبب سے ورنہ
نظمین ہزار ہا ہین جنمین مری صفت ہی
سب شاعران نامی رنگین بیان و خوشگو
اخلاق نے کہا تب سن مجھسے وصف اپنا
آوارہ ہوگئے ہین تیرے سبب سے لاکھون
پی پی کے خون جگر کا عشاق مرگئے ہین
دیکھا بھی گر کسی نے ہیچ قضا کو دیکھا
کیسے جوان رعنا جو تھے جہان مین یکتا
میرا تو اس جہان مین برباد کن ہی تو ہی
بولا یہ عشق سنکر اوستاد ہاتھہ لانا
بولا یہ خلق ہنسکر او سادہ لوح جاہل

گلدستہ سخن مین میرے ہین سب گل تر
میرا ہی تذکرہ ہی معشوقون کی زبان پر
پڑھتے ہین میرا کلمہ معشوق ماہ پیکر
کیون محو ہو رہی ہی سنیئے تو کان دھر کر
کیون زہر عشق آخر پڑھتے ہین لوگ گھر گھر
فرہاد و قیس و وامق میرا ہی جام پیکر
بڑھیون کی سی نصیحت بے لطف ہی سراسر
دیوان بھرے ہوئے ہین میری ثنا مین یکسر
میرے ہی مدح خوان تھے اور لکھ گئے ہین دفتر
او جیسیا نادان اوکا فر و فسون گر
تاراج ہوگئے ہین اکثر بھرے پرے گھر
کھا کھا کے زہر سوئے معشوق ماہ پیکر
کاٹی کبھی رات ساری تو کروٹین بدلکر
دنیا سے اٹھ گئے ہین مردے کی شکل بنکر
قابو مین دل نہ رکھا تیرا چلا جو منتر
لو تمنے اب تو مانا کیسا ہون مین فسونگر
ہی تجھکو فخر اسپر جو عیب ہی سراسر

ابلیس کی طرح سے پھندے مین گر پھنسایا
نازان ہی جسپہ نادان لاحول پڑھ حذر کر

میرے مقابلہ مین تو کیا ٹھہر سکیگا
تجھ مین بناوٹین ہین مجھ مین ہی رنگ نیچر

تو کاروان ظلمت مین منزل ہدایت
تو غول مین خضر ہون تو راہزن مین رہبر

مین بد کو نیک کر دون تو نیک کو کرے بد
مین ہون سبیل عرفان تو راہ فتنہ و شر

میرے ہی دم سے ساری خوبی کلام مین ہے
ہی لفظ لفظ میرا تیغ بیان کا جوہر

ابتر پڑے ہوئے تھے اوراق نظم سارے
شیرازہ سخن کو باندھا ہے مین نے آکر

میرا لوائے شاہی قایم سدا رہیگا
ہو آسمان کو گردش یا ہو زمین کو چکر

لپٹی ہوئی ہی دولت میرے قدم سے بیشک
پیرو رہے جو میرا بے زر بھی ہو تونگر

اس بحر شاعری مین طوفان بپا ہوا تھا
کشتی نظم کا مین آخر بنا ہون لنگر

ہون زہر عشق مین بھی تو غور کر جو نادان
چمکا دیا ہی تجھکو منظر مرا دکھا کر

جس رنگ شاعری مین شامل مجھے کیا ہی
وہ نظم ہو گئی ہے سرمایۂ سخنور

یورپ کے شاعرون نے کی میری قدردانی
ملٹن ہون یا ٹنیسن ورجل ہون یا کہ ہومر

سودا و میر و غالب ناسخ اسیر آتش
اور مصحفی و قائم سب ہین مرے ثناگر

صائب ہون یا کہ سعدی حافظ ہون یا کہ عرفی
فردوسی اور جامی خاقانی اور سنجر

ہر اک ہی مجھپہ مائل ہر اک ہی میرا طالب
ہر اک ہی میرا خواہان ان سبکا ہون مین یاور

راقم مرزا محمد بہادر یاور خیرآبادی ۞

اُردو کا علم ادب

لفظ "ادب" اپنے کثیر معانی کے لحاظ سے عربی زبان مین بہت سے علوم پر حاوی ہی؛ لیکن روزمرہ کے بول چال مین اسکا مفہوم نثر اور نظم ہی تک رواج پا گیا، گویا ایک وسیع احاطہ گرا کر تنگ صحن کے گرد دیوارین کھینچی گئی ہین، یہان مین اُس صحن کو اور بھی گھٹا کے صرف قلم کا میدان بنائے دیتا ہون، یعنی اسوقت جو کچھ مجھے لکھنا ہے یہ صرف اُردو کے علم ادب تک محدود ہوگا۔

انگریزی علم ادب کے پھیلنے سے پہلے اُردو کے خزانے مین کچھ ایسے ہی سکے تھے جو آجکل کھوٹے سمجھے جاتے ہین، یا تو وہ نثر کے اعتبار سے فسانۂ عجائب اور سروش سخن وغیرہ کی شکلون مین ڈھلے ہوے تھے، یا نظم کے اعتبار سے دیوانون، مثنویون اور واسوختون کی شکلون مین، یہ سوال کہ ایک مدت تک اُردو اسقدر تنگ حلقے مین کیون سمٹی رہی، صرف اسیقدر جواب کا محتاج ہی، کہ اُس زمانے کا مذاق ہی ایسا تھا جو شاعرانہ خیالات کو اپنی بغل مین دبائے ہوئے فطرت یا اور بہ کار آمد نظمون کے میدانون کی جانب بڑھنے ہی نہین دیتا تھا، شاعری کی تمام اُمنگین عشق اور حُسن کی جھوٹی تعریفون ہی تک رہجاتی تھین، اور اُنکے اثر سے جو حالتین عاشق اور معشوق کی دکھائی جاتی تھین، وہ اکثر غلط اور فطرت کی سچی حالتون سے دور ہوتی تھین، زلف کو سانپ، آنکھ کو نرگس، کمر اور دہن کو ندارد، قد کو گھٹا کے بوٹا اور بڑھا کے سرو یا تاڑ کہدینا گویا شاعری کے کمال کا ایک بلند درجہ تھا، اکثر مضامین حیات و ممات کے ایسے ہی نظر آئینگے، جنکو واقفیت سے کچھ لگاؤ نہین، زندہ ہین مگر مر گئے، مر گئے مگر بول رہے ہین، خدا سے بے ادبی، پیمبرون سے گستاخی، شیخ، زاہد اور واعظ پر بد زبانیون کی بوچھار، تہذیب کے خلاف اعضا اور حرکات

پر کھلم کھلا گفتگوئین، یا اور مثل انکے اور بہت سے مضامین ایسے ہی ملینگے، جنسے سوا اسکے اور کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا تھا کہ نوخیزدن کی طبیعتون مین برائیون کا رنگ بھرین، مردون اور عورتون کے دلون مین بداخلاقی کے ولولے پیدا کرین، اور اردو کے مکتبون مین بداطواری کے انبار لگائین، ایسا خراب مذاق کچھ اسقدر غالب آگیا تھا کہ اسنے نہ تو عشق اور حسن کے سچے جذبات کو اردو کی سرزمین پر قدم رکھنے دیا، نہ فطرت کی کارسائیون کے چہرون کو خیالات کی آنکھین دیکھنے پائین۔

نثر اگر نثر، اور نظم اگر نظم ہی، تو بیشک دلفریب چیز ہی، آج نثر اور نظم نے اپنا مذاق بدل کے جو رنگ اختیار کیا ہی، یہ ضرور آنکھون مین کھپتا جاتا ہی، لیکن ستم یہ ہی کہ ایک دو نئے خوش رنگ لباس سے اسکو سنوارتے ہین، تو ہزارون پرانے میلے لباس اسکی صورت کو بگاڑتے ہین، برسات مین حشرالارض کی بھی اتنی کثرت شاید نہوتی جتنی آجکل شاعرون کی ہی، غزل سرائی کا میدان اسقدر وسیع ہوگیا ہی، کہ جسنے تک ملائی وہ شاعر بنگیا، نہ الفاظ کی صحت سے غرض نہ قافیے اور ردیف سے مطلب، ہزارہا اشعار مین سے دو چار بھی پر اثر اور دلچسپ نظر نہین آتے، وہی زلف و کمر کے مضامین الٹ پلٹ کے لائے جاتے ہین، جنکو دیکھتے دیکھتے جی اکتا گیا ہی، نہ جدت، نہ جذبات فطرت، آخر سالہا سال کوئی ایک آموختہ کہان تک سنتا رہے، ستم بر ستم یہ ہی کہ تہذیب کا زمانہ لیکن خلاف تہذیب مضامین اور الفاظ سے آج بھی اشعار نہین بچائے جاتے، مگر یہ یاد رہے کہ پرانے سکے منسوخ ہورہے ہین، اب وہ چلینگے تو بٹے کے ساتھ۔

مین اس بات کو تسلیم کرتا ہون کہ طبیعت کی موزونی نظری ہی، عبدالواسع جبلی غرجستانی ایک نادان لڑکا تھا جو اونٹ چرا رہا تھا، وہ اپنی دھن مین "اشتر صراحی گردنا، بنبہ تو خواہی خوردنا"

اس قسم کے موزون الفاظ بک رہا تھا، اتفاق سے بادشاہِ وقت کا گذر ہوا، سُنکے اور فطری موزون طبع پاکے اُسکو اُسکے باپ سے مانگ لیا، تعلیم اور تربیت سے وہ ایسا زبردست شاعر اور قصیدہ گو ہوا جسکی تقلید اُسکے خاص رنگ مین کسی سے نہ ہوسکی، اس قصے سے میرا مطلب یہ ہو کہ موزونی فطرتی ہو، لیکن صحت اور کمال کسبی، کسب ہنر کے طریقے مختلف ہین، کسی طریقے سے اکتساب ہو، لیکن اگر علم کو علم اور فن کو فن بنانا ہو تو بغیر کسب کے ممکن نہین، خودرو شاعری کی وہی حالت ہوگی جو خودرو درخت کی ہوتی ہو، جو کچھ پیدا ہو، اور تربیت کے نہونے سے ہمیشہ کچھ رہے۔

انگریزی مذاق نہ بڑھے، یہ ممکن نہین، یہ ایسا پُرزور دریا ہو، جو سیلاب سے اپنے راستے کے خس و خاشاک کو بہاتے جائیگا، اور کسی کے روکے نہ رُکیگا، خس و خاشاک سے میرا مطلب اُن ایشیائی مذاقون سے ہو، جنکو تعلیم یافتہ اور مہذب طبیعتین ناپسند کرچلی ہین، انگریزی علم ادب فطری کششون سے دلون کو بھی کھینچتا ہو، اور اکثر بہ کارآمد بھی ہو، یہ وجوہ بھی ہین کہ وہ دلچسپ ہو رہا ہو، انگریزی کی تعلیم رزق کا ذریعہ بنگئی ہو، اگر ممکن ہو تو بچے کے پیدا ہوتے ہی اُسکی گھٹی مین انگریزی ڈالی جاے، ایسی حالت مین یہ مشکل ہو کہ علماً تو لوگ یورپ کا مذاق حاصل کرین، اور عملاً ایشیا کا مذاق اختیار کرین، جسکی شاعری زیادہ تر ایسے خیالات سے بھری ہوئی ہو، جنکو نہ عقل قبول کرتی ہو، نہ تہذیب پسند کرتی ہو۔

مہمل غزلون کا طوفان جیسا آج برپا ہو، ایسا تو پچھلے زمانے مین بھی شاید نہ ہوا ہو، بات یہ ہو کہ پریس کی کثرت، گلدستون، اور رسالون مین مفت چھپنے کا سامان موجود، تشہیر مین آسانی، اب بھی اگر شاعری نہ پھیلے تو اُسکی کم بختی ہو، غزلون کا کیا حال ہو؟ اس سوال کا جواب مین دیتا تو ہون، لیکن غزل گو طبقہ بُرا مان کے مجھے اُلٹی سیدھی سنا دے، تو کچھ

تعجب نہین، مین خوشی سے اُسکی سُننے کو تیار ہون، مگر وہ میری سُن لے، آجکل کی غزلون
کے اشعار گندے تالاب کی مچھلیون سے مشابہ ہین، جنھین دیکھ کے جی متلائے،
ہر کلیئے کے لیے استثنا، لازمی ہی لہذا

(۱) انگریزی مین جو نثر کی کتابین یا نظمین تہذیب کے خلاف ہین، وہ اخلاقی اوصاف
کی فہرست سے کاٹ دیجائین۔

(۲) اُردو مین جو کتابین اور نظمین تاریخی، اخلاقی، نیز اور مختلف علمی مذاقون کے
ساتھ داخل ہوچکین، یا داخل ہو رہی ہین، وہ خوبیونکی فہرست مین درج کرلیجائین

(۳) بہ کار آمد اور فطری اداؤن کو دیکھتے، نظیر اکبرآبادی، میرانیس، مرزا دبیر اور
اورانکے پیرؤون کی نظمین، بے شبہ، سُنہرے حرفون سے لکھنے کے قابل ہین،
اور نئے مذاق کو لیکے جو رنگ غزلون کا پنڈت بشن نرائن درا اور پنڈت برج نرائن
چکبست نے اختیار کیا ہی اُسکے لحاظ سے اختیار کرنے والے بڑی عزت کے
مستحق اور انکی غزلین بہت قدر کے قابل ہین ان دونون نے تغزل کے جسم
سے بداخلاقی اور بے تہذیبی کا بدنما لباس اُتار کے اُسکو شائستگی کا نیا
خوش نما لباس پہنا دیا ہی۔

کارلائل کا یہ قول کہ جس قوم مین زبردست شاعر پیدا نہو، وہ کبھی ترقی نہین کرسکتی، ہماری قوم
کے ان غزل گو شاعرون پر صادق نہین آتا، یہ تو اخلاق کو بگاڑکر تہذیب کو مٹاکر سچے جذبات
کو جھوٹھی لفاظیون سے دباکر قوم کو تنزل کی جانب لیئے جا رہے ہین، اگر یہ قیامت تک زلفون
کے سانپون سے اپنے دلون کو ڈسایا کرین، کمر کو ٹٹولتے رہین، اور شیخ کی داڑھی کے بال
نوچتے پھرین، تو سوا اسکے کہ مہمل خیالات کا ذخیرہ بڑھتا جاے، اور اخلاقی خرابیون سے

قوم مین بد اطواریان ترقی کرتی جائین، نہ تو وہ خود شاعری کی دنیا مین کامیاب اور صلاح قوم کی قلمرو مین نیک نام ہو سکتے ہین، نہ قوم اور قوم کے علم ادب کو سوا نقصانون کے اُنسے کوئی فائدے کی چیز حاصل ہو سکتی ہی، ایسی تصنیفات کے مجموعے کو اندرائن کا پیڑ کہنا چاہیے جسکے کڑوے پھل سوا بُرائیون کے کوئی خوبی رکھتے ہی نہین۔

شاعری اصل مین کیا چیز ہی؟ فارسی، اور اُردو کے شعراسے تو اس سوال کا جواب شاید نہ ملسکے، البتہ، یورپ کے ملٹن وغیرہ کی تصنیفات مین ضرور ملجائیگا، فارسی اور اُردو زبانون کے شاعرون مین سے تم ایک کا نام بھی نہ بتا سکوگے، جسنے شاعری کے اصل موضوع پر محققانہ بحث کی ہو، اگر کوئی کچھ کہہ گیا، تو وہ بھی ذم کا پہلو لئیے ہوے، جیسا یہ شعر ہی۔

در شعر مپیچ و در فنِ او ÷ چون اکذب اوست احسن او

ذم تو ہی لیکن بات سچی کہی، فارسی شاعری کا مذاق یہی تھا، اور اُسکے شعرا کذب ہی کو اس فن کا ماحصل قرار دئے ہوے تھے،

اب دیکھو، کارلائل جس فن کو قوم کے عروج کا ذریعہ بتا رہا ہی، فارس کا اُستاد اُسی کو بُرا کہکر اُسکے حاصل کرنے سے روک رہا ہی، ایسی حالت مین علم ادب کا فلسفہ ایشیائی شاعری کے مذاق کی نسبت کیا فیصلہ کر سکتا ہی، اسکا جواب تم خود ہی دے لو، اور اُردو کی شاعری جسنے فارسی شاعری کی تقلید مین اُسکے ہر نقش قدم کو اپنی رفتار کے واسطے موزون قرار دے لیا ہی، اسکی نسبت یہ تصفیہ کرو، کہ زمانے کی چال ڈھال، اور قوم کی ضرورتون کو دیکھتے اس کی چال اور اسکی غزل سرائی کی حالت زیبا ہی یا نازیبا۔

فطری اداؤن اور جھوٹی لفاظیون کا موازنہ مدنظر ہو، تو سنسکرت مین بالمیک کی رامائن اور فارسی مین مُلا مسیح کی رامائن کو دیکھو، مُلا نے صبح بھی کہی برسات بھی کہی، بہار بھی کہی،

لیکن سوا لفاظیون اور خلاف فطرت تعریفون کے کچھ بھی سبزی کا لطف نہ دکھا سکے، اگر تم کالیداس کی برسات سے ملّا کی برسات کو ملاؤ، تو مُلا کی شاعری پر ایسا پانی پڑتا ہے کہ وہ خاک کے نقش کی طرح خود ہی مٹی جاتی ہے۔

ملٹن اُس نظم کو تعریف کے قابل قرار دیتا ہے جسکے خیالات نازک اور الفاظ سیدھے سادے ہون، اور وہ اپنے جذبات سے دلون پر اثر کرتی ہو۔ بیشک یہ بہت ہی معقول اور سچی تعریف ہے، اور کارلائل کا مقصود ایسی ہی شاعری سے ہے جو اصلاح کے پیرائے مین اپنے جذبات سے قوم کے دلون پر اثر کا جادو ڈالکر اُسے کھینچتی ہوئی ترقی کیطرف لیجائے۔ اب تمھین انصاف کرو کہ کیا آجکل کے غزل سراؤن کی غزلون مین ایسی خوبیان پائی جاتی ہین؟ وہ تو اوصاف سے اسیطرح خالی نظر آتی ہین، جس طرح عقل سے دیوانے کا دماغ، ہان، عیوب جتنے چاہو، اون مین سے چُن لو۔

غزل گویون کے میدان سے ذرا ہٹ کر تم نئی شاعری اور فطری مذاق کے اختیار کرنیوالون کو دیکھو تو اُنمین اکثر ایسے ملینگے جو اصول عقلی کے اعتبار سے اچھے راستے پر آئے، لیکن اصول علمی کے اعتبار سے بھٹکے ہوے جا رہے ہین، فن سے بے پروا، نہ اغلاط کا فہم، نہ زبان کی صحت کا لحاظ، یہ ایسی رَوش ہے جو علم کو جہل کے غار مین گرا رہی ہے، اسی ضمن مین وہ گروہ بھی داخل سمجھا جائے جو زبان کو نہین جانتا، مگر جانتا ہے کہ مین خوب جانتا ہون، اس جہل مرکب کا علاج ملک کے وہی ذی فہم کر سکتے ہین، جو علم کو علم اور فن کو فن سمجھے ہوے ہین۔

احمد علی، شوق، قدوائی

شاہان اودھ کی بے تعصبی

دہلی کے بادشاہون مین تو تاریخی طومار نے کسی کو متعصب اور کسی کو منصف مزاج ہونے کا افتخار دیدیا حالانکہ عموماً بادشاہ متعصب نہین ہوتے، اونکو رعایا کی آبادی اور ملک کی آمدنی سے مطلب ہوتا ہے، عملہ کو کسی ملکی ضرورت سے بڑھا دینے اور گھٹا دینے پر متعصب اور غیر متعصب کا لقب دیدینا، بڑی تنگ خیالی ہی۔

اسیطرح ہمارے اودہ کے تمام بادشاہ ہمیشہ سے غیر متعصب اور صلح کل واقع ہوے تھے، اونکی فیاضیان عام تھین اونکے سلوک ہر قوم کے ساتھ یکسان ہوتے وہ سب قریب قریب دوسری قومون کے حق مین اکبر سے کچھ کم نہ تھے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہو کہ اونکے تاریخی واقعات پر ایسا گہرا پردہ پڑا ہوا ہی جس سے اونکی خوبیون کا دریافت کرنا مشکل ہے۔

تمثیلاً اسوقت ہم راجہ درشن سنگھ معروف بہ راجہ غالب جنگ کے حالات پیش کرتے ہین۔

راجہ غالب جنگ، حیدر آباد کے رہنے والے ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے، عہد نواب یمین الدولہ سعادت علی خان مبارز جنگ مین گردش روزگار سے تباہ اور برباد ہوکر لکھنو مین وارد ہوئے، ایک روز صبح کو ہندوون کی رسم کے مطابق گومتی پر اشنان کرنے گئے بعد غسل کے رمنہ کی سیر کرتے ہوئے جارہے تھے کہ بادشاہ کی سواری برآمد ہوئی غربت اور بیکسی کے آثار انکے چہرہ سے روشن تھے، حضور نے اپنی ایک خواص سے اشارہ کیا کہ اس مسافر کو اپنے ہمراہ لیتے آؤ، در دولت پر انکا سلام ہوا، حضور نے

دریافت فرمایا کہ تم ملازمت کی غرض سے لکھنؤ آئے ہو یا سیاحت کے لیئے عرض کیا تلاش روزگار۔ سرکار نے جیب خاص سے تیس روپیہ مہینہ بغیر شرط خدمت کے مقرر فرمایا۔ بندوق کی نشانہ اندازی سیکھنے کے واسطے ایک قدر انداز مقرر ہوا جب اچھے نشانہ لگا دینے والون مین انکا شمار ہونے لگا تو بادشاہ نے از راہ پرورش دوسو تیس روپیہ ماہوار مقرر فرمادیا اور کچھ خدمتین تفویض فرمادین غرضکہ اسی طرح بتدریج ترقی ہوتی رہی۔

اس مدت مین بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور ۱۲۳۴ھ مین مرشد زادۂ آفاق نواب غازی الدین حیدر خان بہادر مسند نشین ہوتے، نواب معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خان بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر وزیر ہوئے، یہ بھی مقربان خاص مین ہوگئے اور ہر وقت بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہونے کا موقع ملنے لگا، ایکروز بادشاہ اور وزیر مین خلوت کی باتین ہو رہی تھین لاعلمی سے یہ بھی چلے گئے اور خلوت دیکھتے ہی فوراً اولٹے پاؤن واپس چلے۔ لوٹتے وقت حضور کی نگاہ پڑ گئی جلدی مین نام تو یاد نرہا فرمایا راجہ کیون چلے گئے؛ انکو خوف معلوم ہوا کہ ایسا نہو یہ کلمہ بادشاہ نے طنز سے کہا ہو لیکن وحشت کھاتے ہوے نہایت ادب سے ہاتھ باندھے ہوے خدمت مین حاضر ہوے۔ ارشاد ہوا جاؤ تمکو ہمنے راجہ کردیا۔ انھین نے نذر پیش کی اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور ہم تین دوست آوارہ وطن ہوکر لکھنؤ مین وارد ہوئے تھے مروت سے بعید ہے کہ ایسے وقت مین اونکو بھولجاؤن بختاور سنگھ اور شیو دین سنگھ کی بھی عزت افزائی فرمائی جاوے آخر بادشاہ نے انکی خاطر سے اونکو بھی خطاب راجہ کا مرحمت

فرمایا اور جاگیر عطا فرمائی اس عرصہ مین وزیر اعظم سے انسے ان بن ہو گئی اور بہت سی افترا بندیون کے بعد یہ قید کر کے فیض آباد کے جیلخانہ مین بھیجدیے گیے۔

اس عرصہ مین بادشاہ نے انتقال کیا اور ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ حضرت نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوے، نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان وزیر ہوے تو ظفر الدولہ منتظم الملک کپتان فتح علیخان بہادر ہیبت جنگ نے محض خدا ترسی اور غمخواری سے انکی سفارش کی، خالص ہمدردی کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ نے انکو قید سے چھڑا کر دیوانخانہ کا میر منشی کر دیا، تھوڑے دنون مین انھون نے ایسا تقرب حاصل کر لیا کہ ایکدم کو بادشاہ نظر سے غائب نہونے دیتے تھے، اب اعزاز و اکرام روز بروز زیادہ ہونے لگا اور ترقی پر ترقی ہونے لگی۔

ایک عمارت کے بنولنے پر یہ مقرر ہوے سرکاری تخمینہ سے دو لاکھ روپیہ بچا کر شاہی خزانہ مین داخل کیا، بادشاہ کو معلوم ہوا تو خفا ہو کر ارشاد کیا کہ یہ بات ہمارے نزدیک ہے اپنا روپیہ فوراً خزانہ سے لیجاؤ، ہم ہرگز نہین لے سکتے، وہ تم اپنے گھر لیجاؤ، راجہ نے عرض کی کہ حضور مین مسکین سواے در دولت کے گھر نہین رکھتا مگر حکم عالی بجا لاونگا ایسی ایسی کارگذاریون سے غالب جنگ کا خطاب ملا اور سرکار سے کرسی عنایت ہوئی آخر انکے زیادہ رسوخ نے انھین محسود خلایق بنا دیا اور دربار والون نے سازش کر کے بادشاہ کا مزاج انکی طرف سے منغص کر دیا اور یہ قید ہو کر شاہگدھ مین بھیجے گئے

جب نصیر الدین حیدر بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو ابو الفتح معین الدین سلطان الزمان محمد علی شاہ تخت نشین ہوئے انکو عمارت کا بہت شوق تھا اور تعمیر کی واقف کاری

کی شہرت غالب جنگ کی گوش زد ہو چکی تھی، سرکار نے حکم بائی نافذ فرمایا لیکن اہل دربار نے اس جملہ کو ٹال دیا، آخر قسمت کی مددگاری سے حضور مین پیش ہوے، بیشتر سے بھی زیادہ عزت ہوئی کلیہ برداروں کی نظامت اور مفسدین کی سرکوبی کی خدمت عطا ہوئی اور اطراف اودہ کا انتظام سپرد ہوا، دو پلٹنین ایک ذوالفقار صفدری، دوسری حسام حیدری حوالہ ہوئین، پانچسو سوار ہندی اور انگریزی کی افسری، ۲۱ توپین ہمراہی مین بلرامپور اور نانپارہ کی سرکشی اسوقت قابل درگذر نہ تھی، حالانکہ یہ گھاٹیان بہت سخت نہین راہ مین شیرون کے جنگل ایسے حائل تھے کہ پرندہ کا گذر وہان دشوار تھا انھون نے چشم زدن مین صاف کرلیا اور جب لگاؤ ان فتحمندیون کے صلہ مین چودہ پارچہ کا خلعت ہوا۔

آخر ستر برس کی عمر مین حضرت ظل سبحانی نے شب سہ شنبہ ۱۲۴۳ھ کو طرف فردوس برین کے نہضت فرمائی، سنہری برج مین غسل دیا گیا حسین آباد کے امام باڑہ مین صدر بارہ دری مین مدفون ہوے، بعد ازان ثریا جاہ محمد امجد علی شاہ نے جلوس فرمایا تو غالب جنگ کو وہی اعزاز حاصل تھا، پرچہ لگا کہ قلعہ بھٹر بت کی رانی جو علاقہ بہرائچ کے نام سے مشہور تھا ڈاکہ زنی کرنے لگی، مسافرون کو لوٹ لیتی تھی رعیت ستمگاری سے نالان تھی، صفدر گنج سے دس میل تک راستہ بند ہوگیا تھا قصبہ کنتھور کے سادات سخت نالان ہین، بادشاہ نے پانچ پلٹنین تیس توپین پانچسو سوار راجہ کے جلو مین کیے اور اوسکی سرکوبی کے واسطے روانہ کیا، اوسنے یہ خبر سنکر قصد کیا کہ صفدر گنج مین مقابلہ کرے لیکن فوج شاہی نے اتنی مہلت نہ دی اور قلعہ کو گھیر لیا گئی روز تک بڑی خونریز جنگ رہی آخر اوسکے اعوان و انصار سب بھاگ کھڑے ہوے محض

فرمایا اور جاگیر عطا فرمائی اس عرصہ مین وزیر اعظم سے انسے ان بن ہوگئی اور بہت سی افترا بندیون کے بعد یہ قید کرکے فیض آباد کے جیلخانہ مین بھیجدیے گیے۔

اس عرصہ مین بادشاہ نے انتقال کیا اور ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ حضرت نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوے، نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان وزیر ہوے تو ظفر الدولہ منتظم الملک کپتان فتح علیخان بہادر ہیبت جنگ نے محض خدا ترسی اور غمخواری سے انکی سفارش کی، خالص ہمدردی کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ نے انکو قید سے چھڑا کر دیوان خانہ کا میر منشی کردیا۔ تھوڑے دنون مین انھون نے ایسا تقرب حاصل کرلیا کہ ایکدم کو بادشاہ نظر سے غائب نہونے دیتے تھے۔ اب اعزاز و اکرام روز بروز زیادہ ہونے لگا اور ترقی پر ترقی ہونے لگی۔

ایک عمارت کے بنوانے پر یہ مقرر ہوے، سرکاری تخمینہ سے دو لاکھ روپیہ بچاکر شاہی خزانہ مین داخل کیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو خفا ہوکر ارشاد کیا کہ یہ بات ہمارے خلاف ہے، اپنا روپیہ فوراً خزانہ سے لیجاؤ، ہم ہرگز نہین لے سکتے، وہ تم اپنے گھر لیجاؤ، راجہ نے عرض کی کہ حضور مین مسکین سوا ے دردولت کے گھر نہین رکھتا، مگر حکم عالی بجا لاونگا۔ ایسی ایسی کارگذاریون سے غالب جنگ کا خطاب ملا اور سرکار سے کرسی عنایت ہوئی۔ آخر انکے زیادہ رسوخ نے انھین محسود خلایق بنا دیا اور دربار والون نے سازش کرکے بادشاہ کا مزاج انکی طرف سے منغص کردیا اور یہ قید ہوکر شاہگدھ مین بھیجے گئے

جب نصیر الدین حیدر بادشاہ کا انتقال ہوگیا تو ابو الفتح معین الدین سلطان الزمان محمد علی شاہ تخت نشین ہوئے اونکو عمارت کا بہت شوق تھا اور تعمیر کی واقف کاری

کی شہرت غالب جنگ کی گوش زد ہو چکی تھی، سرکار نے حکم ہائی نافذ فرمایا لیکن اہل دربار نے اس جملہ کو ٹال دیا، آخر قسمت کی مددگاری سے حضور مین پیش ہوسے، پیشتر سے بھی زیادہ عزت ہوئی کلیہ برداروں کی نظامت اور مفسدین کی سرکوبی کی خدمت عطا ہوئی اور اطراف اودہ کا انتظام سپرد ہوا، دو پلٹنین ایک ذوالفقار صفدری، دوسری حسام حیدری حوالہ ہوئین، پانچسو سوار ہندی اور انگریزی کی افسری، ۲۱ توپین ہمراہی مین بلرام پور اور نان پارہ کی سرکشی اوسوقت قابل درگذر نہ تھی، حالانکہ یہ گھاٹیان بہت سخت نہین راہ مین شیروں کے جنگل ایسے حائل تھے کہ پرندہ کا گذر وہان دشوار تھا انھون نے چشم زدن مین محاصرہ کرلیا اور جنگ لگادی ان فتحمندیون کے صلہ مین چودہ پارچہ کا خلعت ہوا۔

آخر ستر برس کی عمر مین حضرت ظل سبحانی نے شب سہ شنبہ ۱۲۵۳ھ کو طرف فردوس برین کے نہضت فرمائی، سنہری برج مین غسل دیا گیا حسین آباد کے امام باڑہ مین صدر بارہ دری مین مدفون ہوے، بعد ازان ثریا جاہ محمد امجد علی شاہ نے جلوس فرمایا تو غالب جنگ کو وہی اعزاز حاصل تھا، پرچہ لگا کہ قلعہ بھیٹریت کی رانی جو علاقہ ہڑہا کے نام سے مشہور تھا ڈاکہ زنی کرنے لگی، مسافرون کو لوٹ لیتی تھی رعیت ستمگاری سے نالان تھی، صفدر گنج سے دس میل تک راستہ بند ہوگیا تھا قصبہ کنتھور کے سادات سخت نالان ہین بادشاہ نے پانچ پلٹنین تیس توپین پانچسو سوار راجہ کے جلو مین کیے اور اوسکی سرکوبی کے واسطے روانہ کیا، اوسنے یہ خبر سنکر قصد کیا کہ صفدر گنج مین مقابلہ کرے لیکن فوج شاہی نے اتنی مہلت نہ دی اور قلعہ کو گھیر لیا کئی روز تک بڑی خونریز جنگ رہی آخر اوسکے اعوان و انصار سب بھاگ کھڑے ہوے محض

رانی قلعہ مین رہگئی اور دو چار نمک حلال ملازم باقی رہگئے تب رانی نے فوجیون کا دل بڑہانے کو کہا ہان! ایک حملہ زبردست کرو اب دشمن کو مار لیا ہے۔ فوج کے سپاہی توپ بندوقین چلانے مین مصروف ہوئے، وہ آپ نابدان کے راستہ سے بھاگ کھڑی ہوئی، جب فوج نے یہ حال دیکھا اُسنے بھی پشت قلعہ سے نکلکر جنگل کی راہ لی، جب قلعہ خالی ہوگیا تو فوج شاہی قلعہ مین گئی اور فتح و فیروزی کے ساتھ بہت سا اسباب جنگ اور مال وخزانہ بیت المال شاہی مین داخل ہوا، راجہ کو خلعت ہوا۔

ظل سبحانی دموی مزاج تھے اور ابتدا سے مرض آتشک مین مبتلا تھے، حکیم مرزا محمد علی مرتعش ہر ہفتہ مین تنقیہ خاص وعام کرتے تھے، بلکہ بادشاہ سے اکثر کہتے تھے، کہ اگر کوئی طبیب اخراج خون مین تامل کرے گا ہرگز مزاج قابل اصلاح نرہے گا۔ جب حکیم مرزا محمد علی بتقضاے طبع فوت ہوئے، حکیم مسیح الدولہ نے احتیاج فصد مین تامل کیا، اسلیے کثرت خون فاسد سے تحریک عارضہ مزمنہ ہوکر عارضۂ سرطان پیدا ہوا حتے کہ متواتر فصد دن کے لینے سے بادشاہ کا حال غیر ہوگیا اور سرطان باطن کی طرف رجوع ہوا۔ آخر دوشنبہ کے دن ۱۸۴۷ء کو انتقال فرمایا، مینڈوخان کی چھاونی مین دفن ہوے،

انکے بعد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ تخت نشین ہوے، اُنکے عہد مین غالب جنگ کی عزت روز افزون ہوتی گئی، جب نواب گورنر جنرل بہادر کی تشریف آوری کی خبر رزیڈنٹ بہادر نے دی، تو بادشاہ نے کانپور تک استقبال کا ارادہ کیا، غالب جنگ کو حکم ہوا کہ راستہ کا انتظام بہت عمدہ اور ستھرا ہونا

چاہیے اور کانپور مین گنگا کے کنارے خیمۂ شاہی باشان وشوکت نصیب ہو
اوسکے سامنے ایک باغ نہایت لطیف ہو جسمین ہر قسم کے پھولون کے درخت
میوہ دار شجر اور چارون طرف سبزہ لگایا جائے۔ سبزہ کے چارون طرف
پانی کی نالیان ہون تمام ماکول ومشروب لایق صاحبان عالیشان کے اور
لشکر کے واسطے سامان رسد موجود رہے۔

حسب فرمان شاہی راجہ فوراً کانپور تشریف لے گئے اور دریا کے کنارے
چمن بندی ہونے لگی۔ ریحان وسنبل کے انبار لگا دیے گئے۔ نہرون کی کنارے
کنارے سبزہ خود رو کیا لہلہاتا تھا گویا معشوقون کے رخسار پر سبزہ خط نمایان تھا۔
باغ کی تیاری کے بعد خیمہ مین چارونطرف موقع مناسب پر قد آدم تصویرین لگا دی
گیئن۔ تمام فرنیچر انگریزی ساز وسامان سے سجا گیا۔ تمام بازار آراستہ کیے گئے۔
لکھنؤ سے اسقدر سامان رسد گیا کہ اوس ہنگامہ مین روپیہ کا تین سیر گھی، ایک من
کا چنا، تین پیسے سیر آٹا بکنے لگا۔ اس بازار کا نام اردو بازار رکھا گیا۔ ایک طرف خوانچہ
والون کا غل حلوائی، نان بائی، ترکاری فروش، تنبولی، بزاز، غرضکہ ضرورت کی
ہر شے مہیا تھی، بارگاہ سلطانی مین عمدہ رونق تھی غرض کانپور بالکل لکھنؤ بن گیا تھا جب
سب سامان درست ہو گیا، تو بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ بادشاہ بنفس نفیس لکھنؤ سے
تشریف لائے، خیمہ مین فروکش ہوئے غالب جنگ کا انتظام اور سب سامان دیکھکر
بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے، گورنر جنرل بہادر سے بڑے لطف کی ملاقات ہوئی
صاحب بہادر کے ہمراہ راجہ بھی لکھنؤ گئے، راستہ مین رسد کا انتظام اور سامان بھی
بہت معقول تھا۔

آخر بمقتضائے کل نفس ذائقۃ الموت راجہ پیالم جل آگیا، ایک چھوٹا سا دانہ ماتھے پر نکلا جسمین بہت سوزش رہی تیسرے دن منھ د ہونے مین دانہ پھوٹ گیا اوس سے جو مواد نکلا وہ زرد زرد پانی تھا، جہان جہان وہ پانی لگ گیا دانے نکل آئے، تمام چہرہ مشبک ہو گیا، جراحون نے بہت کچھ علاج کیا کچھ سود مند نہوا
از قضا سرکنگبین صفرا فزود روغن بادام خشکی مے نمود
آخر انتقال کیا کرورون روپیہ چھوڑ گئے۔

ناظرین ملاحظہ کرین کہ ایک غریب الوطن مسافر کے ساتھ جو نہ شہر کا باشندہ نہ ہمقوم تھا، نہ کوئی وسیلہ اور سفارش رکھتا تھا یہ شاہی فیاضیان تھین اسی طرح شاہی دربار مین غیر قومون کے لوگ ہزارون پرورش پاتے اور بادشاہ ہر مذہب کے آدمی کیساتھ یکسان سلوک کرتے تھے، چنانچہ راجہ ٹکیٹ رائے، مہاراجہ میوہ رام، راجہ بختاور سنگھ مشیر الدولہ مہراجہ بالکرشن جسارت جنگ۔ راجہ کندن لعل، راجہ امرت لال، عرض بیگی راجہ بینی بہادر وغیرہ سب شاہی فیاضیون کے نمونے تھے، اسیطرح شاہان اودہ کی اولوالعزمیان روز روشن کی طرح منور ہین۔

شاہان اودہ اگر مذہبی تعصب رکھتے ہوتے تو رعیت تباہ اور برباد ہو جاتی حالانکہ واجد علی شاہ آخری شاہ اودہ کے عہد مین سولہ لاکھ کی آبادی خاص لکھنو کی تھی، اصل یہ ہے کہ بادشاہون کے مزاج مین عموماً تعصب نہین ہوتا غلطی سے لوگ محض کسی تمدید پر اپنی طبیعت کے موافق اونپر تعصب کا الزام لگا دیتے ہین ورنہ غور سے دیکھا جائے تو نہ عالمگیر متعصب تھا نہ اکبر دہریہ اپنے اپنے عہد کی پالیسی تھی۔ دونون پر تعصب اور دہریت کے الزام محض بے بنیاد ہین، بادشاہون کی نیت کا حال رعیت کی سرسبزی

سے معلوم ہوتا ہے اُنکی سرسبزیاں دیکھنے کے بعد ہرگز یہ نہیں کیا جا سکتا کہ تعصب اور ناانصفی کے وجود کے ساتھ یہ سلاطین اتنے بڑے حصہ ملک پر اس اطمینان سے حکمرانی کرتے تھے۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

نیند

چین جنکو ہی، تجھے او نیند انھیں سے اُنس ہے ... شب کی بیداری کو ہاں چشم حزیں سے اُنس ہے

غمزدونکی رات کٹتی چین سے، آرام سے ... اُنکی آنکھوں میں جگہ کرتی اگر تو شام سے

تو نہ آئے پاس، او کھینچیں وہ آہیں رات بھر ... تو ترس کھائے نہ اُن پر، وہ کراہیں رات بھر

تجھکو الفت صرف انھیں لوگوں سے ہے جو شاد ہوں ... گھر وہی مدِ نظر تجھکو ہیں، جو آباد ہوں

تو سُلا کر، خستگی کو دور کرتی ہے ضرور ... دل کو اپنے فیض سے مسرور کرتی ہی ضرور

خوش نصیبوں کو ہوئی تجھ سے ہم آغوشی نصیب ... بے نصیبوں کو ہوئی تیری فراموشی نصیب

آنسوؤں کے جوش سے شاید بہت ڈرتی ہے تو ... اشک ریز آنکھوں کی جانب رخ نہیں کرتی ہے تو

یا قدم رکھتی نہیں تو آنسوؤں کو پاکے شور ... یا قدم جمتے نہیں، غالب ہے تجھپر اُنکا زور

یا یہ سمجھی تو کہ آنکھیں اُنکی سو سکتی نہیں ... اُن میں پانی بھر گیا ہے، بند ہو سکتی نہیں

تجھ سے بے پروا ہی یا اُن بدنصیبوں کا خیال ... بٹ گیا ہے غم کی فکروں میں غریبوں کا خیال

لاکھ بٹ جائے خیال، آئے جو تو، چین آہی جائے ... شوق کو بھی یہ تمنا ہے کہ تجھکو نیند ہی جائے

احمد علی شوق، قدوائی۔

مُسَدّس

مان کی مامتا

کلیجہ مرا منھہ کو کیون آ رہا ہے — دھڑکتا ہے دل، جی بھی گھبرا رہا ہے
مسرّت کے گھر کو الم ڈھا رہا ہے — جگر کو کوئی ہاتھ تڑپا رہا ہے
یکایک جو دل ہی مکدر تو کیون ہی — طبیعت ہی آپے سے باہر تو کیون ہی

نہ معلوم کیون کر اُٹھا درد پہلو — کہ اب میرے دل پر نہین میرا قابو
روان ہین برابر جو آنکھون سے آنسو — خدا جانے یہ کر دیا کس نے جادو
دماغ اب ہی مختل تو ہی درد سر مین — اُٹھا کرتی ہی ٹیس ہر دم جگر مین

مرا ایک فرزند تھا نیک اختر — اجل نے کیا وار افسوس اوسپر
جدائی مین اُسکے ہون آپے سے باہر — نہین مانتا دل بغیر اوسکے دم بھر
کمائی مری عمر بھر کی لُٹی ہے — بڑی دولت افسوس گھر کی لُٹی ہی

علالت تھی گویا نشانی قضا کی — نہ پائی شفا گو دعا کی دوا کی
مرض مین ترقی برابر ہوا کی — گئی سعی بیکار مجھہ بے نوا کی
ستم مجھپہ ٹوٹا ہے سارے جہان کا — لہو غم سے پسکر کلیجا ہے مان کا

مرا حوصلہ کچھ نکلنے نہ پایا — مرا نخل اُمید پھلنے نہ پایا
مرا ننھا بچا سنبھلنے نہ پایا — وہ گھٹنون کے بل بھی تو چلنے نہ پایا

اجل ذات نے کھا لیا مار ڈالا
مری آرزو، میرا ارمان تھا یہ
مگر کچھ دنون ہی کا مہمان تھا یہ
بمشکل اسے مین نے پالا تھا یارب
مقدر ہی افسوس بگڑا ہوا ہے
یہ دکھیا مصیبت مین گو مبتلا ہے
فلک کی ستائی ہوئی اور بنوا مین
مرے قلب کو صبر و تسکین نہین ہے
بغل مین تھا کل، آج زیر زمین ہے
بلا مین تباہی ہون الم مین گھری ہون
مین بیکس ہون بیبس ہون آفت کی ماری
ترقی پہ ہے ہر گھڑی بیقراری
نہین قلب مین تاب ضبط فغان ہے
وہ بیفکر یان میری تھوڑی ہوئین کیا
پھر پہنچنے نہ پاتی تھی تکلیف و ایذا
مزے سے بسر ہوتی تھی زندگانی

مرے سر غم و رنج کا بار ڈالا
مری دلفریبی کا سامان تھا یہ
ہوا جب سے پیدا پریشان تھا یہ
مرے گھر کا یہی اوجالا تھا یارب
کہ قسمت مین آزار سہنا بدا ہے
مگر موت آتی نہین کیا بلا ہے
رہونگی اجل سے بھی محروم کیا مین
کہ مجھسے جدا اب مرا نازنین ہے
اسی غم مین مصروف جان حزین ہے
کہو کر خدایا کہ غم مین گھری ہون
رہا کرتے ہین اشک آنکھون سے جاری
ہوا کاٹنا عمر کا غم سے بھاری
مری زندگی مجھپہ بیحد گران ہے
کہ آرام مجھکو میسر تھے ہمہ جا
طلب مال کی تھی نہ دولت کی پروا
فراہم تھے اسباب لطف "جوانی"

محمد حسین محوی لکھنوی

سوالات علمیہ کے متعلق کچھ اور عرض

اگست سن رواں کے الناظر مین ان جوابات معروضۂ راقم پر جو جون کے الناظر مین بجواب سوالات علمیہ مندرجہ الناظر بابت ماہ مئی لکھے گئے تھے۔ عرض مکرر، کے عنوان سے معترضانہ، اور ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہی۔

کشاکش روزگار و گردش لیل و نہار نے اتنی فرصت نہ دی جو اس عرض مکرر کے متعلق کچھ اور عرض کرتا حالانکہ جناب اڈیٹر نے ستمبر و اکتوبر مین برابر میرے جواب الجواب کیلیئے تکلیف انتظار اٹھائی، نیاز مند لسبل اس تعویق کیلیئے جو محض اتفاقاً اور بحالت مجبوری ہوئی بصد ادب خواستگار معافی ہی

اسمین شک نہین کہ جوابات زیر بحث بھی نکتہ خیال سے بہ سبیل ایجاز لکھے گئے تھے، اور فلسفیانہ بحث کے لیئے دوسرے اہل قلم حضرات کی خدمت مین تحریک کی گئی تھی وہ جوابات ہرگز جناب سائل کی تسلی کیلیئے کافی نہین ہو سکتے، اور نہ خاکسار مجیب کا یہ دعوے ہے۔ باینہمہ جناب سائل نے چونکہ جوابات معروضہ پر توجہ خاص مبذول فرما کر بہت سے مزید بحث طلب پہلو نکالے ہین۔ اسلیئے ان کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اور بعض شکوک کے ازالہ کی بھی کوشش کیجاتی ہی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

عقل کے متعلق بحث کرتے ہوئے زندگی کی بحث کو مقدم رکھنا۔ اسلیئے ضروری ہے کہ امور عقلی کے ظہور و امتیاز، کے لیئے زندگی، لازمی، اور لابدی ہے یعنے امور عقلی کے صدور، و ظہور، اور اُن کے احساس و امتیاز کے لیے ایسی حالت کا ہونا ضروری ہی، جسمین قوت ارادہ، حرکت اور حس، موجود ہون، اور طبی اعتبار، سے اس بحث کا کسی حدتک موزون ہونا تو خود جناب سائل کو بھی مسلم ہی۔

حیوانی۔ انسانی۔ نباتاتی۔ جماداتی۔ علوی اور سفلی۔ زندگیونکی تفصیل کے لیے جو ارادتاً قلم اندازکی گئی تھی، شکریہ ادا کیا جاتا ہی، اگرچہ اس تفصیل کا نفس مضمون اور امور تنقیح طلب سے بالبداہت کوئی تعلق نہین، زندگی کے مختلف مدارج واسباب کو مدنظر رکھکر تمدنی۔ اور اخلاقی۔ حالتون پر نظر ڈالیئے اور اسکی ہزارون قسمین بنائیے مگر ان سب مین مابہ الاشتراک کیا ہوگا۔؟ وہی زندگی جسکی بحث مقدم رکھی گئی، اور جسکے ساتھ امور عقلی کے ظہور و صدور اور احساس و امتیاز وابستہ سمجھا گیا، اسجگہ اسقدر اور تشریح کردینا بھی ضروری ہی کہ امور عقلی کا ظہور و صدور افعال مین مضمر ہے۔ اور عقل یا عقلی محض تجربات کا نتیجہ ہین۔ اور فی نفسہا کسی مادی وجود کی قید سے بری ہین۔ (یعنی انکا وجود محض اعتباری ہی اور حرکت اور زندگی سے جو افعال صادر ہوے انکو بلحاظ نتائج و تاثیرات کے عقل یا بے عقلی کا سرٹیفکیٹ دیدیا گیا، اور صدور افعال زندگی اور محض زندگی کا کرشمہ ہے۔

اب مجاز وحقیقت پر نظر ڈالی جائے، اور استعارہ واصلیت مین مابہ الافتراق قائم کیا جائے تو جس قسم کی زندگی ہوگی، اسی قسم کے احشائے ثلاثہ بھی ہونگے، اگر زندگی بقید جسم مادہ کثیف ہے تو احشائے لازمۂ حیات بھی ویسے ہی ہونگے اور اگر وہ خیالی اور ذہنی ہے تو یہ بھی مثالی اور فرضی ہونگے، لیکن سخت تعجب ہے کہ امور اخلاقی ومنزلی اور حالات تمدنی، سائنس۔ اور فلسفہ کی بحث مین کیون پیش کیے گیے!! علوی اور سفلی زندگی کا سائنس و تجربات سے کیا تعلق ہی کیا یہ تقسیم محض اعتبارات تجربہ پر مبنی ہین؟ سائنس اگر کسی چیز کا ثبوت دے سکتا ہی (یہ شہادتِ تجرباتِ صحیحہ) تو وہ محض زندگی ہی مجیب بلاخوف تردید اس امر کا علی الاعلان دعوی کرتا ہے، کہ یہ تقسیم اعتباری اور

محض اعتباری ہی اکہین علوی اور سفلی کی اصطلاحین لوئر اور ہائر اینی میٹ کے لیے
تو وضع نہین کی گئین۔

الحاصل پہلے زندگی کی بحث مقدم ہے اور پھر اسکی مختلف حالتون پر نظر کرکے حیوانی
نباتاتی وجماداتی، اور علوی وسفلی، وغیرہ اقسام مین اسکو تقسیم کرنا اعتبارات تو یہ۔
قیاسات۔ یقینیہ۔ و قرائن صحیحہ کے ماتحت ہی، چونکہ یہ ایک علیحدہ بحث ہی اسلیے یہان اسکو قلم انداز
کیا جاتا ہے تاکہ خلط مبحث نہ ہو، البتہ اسقدر عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح
مذکورالصدر خیالی یا حقیقی زندگیان دراصل زندگی ہی کی بحث مین شامل ہین، اسیطرح
احشائے ثلاثہ بھی جو لازمۂ حیات ہین فی الحقیقت اصلیت افعال کے لحاظ سے ہر جگہ یکسان
ہین، کیونکہ لزوم کا ملزوم سے علیحدہ ہونا محال ہے، اور اختلاف کیفیات منافی موجود نہین
بلکہ دلیل وجوب ہی۔

معلوم نہین کہ پھیپھڑے موجودہ بحث سے کیون خارج سمجھے گئے۔ صرف محاورہ زبان کی
پیروی سے ایسا کرنا سائنٹفک، اور فلسفیانہ تجربات ومشاہدات کے راستے مین ایک
ثقیل اور قابل اعتراض روک پیدا کرنا ہی، محاورہ زبان مین تو دل اور دماغ کے ایک
ہی معنی ہین پھر کیا یہ درحقیقت دونون ایک ہی شے ہین ؟ نہین نہین ہرگز نہین پھیپھڑون کو
احشائے لازمہ حیات مین شمار کرنے سے کوئی استبعاد عقلی تو لازم آتا نہین، البتہ محاورۂ زبان
ومفہوم مزعوم عوام کے ضرور خلاف ہی، مگر فلسفیون کو تجربات عینی واعتبارات یقینی کی بنا ر
پر رائے قائم کرنا چاہیے یا مفہوم مزعوم عوام کا تابع ومطیع ہونا چاہیے۔ فلسفیون سے تو جہانتک
پوچھا گیا ہی وہ بھی کہتے ہین کہ ہم تجربات صحیحہ اور قیاسات قویہ کو اپنے خیالات کا سنگ بنیاد
سمجھتے ہین اور محسوسات ومشہودات یقینی سے استخراج نتائج واستنباط مسائل کے لیے واقعہ

حقہ کی تلاش و تفہیم کو اصول اولین قرار دیتے ہین۔ غرضکہ

فلسفی دنیا نے دل اور دماغ کو مانا تو اسیطرح ہی جسطرح اہل تحقیق اور ارباب تشریح نے اس کی تعریف کی ہے اور اہل فلسفہ کو یہ تاب و مجال بھی نہین کہ وہ تحقیقات صحیحہ و تجربات عینی کے خلاف کوئی راے قایم کر سکین ہان اپنے خیال کی ترنگ مین دل و دماغ کا مفہوم محاورہ زبان کی پیروی سے الگ قرار دیدین تو وہ قابل اعتبار نہین کیونکہ خلاف تجربہ ہے، اور فلسفہ کو تو ہنوز ایسی بہت سی منازل تحقیق سے گذرنا باقی ہین اس لیے اس کا فیصلہ کوئی ناطق فیصلہ نہین ہو سکتا، اگر فلسفی دنیا مین دل و دماغ سے وہ دل اور دماغ مراد نہین جو ایک پہلو اور کاسہ سر مین ہین تو یقیناً فلسفی دنیا مین زندگی سے بھی کوئی اور ہی زندگی مراد ہے۔ فلسفی اگرچہ محسوسات و مشہودات سے نتایج اخذ کرتے ہین اور واقعات صحیحہ و تجارب حقہ کی بنا پر خیالات کا سلسلہ قایم کرتے ہین اور اونکے رشتہ خیال کی گرہ اولین شواہد یقینی کے درمیانی سوراخ مین پھنسی ہوتی ہے لیکن فلسفہ چونکہ بلند خیالی کی گود مین پرورش پاتا ہے۔ اور واہمہ کی دایہ کا دودھ پیتا ہے۔ اسلیئے تخیل کی بلند پروازی اور واہمہ کی خیال آفرینی اسے حقیقت سے بہت دور مقامات تک پہونچا دیتی ہین اور اکثر اوقات وہ جادہ مستقیم سے بھی بھٹک جاتا ہی فلسفہ کی گردن ہمیشہ کے لیے اہل تحقیق وارباب تشریح کی زیر بار منت ہے اور فلسفی ان احسانات بیکران کے بارسے کبھی سبکدوش نہین ہو سکتے جو اہل تحقیق ہمیشہ ان پر کرتے رہتے ہین، فلاسفہ ما ننی و حال کے اختلاف کو جانے دیجیے اسی زمانہ کے ہم عصر فلاسفر ونکا اختلاف اکثر مناظرون سے گزر کر مجادلون اور نکابرون تک پہونچا ہے، پھر اگر تحقیقات و تجارب صحیحہ رہنمائی نہ کرین تو فلسفی کبھی کسی صحیح تجربہ پر نہ پہونچ سکین۔

اہل مذہب نے ضرور دل کو ایسی شئے مانا ہے جو محشرستانِ خیال، وگزرگاہ ربِ ذوالجلال ہی، مگر اس سے وہی قوت دماغی مراد ہے جسے بقول جناب سائل فلسفی دل ودماغ کہتے ہین،
چونکہ مذہب کو عامۃ الناس کو سمجھانا مقصود ہے اسلیئے مفہوم عام کی پیروی کی گئی، دل
قلب۔ ہردہ۔ من۔ جی۔ سر۔ دماغ۔ جگر۔ کلیجا۔ دل گردہ۔ دل وجگر۔ سینہ۔ پہلو۔ بر۔
وغیرہ الفاظ کا مفہوم محاورہ زبان کے مطابق کچھ اور ہے اور انکی اصلیت کچھ اور۔
اُن نتائج کے لحاظ سے جو ذہن مین کسی سانحہ یا واقعہ کے اثر سے پیدا ہوتے ہین قلب
پر ایک خاص کیفیت کا طاری ہونا اور اس تغیر یا کیفیت کا حرکات دل کے تیز ہوجانے سے
فوراً محسوس ہوجانا، ان تمام حالات کو دل سے منسوب کرنیکا موجب ہی، ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ تینون اعضا پر اثر مترتب ہوتے ہین اور ان مین سب سے پہلے نظام عصبی کو خبر ہوجاتی ہی
وہان سے دل اور شش کو احکام بھیجے جاتے ہین، مثلاً کسی شخص کو بیٹھے بٹھائے خلاف توقع
ایک تار آجائے تو اُسکے دل کی حرکات مین ایک خاص تغیر پیدا ہوجائیگا اور جوف سینہ مین
دل کی حرکات کا زور زور سے واقع ہونا فوراً محسوس ہوجائیگا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری
ہی کہ سانس مین بھی ایک خاص قسم کی تبدیلی واقع ہو اور سر مین ایک چکر سا آجاے، یہ روز
مرہ کے مشاہدات ہین، ان پر غور کرلینا بہت کافی ہی علاوہ ازین دل مین ایک خاص قسم کا
نظام عصبی ہی جسکی قوت حاسہ بدرجہ غائت مدرک ہی، مگر حقیقت یہ ہے کہ دل یا اور اس قسم کے
باقی تمام اعضا خواہ کتنے ہی ذکی الحس ہون من کل الوجوہ احکام دماغ کے تابع وزیر فرمان
ہین، جب تک دماغ سے کوئی حکم نہ آسکے تمام اعضا جوارح بیکار رہتے ہین حتی کہ خود دل اور
سینہ کی حرکات کے لیے دماغ ہی سے احکام نافذ ہوتے ہین اور انھین کے منشا کے مطابق
یہ معرض وقوع مین آتی ہین۔

اگر فلسفیانہ یا شاعرانہ تخئیل ہی کی پیروی کرنا ہے تو دل و دماغ کے علاوہ اور بہت سے
ایسے مقام جسم انسان مین ماننے پڑینگے جو محسوسات فطری اور جذبات انسانی کا مرکز قرار
دے گئے ہین حالانکہ وہ درحقیقت ایسے نہین۔ ملاحظہ ہون مثالین سے

خون نابہ جگر ہے روان آنسوون کے ساتھ	سارا جہان آہ مرا رازدان ہے اب
دل سے آتا ہی جگر مین تو جگر سے دل مین	آج اُٹھا ہی ذرا درد ٹہلنے کے لیئے
سرد ہو کوئی کسی کا ہو کلیجا ٹھنڈا	ہم تو جل جل کے مرین دل ہو تمھارا ٹھنڈا
پہلو مین، دل مین، سینہ مین، تپلی مین آنکھ مین	ایسا کوئی مقام نہین تم جہان نہ ہو
خط کو ہمارے پڑھنا ذرا دیکھ بھال کے	کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجا نکال کے
دل مین اک درد اٹھا آنکھ مین آنسو بھر آے	بیٹھے بیٹھے ہمین کیا جانئے کیا یاد آیا
دل و جگر مین ہی تازہ بہار زخمون کی	ہمارے سینہ مین کیا خوب رنگ لائی چوٹ
آتے ہین خیالونمین نگاہون مین دلونمین	اور ہم سے یہ کہتے ہین کہ ہم پردہ نشین ہین

اب سوالات مکرر کا جواب عرض کیا جاتا ہے

سوالات مکرر "(الف) سب انسانون کے دماغ ایک ہی وسعت اور ایک ہی پیمانے کے ہین
یا (ب) انمین کچھ فرق ہی"

بصورت اول بحالت صحت دماغ و ادائگی افعال بصحت تمام کیون فرق و امتیاز پایا
جاتا ہے۔

بحالت ثانی۔ افعال۔ طریق ادائے افعال اور عقول مین بھی فرق ہوگا۔ اور مطابق
سوال (حرف ط) عقل واحد نہ رہیگی۔ ملخصًا

دوسرا استحالہ یہ ہے کہ بعض دماغ صحیح تسلیم کرکے ہم مان لین کہ اونکے افعال بصحت تمام سرزد ہوتے ہین پھر بھی ان افعال مین بہت کچھ فرق پایا جاتا ہی جس سے بادی النظر مین یہ کہنا پڑتا ہی کہ یہ سلسلے مختلف اوزاروں کی ہین اور اس کے ساتھ ہی تسلیم وجود اختلاف سے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یا تو کوئی ایک سلسلہ افعال بصحت تمام پورا اور ادا نہین ہوا یا در اصل عقل اور ہی کسی قوت کا نام ہی۔

ہم دیکھتے ہین کہ بعض وقت ایک دیوانہ اور مخبوط الحواس بھی جسکے دماغ مین طبی قاعدہ کی پابندی سے فتور اور خلل پایا جاتا ہے بعض کام خوش اسلوبی سے انجام دیتا اور بعض خیالات کا عقلمندی سے اظہار کرتا ہے۔۔۔۔۔ حالانکہ ایسے لوگون کا دماغ صحیح اور تندرست نہین ہوتا اور اس صورت مین سلسلہ افعال کی جہت سے ہم عقل کا اطلاق اسیوقت کرسکینگے جبکہ دماغ صحیح و تندرست ہو اور افعال بصحت تمام عمل پذیر ہوتے ہون۔"

الجواب

اصول ساخت کے لحاظ سے کل دماغ یکسان ہین۔ مدارج تکمیل مین اختلاف ہونا ضروری ہی۔ کیونکہ ہر شخص پر واقعات متعلقہ۔ طریق تمدن۔ خوراک۔ لباس۔ آب و ہوا۔ تربیت حادثات اور حالات گرد و پیش کا اثر مختلف ہوا کرتا ہے اسلیے ہر شخص کی دماغی تربیت بھی کسیقدر مختلف ہوتی ہی۔ یہی وجہ طریق صدور افعال کے اختلاف کی ہی ایک ہی کارخانہ کے دس ہارمونیم جنکے پرزے پرزے مین مشابہت تامہ ہو دس آدمیونکو دیدیے جائین اور پھر چھ مہینے کے بعد انکا معائنہ کیا جائے ممکن نہین کہ ان سب کی ظاہری و باطنی صورت مین اختلاف نہ ہو۔ یعنے ہر شخص کے طریق استعمال کا ان پر جدا گانہ اثر ہوگا۔ کسی اسکول مین جاکر ایک ہی جماعت کے طلبا کی کتابونکا مقابلہ کرین ہر ایک کے طریق حفاظت کا اسپر جدا جدا اثر نمایان ہوگا۔ ایک ہی شے کو اختلاف استعمال نے دوسری مشابہ

شئے سے مختلف بنا دیا! اور یہ اختلاف استعمال اختلاف عقول کا نتیجہ نہین بلکہ اختلاف
حالات کا ہے اور اختلاف حالات ایک اور انتظام کے ماتحت اور کسی دوسری زنجیر
کی کڑی ہے۔

اب رہا مدارج تکمیل سو اس کے لیے صرف اپنے ذاتی حالات پر غور کر لینا کافی ہوگا
بچپن مین ہماری عقلی حالت کچھ اور تھی اب جوانی مین اور ہے اور زندہ ہی تو انشاء اللہ
العزیز بڑھاپے مین یقیناً اور سے اور ہو جائیگی۔ بعض باتین عالم طفولیت کا دل پسند شغلہ
تھین اب جوانی مین ان سے سخت نفرت ہے اور خدا جانے بڑھاپے مین طبیعت کیا پلٹا
کھائے اور مزاج کیا رنگ لائے۔ آہ ؎

جو بچپن تھا تو ہر اک سی دعا لیتی تھی جینے کی مگر سیکھے ہین مرنا مہوشون پر ہم جوان ہوکر

ہم وہی، سر وہی، دل وہی، دماغ وہی، مگر مختلف حالتون کے اثر نے ہمین سے ایک ہی
معاملے مین محبت، نفرت، اور خوشی، وغم کے تباین و تفاوت کرشمے دکھا دے، کہین
ہم سے عقل کا ساتھ کسی وقت بھی نہین چھوٹا، اور عقل نے رفاقت سے منھ موڑا۔
بچپن مین بھی بھوک کا علاج خوراک سردی گرمی کا انتظام کپڑے، اور خوشی کا انصرام
دل پسند اشیا سے ہوتا تھا۔ جوانی مین بھی یہی کچھ شعار طبع رہا اور غالباً بڑھاپے مین بھی
ایسا ہی ہوگا۔ اختلاف جو ہے وہ صرف صدور افعال، اور طریق حصول مین ہی، اور
وہ اور حالتون کے ماتحت ہے جسکا ذکر قبل ازین ہو چکا ہی جب ایک ہی انسان کے
ادائے افعال کے طریق مین مختلف حالتون کی وجہ سے اسقدر اختلاف ہو تو مختلف
انسانون مین دماغی مشابہت کے باوجود اختلاف ہو جانا کوئی امر مستبعد نہین ہوسکتا۔
یہ تو تندرستون کے تکمیل مدارج کا حال ہی۔ ماؤف دماغون کا بھی یہی حال ہے

مجانین کا کسیوقت کسی کام کو خوش اسلوبی سے کرنا ہمارے بیان کے منافی نہین یہ کیب
کہا گیا ہی کہ دماغ کے کسی ایک خاص حصے مین عقلی افعال کے مرکز محدود ہین۔ یہ مرکز
تو دماغ کے کل مقامات مین کم و بیش موجود ہین۔ اور مجانین وغیرہ کے دماغونکا بھی
کوئی نہ کوئی حصہ آخر صحیح ہوتا ہی۔ جو کام اسکے تندرست حصہ کے احکام کے مطابق سرانجام
پاتے ہین وہ صحیح اور مطابق عقل ہوتے ہین۔ یہ بات مجانین کی حالت کو نبظر امعان دیکھنے
سے بخوبی سمجھ مین آسکتی ہی۔ کبھی لیونے ٹک آسائلم مین جاکر دیکھین تمام دیوانے مختلف
قسم کے خبطون مین مبتلا ہوتے ہین۔ یہ اختلاف دماغ مین بھی بعض حصص زیادہ قوے
اور زیادہ چشت ہوتے ہین۔ اسیطرح ناقص دماغون مین بھی بعض حصص زیادہ ماؤف
ہوتے ہین اور بعض کم۔

اعتراض بخوبسوال حرف ج۔۔۔۔۔ مادے باعتبار جداگانہ تشخص اور نوعیت کے
ایک ہی شخصیت اور ایک ہی نوع رکھتے ہین۔ گو مادون کی تعداد مین بحث ہوسکتی ہے۔
لیکن یہ بحث نہین کی جاسکتی کہ ایک ہی نوع مین سے کوئی مادہ کامل ہی اور کوئی ناقص اور
خود قدرت نے ہی یہ نقص و کمال رکھا ہی۔ نہ کوئی مادہ بہ اعتبار مادہ کے بہ تقید نوع خود
اعلی ہی اور نہ کوئی ناقص۔ بہ اعتبار نوعیت جداگانہ مادے ایک ہی حیثیت رکھتے ہین خواہ
ان سے انسانی دماغ بنایا جاوے خواہ حیوانی۔۔۔۔۔۔۔ ہان یہ ضرور کہا جائیگا کہ کسی خلقت
مین مادہ کی مقدار کچھ ہوتی ہی اور کسی مین کچھ سو یہ ایک دوسری بات ہی سوال یہ ہی کہ

"انسانی اور حیوانی عقل مین کیا فرق ہی"

اگر جواب اس سوال کا نقص و کمال مادہ پر لحاظ کرکے دیا جاسکتا ہے۔ تو پھر یہ
کہنا پڑیگا کہ جو دماغ اعلی مادہ سے بنا ہوتا ہی۔ اسکی عقل بھی اعلی ہوتی ہی۔ اور جو ناقص

ص کے مختلف حصص کی خرابیون کا نتیجہ ہے، جسطرح تندرست دماغ

ہوگی نتیجہ یہ نکلا کہ عقلیں خلقتاً ہی مختلف اور متفاوت ہیں۔ اور یہ صورت جواب سوال حرف ط کے ابتدائی جز کے منافی ہی۔

الجواب

مادے کی بحث مین جو بات مین عرض کرنا چاہتا ہون وہ یہ ہی کہ گو مادے بہ تقید نوع ایسی ہی حالت مین ہون کہ باعتبار جداگانہ تشخص و نوعیت کے انکے نقص وکمال مین کوئی بحث نہ ہو سکے۔ لیکن وہ ضرور ایسی حالت مین ہین جو ترقی پذیر و یا تغیر پسند ہے اور یہی خاصیت اسبات کا کافی ثبوت ہی کہ ہر مادے کو مدارج تکمیل طے کرنا باقی ہونے ہین۔ اگر اس باب مساعدت نہ کرین تو زوال پذیر ہونا ہوتا ہی۔ اگر یہ بات نہو تو تمام امیدین خاک مین ملجائین۔ ترقی کے ولولے اور نمو کی امنگین اس دنیا و ما فیہا کے ذرے ذرے مین مملو ہین مادے کی اس خاصیت سے انکار کرنا ایک ایسی بداہت سے انکار کرنا ہے جسکا ثبوت ہم خود ہین۔ اور دنیا و ما فیہا کا ذرہ ذرہ اس کا شاہد ناطق ہی۔

اب رہا مقدار کا سوال ہان یہ ضرور صحیح ہی کہ ہر شے کی ابتدائی حالت مین تمام اثر مادے کی مقدار پر منحصر ہین اور یہی فرق مقدار ہی ایک کو کامل اور دوسرے کو ناقص بنا دیتا ہے مگر یہ صرف اسکی تغیر پسند خاصیت کا خاصہ ہے کہ مرور زمانہ و دیگر حالات کے اثر سے ہم اُسمین ترقی یا تنزل کی علامت صریح مشاہدہ کرتے ہین مثلاً دودھ مین چکنائی مکھن سے کم ہے۔ اور مکھن مین گھی سے کم ہے پس بلحاظ چکنائی کے گھی اعلی اور دودھ اسفل ہی یہی حال انسانی اور حیوانی دماغ کا ہے۔ بعض مادونکی مقدار انسانی دماغ مین زیادہ ہے اور حیوانی مین کم مین یا اسکے برعکس اور یہ اسی

کمی بیشی ہی کا اثر ہے کہ مختلف مقدار مادہ کے امتزاج سے مختلف کیفیت پیدا ہوتی ہی۔
اور یہی بات انسانی دماغ کی فضیلت کا موجب ہی۔ اسکی تشریح مزید کے لیے دماغ کی
تشریح کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ الغرض انسانی عقل، اعلیٰ، اور حیوانی عقل
ادنی ہے۔ باقی امور کا جواب پہلے آچکا ہی۔

اعتراض بہ جواب سوال حرف د

(کلام سائل) یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "انسانی عقل کا مستقر دماغ ہی" اسمین
پہلا سوال درسوال یہ ہوگا۔

کہ "طبی دماغ یا فلسفی دماغ"

اگر فلسفی دماغ ہی تو وہ یا تو اس طبی دماغ کے کسی خاص جوف یا زاویہ مین مستقر
ہوگا یا محض خیالی بصورت (۱) یہ سوال پیدا ہوگا کہ طبی دماغ کے کس حصے مین اس طاقت
زیر بحث (عقل) کا مستقر ہے، ملخصاً

الجواب

عام انسانی عقل کا مستقر بیشک دماغ ہی ہے، اور یہی دماغ ہی جو ہمارے
کاسۂ سر مین ہے، جسے طبی دماغ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے فلسفی دماغ کا صحیح ٹھکانا
تو مشکل ہے کیونکہ وہ فلسفیانہ تخیل کی الجھن مین پھنسا ہوا ہے، اور ان خیالات پر
تاریکی کا پردہ سیاہ حائل ہی۔ ہان اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ اسی طبی دماغ مین تمام
قسم کے محسوسات، قوی حاسہ، ومدرکات، کے مرکز واقع ہین۔ انکی تفصیل دیکھنا ہو تو
اے ناٹومی، فزیالوجی، اور میڈیسن مین برین وٹرونس سسٹم کے متعلق بیان
ملاحظہ فرمالیئے جاوین۔

تعجب ہی کہ جو ادلہ باہرہ تجربات صحیحہ اور شواہد عینی و یقینی پر مبنی ہون اول تو انھین دو چار دلیلین کہہ کے کم وزن کیا گیا ہے۔ پھر ان سے انکار بھی نہین ہو سکتا اور ساتھ ہی انھین دلائل ماننے سے احتراز کیا گیا ہے۔ یہ تحریر اس قابل ہے کہ جناب سائل مخلی بالطبع ہو کر اسپر مزید غور اور نظر ثانی فرمادین انکے متعلق جو چار اعتراض پیش کیے گئے ہین انکا جواب کئی بار آچکا ہے۔ ضرورت اعادہ نہین۔

راقم پھر گذارش کرتا ہے کہ جوابات مندرجہ الناظر ماہ جون کو دوبارہ مطالعہ فرمایا جاوے خصوصاً (جواب (وہ) کو۔

اعتراض بہ جواب سوال حرف ہ

اگر یہ مان لیا جائے کہ عقل کا مستقر کوئی عضو مثلاً دماغ ہے تو کیا بدیہی طور پر اسکا مشاہدہ کسی جوف یا حصۂ دماغ مین کیا اور کرایا جا سکتا ہے؟...... سائنس کسی ایسے وجود کا قائل نہین ہے جسکا تجربہ گواہ نہ ہو اور چشم دید شہادت نہو... وجہیا ہستی عقل کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ یا تو آثار ہین، یا قرائن، یا قیاسات، اور وہ بھی ایسے دہندلے کہ جن مین بجائے خود زمین آسمان کا فرق ہے اور سچ پوچھو توانکی دنیا ہی ایک دوسرے سے الگ ہی،

الجواب

ہان اسکا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے لیے مردس سسٹم کا مطالعہ کرنا ضروری ہی تجربہ کی بات تجربہ کرنے سے حاصل ہو سکتی ہی۔ اگر شوق تجربہ ہو تو راقم کو اطلاع دیجائے تاکہ اسکے متعلق ضروری امور گذارش کیے جائین۔

فلسفہ کی بحث کرتے کرتے سائنس کو مدار تحقیق ٹھہرا دیا گیا ہی۔ بہر حال مقام شکر ہی

کہ فیصلہ کی آسان راہ نکل آئی ۔ مگر اس مقام پر یہ یاد رکھنا اشد ضروری ہی کہ ابھی سائنس نے تجربات کا کورس ختم نہین کیا ۔ اور ابھی تو ہنوز روز اول کا سا مضمون ہی تاہم اگر آپ کو تجربات کا شوق ہو تو سائنس مدد کرنے کو طیار ہے ۔ لیکن .... کتنی باتین ہین جو محض تجربات کی بنا پر مانی جاتی ہین اور کتنی ہین جو آثار ، اور قرائن وقیاسات کے اثر سے ؟ دنیا مین جسقدر باتین ہم مان رہے ہین اسکی تصدیق صرف شواہد پر مبنی ہے ، ہم کبھی ہر ایک بات کے لیے منطقی دلائل اور طبعی تجربات سے ثبوت نہین مانگ سکتے ۔ اور تو اور خود حرکت کا وجود محض اعتباری ہی جو مدار حیات اور ثبوت زندگی ہے ، زید اپنے باپ کا بیٹا ہے کسطرح مانا ؟ کیا سائنس کے تجربے سی کسی عینی شہادت سے ؟ نہین بلکہ قرائن وقیاسات ، اور آثار واعتبارات سے ، یہ اسلیئے عرض کیا گیا ہی ۔ کہ سائنس وفلسفہ کے متعلق افراط کا پہلو نہ اختیار کیا جاوے بلکہ اعتدال کو مد نظر رکھکر تحقیق کیجاوے ۔

(اعتراض بجواب حرف و)

اس اعتراض مین کوئی خاص امر قابل جواب نہین ۔ مثنوی کا شعر بلا ضرورت لکھا گیا ہی ۔ لہذا بایزادی کل انا کی تیر شسع بما فیہ بصد ادب عطائے تو بہ لقائے تو کہکر واپس کیا جاتا ہی سننے کی تکلیف گوارا فرمائی جاوے ۔ ؎

پاے استدلالیان چوبین بود   پاے چوبین سخت بے تمکین بود

اعتراض بجواب سوال حرف ح

"اگر عقل کا کوئی مرکز ہے تو ضرور ہے کہ بے عقلی کا بھی کوئی مرکز ہو"

الجواب

اب صرف اسیقدر عرض کردینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح بینائی، شنوائی، شامہ لامسہ اور ذایقہ کے لیے مرکز اور عضو موجود ہین اور انکی ہندسہ کے لیے کوئی مخصوص عضو جسم انسان مین ہنوز دریافت نہین ہوا اسیطرح عقل کے مرکز جو دریافت ہوے ہین انھین کی خرابی بے عقلی پیدا کردیتی ہی اور تجربہ اسکا شاہد ہے۔

بعض دفعہ کا ذکر نہ کیجیے گا بعض دفعہ تو بہت کچھ ہو جاتا ہی بحث اصول سی ہے نہ بعض دفعہ سے۔

اعتراض بہ جواب حرف ط، کا جواب ضمناً آچکا ہے

حرف ی کے ضروری جزو کا جواب دیا جاتا ہے۔

التماس میرے پہلے جوابات کو ان جوابات سے بلاکر ملاحظہ فرمایا جاوے سیطرح سوالات کو بھی۔

(نوٹ) احشاء کا لفظ ارادتاً دل۔ شش، اور دماغ کے لیے استعمال کیا گیا ہی جو اسکی لغوی وسعت سے زیادہ ہے ارباب ذوق واہل علم حضرات اس معنوی تصرف کے لیے معاف فرمادین جناب سائل ازراہ عنایت بنظر امعان مطالعہ فرمائین۔ انکے سوالات مکررین بہت سی باتین قلت تدبیر پر ناشی معلوم ہوتی ہین۔

راقم عبدالحکیم **بسمل** ہوشیارپوری

رباعی

دیکھ ابرد ون کی طرف جو بینائی ہے ... کیا خوبی و رعنائی و زیبائی ہے
ہوا اہل نظر سے یہ اشارہ ان کا ... جھکنے ہی سے آنکھون پہ جگہ پائی ہے



اعجاز بشر

فرمانروایان ہلکر کے دو عالیشان محل جنمین سے ایک جُونا[1] باڑہ اور دوسرا نیا باڑہ کہا جاتا ہے اپنی گوناگون دلچسپیون کے سبب سے اندور مین خاص طور پر قابل ذکر ہین، اول الذکر حکمران خاندان کا قدیمی دارالامارۃ ہی اور پورانی مستحکم طرز عمارات کی ایک دلآویز تصویر ہی، نیا باڑہ جو پیرس کے مکانات کی وضع پر تیار کرایا گیا ہی جدید فیشن کا نمونہ ہی، مہاراجہ تکوجی راؤ آنجہانی کے عہد مین یہ بنا ہی، صرف ایک وسیع سڑک ان دونون کے درمیان حایل ہی، یہی سڑک بجانب مشرق کشن پورہ کے پُر رونق بازار۔ ندی کے پُر فضا پل اور جُونا توپخانہ کوٹھی کرتے ہوئی اسٹیشن کیطرف جاتی ہی، راستہ مین بائین ہاتھ کیطرف ہائی کورٹ۔ موتی بنگلہ اور ایڈورڈ ھال کی نو تعمیر سنگی عمارتین پڑتی ہین ایڈورڈ ھال کے اُس سرے پر ریلوے لائن کا پھاٹک ہی، اس سے پچیس تیس قدم کے فاصلہ پر داہنے جانب اسٹیشن کی سڑک ہی، اسکو چھوڑ کر جس راستے آپ آئے ہین چلے آئیے اب شہر کی سی چہل پہل یہان نہین ہی سڑک ایک خط مستقیم پر چلی گئی ہی، اور پختہ سڑک سنتوش گنج اور نو آباد محلہ تکوگنج کی زیر تعمیر کوٹھیون اور بنگلون سے گذر کر تقریباً ایک میل تک جانے کے بعد ایک اسلامی قبرستان کے پاس پلاسیہ[2] کے سامنے آگرہ بمبئی روڈ سے خط عمود کی شکل مین ملکر مُڑی ہی، موڑ پر ایک پُل بنا ہوا ہی، اس جگہ سے شمال کیطرف سڑک کا نشیبی حصہ شروع ہوتا ہی۔ اگر آپ اس پُل پر کھڑے ہوکر چار و نطرف نظر ڈالین تو عجیب پُر لطف منظر دیکھنے مین آئیگا۔ خصوصاً موسم برشگال مین تو اس

[1] جُونا بمعنی قدیم [؟] وزیر صاحب ریاست اندور کی کوٹھی جسکا [illegible] نام ہے

[2] پلاسیہ (پ لاسی ہیہ) ایک گانوٗن کا نام ہے۔

جگہ کی سیر سے محویت بخش سرور دل مین پیدا ہوتا ہی۔
پُل کے دونون جانب منقصر سے تالاب مین صاف و شفاف پانی لہرین مار رہا ہی۔ داہنی طرف پلاسیہ پولیس سٹیشن کی مختصر سی دلپسند عمارت اور اُسکا خوشنما باغ ہی جسکی سر سبزی آنکھون مین ٹھنڈک دیرہی ہی۔ اُس سے کسیقدر اونچی نگاہ اُٹھائیے تو محکمہ تعمیرات عامّہ کی خوشنما بلڈنگ نظر آئیگی اور اُسی سے ملی ہوئی افسران محکمہ کی قیامگاہین بنی ہوئی ہین۔ ایک وسیع سبزہ زار ان تمام مکانات کو اپنے دامن مین لیے ہوئے ہی۔ ذرا نظر اور بلند کیجئے تو دو تین پہاڑی ٹیکریان دکھائی دینگی برسات نے انکو زمرّدین لباس پہنا کر خوش ادا بنا دیا ہی۔ سر سے پیر تک سبز چادر اوڑھے ہین اور بیقرار دل پر ستم توڑ رہے ہین۔
بائین ہاتھ پر ایک پُر فضا درختون کا کنج ہی۔ اسکا مزہ گرمیون مین آتا ہی بیس۲ پچیس۲۵ درخت کچھ اس موزونیت سے اکٹھا ہین کہ نہایت ہی پُر لطف جگہ بنگئی ہی۔ سامنے پالا[1] بندھا ہوا ہی۔ نفیس پانی نہانے۔ ہاتھ مُنہ دھونے اور پینے کے لیے موجود ہی۔ آگرہ و بمبئی روڈ کے مسافرون کے لیے یہ بہترین جاے پناہ ہی۔ پالے سے ملے ہوئے چند مکانات ہین جنکے مکین راہگیرون کے لیے خضر سے کم نہین۔ امکانی امداد بھی اُنسے ملسکتی ہی۔ ضرورت کے لحاظ سے ایک آدھ خوانچہ فروش موجود ملے گا۔ اُسکی چیزین باوجود خراب و معمولی ہونے کے گویا حاجتمندون کے حق مین جنّت کی نعمت ہین۔ طویل مسافت طی کرنے کے بعد مسافر عموماً یہان آرام لیتے ہین اور قدرت کی فیاضانہ اُلوالعزمی کے قائل ہوکر آگے بڑہتے ہین۔

[1] پالا۔ تالاب کا بند۔

سامنے والے کُنج کے تقریباً بالمقابل تالاب کے اس پار باڑھ والی سڑک کے بالکل موڑ پر جہان سے گذر کر آپ پُل پر پہونچے ہین، سرسبز درختون کا ایک جھنڈ اور ہی جو ناظر کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہی، یہان پہونچکر لوگون کو روحانی راحت حاصل ہوتی ہے، سایہ دار درختون کے نیچے مختصر سے احاطہ مین حضرت برہنہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا مزار شریف ہی، اس جگہ دنیاوی تکلفات اور عارضی نمایشون کا گذر مطلق نہین، ٹین کا سائبان ہی اور جالی دار چوبی کٹھرہ، اُسکے اندر حضرت شاہ صاحب مصروف آرام ہین، اور آپ کا دربار اب بھی مرجع خاص وعام ہی، اندور ایسے مقام مین بھی جہان کے مسلمانون مین روحانی ومذہبی احساس شاذونادر پایا جاتا ہی آپکے عقیدتمندون کی ایک کثیر تعداد نکل سکتی ہی اور وہ لوگ جمعرات کے دن خصوصیت سے آپکی آستانہ بوسی کے لیے حاضر ہونا ضروری سمجھتے ہین،

آپ کا پورا اسم گرامی حاجی سید برہان الدین حسینی رضوی عرف میان برہنہ شاہ صاحب ہی آفتابِ آسمانِ معرفت حضرت شاہ خاموش صاحب حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو فخر بیعت حاصل ہوا، خاک دکن کو آپ کی زاد بوم ہونے کا شرف حاصل ہی، حیدر آباد مین مجھے اکثر آپ کا تذکرہ سننے کا اتفاق ہوا، اندور مین مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کی سعادت نصیب ہوئی اکثر احباب سے آپ کے حالات کی تفتیش کی، معتبر ذرایع سے معلوم ہوا کہ آپ صاحب دیوان بھی تھے، جو آپ کے وصال کے بعد آپ کے ایک ارادتمند مرید حاجی شیخ عبداللہ صاحب کی مساعی جمیلہ سے چھپ بھی گیا ہی، آخر حکیم محمد اسحاق صاحب جنھین حاجی صاحب موصوف سے نسبت

سلہ باڑھ، محلی

فرزندی حاصل ہی انکی مشفقانہ توجہ سے دیوان مجھے ملا،

یہ تیمیز فاروق دنیا کے دلفریب کرشمون سے دماغ اور قلب دونون مسخ کر چکا ہے فقیرانہ کنائے مذہبی نکات اور عارفانہ باریکیان کون سمجھے لیکن حضرت علیہ الرحمۃ کا تصرف سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے کلام کو پڑھکر روحانی مسرت حاصل ہوتی ہی اور اُسکے مطالعہ سے دنیاے تصوف کے عجیب وغریب راز آشکار ہوتے ہین

آپ کا تخلص بشر ہی دیوان کلام منظوم کی تقریباً ہر صنف پر حاوی ہی اور اکثر معرکہ کی زمینون پر طبع آزمائی فرمائی ہی شروع سے آخر تک طبیعت کا رنگ یکسان ہی جو قادر الکلامی کی خاص شان ہی زبان بہت شستہ اور پاک ہی شاذونادر ایسے الفاظ ملینگے جو فی زمانہ متروک خیال کیئے جاتے ہین علیٰ ہذا لقیاس چند فارسی ترکیب کے جملے لیکن اس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ معرفت شناس شاعر کا مقصود فی نفسہ شاعری نہ تھا زبان کی پابندی اور تقلید کا خیال اظہار جذبات کو کسطرح روکتا مثنوی مولنٰنا روم ہمارے قول کی بہترین مثال ہی عارفانہ خیالات کا دریا زور وشور سے بہرہا ہی اُسکے سامنے زبان کی فروگذاشتین حائل ہو کر کیا کر سکتی ہین،

حضرت شاہ صاحب مغفور کے کلام کے متعلق ذاتی طور پر راے زنی غیر ضروری سمجھکر آپ کی غزلیات کا مختصر انتخاب ہدیۂ ناظرین ہی اسکے مطالعہ سے ارباب فہم کو اسبات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اُردو کے شاعرانہ لٹریچر کی شاخ تصوف مین جس کی حالت بدقسمتی سے بہت بڑی حد تک محتاجِ توجہ ہی اس قسم کی چیزین بجاے خود مستقل قدر وقیمت رکھتی ہین ؎

یار کو وصل کی شب غیر سے پایا تنہا   بلکہ مین بھی نرہا یار جو آیا تنہا

بادشاہون کو ہوس دی تو قناعت ہمکو — کچھ اجارہ نہین حصہ ہے یہ اپنا اپنا
جب تلک ہم رہے اُسکا نہ ملا ہمکو سراغ — جب نشان اُسکا ملا کھوج نہ پایا اپنا
جبر اور قدر کی فہمید بشر ہی مشکل — ہمنے دیکھا تو نہ مرنا ہے نہ جینا اپنا

جو بھید کھلا معنی فی انفسکم کا — بندہ جسے سمجھے تھے وہ مولا نظر آیا
گہ بزم خرابات مین دیکھا اُسے ہم نے — گہ کعبے مین گاہے یہ کلیسا نظر آیا
مانند حباب آنکھ کھلی اپنی جو دم بھر — ہر قطرہ ہمین صورت دریا نظر آیا

یہ ظہور کس طرح سے بہ نیاز و ناز ہوتا — جو تجھے نہ ناز ہوتا نہ مجھے نیاز ہوتا
کیا عبد مجکو رب نے ہین وگرنہ ایک دونون — کہ نشیب گر نہوتا تو کہان فراز ہوتا
ہمہ تن بتون کا جلوہ کہ ہی شکل شوق بتگر — یہ صدائے نے کہان تھی جو نہ نے نواز ہوتا

کعبہ گر مظہر جلال ہوا — دیر بھی مظہر جمال ہوا
طایرِ دل کے واسطے اپنے — دام تھا زلف دانہ خال ہوا

یہان ہی غیر کا کیا ذکر ذکر خیر ہی تیرا — کہ جسکو عرش کہتے ہین مقام سیر ہی تیرا

تم خاک تھے کیون تمکو ملک کرتے تھے سجدہ — اے حضرت آدمؑ یہ ہے احسان محمدؐ
کیا چیز ہین جو ہم بھی ہون مشتاق پیمبر — خود خالق اکبر کو ہے ارمان محمدؐ

یقین ہی کہ بنا لینگے حیدرِ صفدر — بگڑ بھی جائیگی قسمت مری اگر بنکر

جو پایا تو اپنے کو پایا جہان مین — ہُوے جب سے ہم اپنے پانیکے قابل
نہ پایا تو پایا یہ جہان کا نہ پایا — نہین یہ جگہ گھر بنانے کے قابل
ملے گا میرا خاک مین اب یہ خاکا — یہ نقشہ ہُوا ہے مٹانے کے قابل

ہون گرچہ بے نشان ولیکن بچشم غور — ہر شان میری شان ہی جو دیکھتا ہو مین

ہائے ہم کہکر بلے کیسی بلا مین پھنس گئے — ابتدا مین انتہا کی سمجھے ہم کچھ بھی نہین
نفس ہی پہلا قدم اور دوسرا ہی کوے یار — کوئے جانان ای بشر جز دو قدم کچھ بھی نہین

برنگِ بادہ اندر جام ہون مین — اسیرِ گردشِ ایام ہون مین
عجب ڈھب کا معما ہون الہٰا — کہ خود صیاد و صید و دام ہون مین

عشقبازی مین نہین مرنے کا غم　　　موت ہے آخر سبھی کیواسطے

ہین گل بجا ستطلس ہے　　　نہین قالین تو بوریا بس ہے
ہے رُباعی وجود ہر انسان　　　اور جہان صورت مسدس ہے

قالب مین مرے ہم نفس و رُوح نہین ہے　　　اس خانۂ ظلمت مین یہ ہے بادشہ نہ ادی
دنیا سے وفا ڈھونڈھنا اے طالب دُنیا　　　اان ہے نہ خالہ ہے کسیکی نہ یہ دادی
المنۃ للہ کہ بشر کوے صنم مین　　　اس سیل دمادم نے مری لاش بہادی

غزلیات کے بعد متفرق اشعار قطعے، رُباعیان، سلام، مراثی، خمسہ جات، اور متعدد تضمینین درج ہین، ہم صرف ایک دلچسپ قطعہ پر اکتفا کرتے ہین ورنہ طوالت کا خیال ہوتا ہے ؎

وقت گل، سیر چمن کا ہے قصد　　　مژدہ اے دل کہ وطن کا ہے قصد
دید سبزان دکن ہے منظور　　　حیدرآباد دکن کا ہے قصد

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

جزیہ و خراج نمبر ۲

(سلسلہ کے لیے دیکھو پرچہ جون سنہ ۱۹۰۶ع)

سابق مین جزیہ اور خراج پر مراسلہ شایع ہو چکا ہی اوسکی بابت میرا قصد تھا کہ مین اِس مراسلہ کو مشرح لکھونگا لیکن بہت سی ذاتی ضرورتون نی پھر مجھے اسکا بھی وقت اور موقع نہ دیا کہ جسقدر مین لکھہ چکا تھا اوسی کو صاف کرکے بغرض طبع روانہ کرسکتا لیکن ماہ جولائی کے پرچہ مین سخنوران باکمال و نکتہ سنج بیمثال حضرت شوق کی قابل قدر مضمون نے مجھے مجبور کیا کہ مین اِس مراسلہ کو ضرور ختم کرون گو آج بھی مین اوسکے ختم کرنے کا تصفیہ کر چکا ہون لیکن پھر بھی وہی اسباب جو سابق مین تھے بہت کچھہ مجھے مانع ہین سابق مین جزیہ کی بابتہ ہم لکھہ چکے ہین کہ بعد قبول اسلام کسی شخص سی جزیہ نہین لیا جاتا تھا اور یہ قاعدہ صرف اسلام ہی تک محدود تھا۔ مگر جزیہ کے بابت آجکل بعض قومونکا یہ خیال ہی کہ مسلمانونکی ہان یہ سخت جابرانہ علمدرآمد تھا اور اسکے بانی مسلمان ہی تھے اور یہ چیز مسلمانونکی ایجاد کی ہوئی ہی اور کسی قوم نے یہ رقم نہین لی یہ صریحی غلط فہمی ہی اونھین نہین معلوم ہی کہ جنگ قنسرین مین جب خالد بن الولید روانہ کئے گئے ہین تو شہر والون اولاً تو مقابلہ کیا مگر اوسکے بعد قلعہ بند کرکے خود ہی جزیہ کی شرط پر صلح کرلی تھی اسکے بعد جب حضرت ابو عبیدہ نے حلب کی جانب رخ کیا تو اوس وقت سو میدان عرب مین بہت سے قبیلے آباد تھے لیکن خود اُن قبیلون نے جزیہ پر صلح کرلی تھی۔ آبا کی قریب جو کسی زمانہ مین اُس سلطنت کا قدیم اور یادگار مقام تھا۔ یہان کے حاکم نے بھی تھوڑی سے جنگ کے بعد جزیہ پر صلح کرلی تھی۔)

عراق عجم اور رفاؤ وسفان کے باشندون نے بھی لڑنے سے انکار کیا اور جزیہ خود منظور کرلیا تھا طبرستان اور روزبان کے باشندون نے بھی پہلی ہی پیام کے بعد جزیہ پر صلح کرلی تھی صرف فتح اسکندریہ پر جب حضرت عمر نے جواب خط لکھکر سب کو بلا یا ہے تو اوسمین لکھا تھا کہ اونکو اختیار رہے کہ مسلمان ہوجائین یا مذہب پر قایم رہین اگر اسلام قبول کرلینگے تو اونکو وہی تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانون کو حاصل ہین ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیون سے وصول کیا جاتا ہی منجملہ اونکے بہت سے مسلمان ہوگئے اور بہت سے اپنے مذہب پر قایم رہے یہ جزیہ یا خراج جو کچھ وصول کیا جاتا تھا وہ دشمنون سے بچانے کا معاوضہ تھا ۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے حبیب بن اسلمہ سے جو افسر خزانہ تھے ایک موقع پر یہ فرمایا تھا کہ "اسوقت چونکہ ہماری حالت خود نازک ہی ہم کسی کی حفاظت کے ہرگز ذمہ دار نہین ہوسکتے ۔ اسلیے جسقدر رقم بطور جزیہ وصول ہوئی ہو فورًا واپس کردو اور کہدو کہ جزیہ کی واپسی سے ہماری مراد تعلقات ترک کرنے کی نہین ہے۔"

علاوہ اسکے دیگر ممالک کے اقوام مختلفہ نے بھی جنہین نصرانی وغیرہ تو ہین شامل ہین جزیہ کے رقم کو ہمیشہ لیا ہے اور اسلامی تعداد کے مقابلہ مین دیگر تو ہین جو جزیہ لیتی تھین اوسکی تعداد کئی گنا بڑھی ہوئی تھی مسلمانون مین جزیہ کی رقم کا تعین صرف اونھین ممالک کے متعلق تھا جو ممالک اس قاعدہ سے خارج تھے یعنی جنکے فتح کے وقت مخصوص طور پر کسی خاص اتفاق سے جزیہ کی شرطین قرار پاجاتی تھین ورنہ عام طور پر ایک حد معین تھی اور صرف وہ ممالک اوس عام قاعدہ سے مستثنے تھے جنکی فتح کیوقت کسی اتفاقیہ وجہ سے نئی شرایط کے پیدا ہونے کے وجوہ پیدا ہوجاتے تھے، جسطرح کہ حضرت عمرو بن عاص[۵] کے پاس جب مصر کے صلح کا پیغام آیا تو پہلی یہ شرط قرار پائی کہ جو قبطی عام اس سے کہ شریف ہون یا رذیل

[۵] دیکھو تمدن عرب

مگر سمجھدار اور بالغ ہون فی کس دو دینار جزیہ ادا کرین۔ بڈھے اور نابالغ عورتین اس سے مستثنٰے تھے، دوم جسقدر مسلمان اونکے ملک مین آوینگے تین دن تک اونکے مہمان رہینگے، اوسکے علاوہ بہت سی حالتون مین آمدنی اور خرچ کی مقدار پر لحاظ کرکے جزیہ کی رقم تشخیص کیجاتی تھی، چنانچہ ایران مین ایک دینار جزیہ کی شرط مقرر تھی۔

علامہ (جرجی) لسنے لکھا ہے کہ بخران کے رہنے والون سے مسلمانون نے جو رقم جزیہ کی مقرر کی تھی وہ دو مرتبہ کرکے ایک سال مین وصول کیجاتی تھی یہہ دونون قسطین صفر اور رجب کے مہینون مین ٹھیک وقت پر ادا ہو جاتی تھین جسکی پہلی قسط دو لاکھ اسی ہزار درم اور دوسری قسط چودہ ہزار درم کی تھی۔

اذرنخ والون سے جو شرایط جزیہ کے بارے مین طے ہوے تھے، وہ صرف رجب کے مہینے مین سو دینار کی ادائی قرار پائی تھی، اور اسی قسم کی شرایط پر یہودیون نے بھی صلح کر لی تھی۔

ابتدائے عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مین جب تک کہ کوئی قاعدہ مقرر نہ ہوا تھا سوائے امردون کے ہر شخص پر جزیہ مقرر تھا، اور چاندی کے سکہ پر چالیس درم اور سونے کے سکہ پر چار درم، اور خوراک کے لیے ایک ساع گندم (پیمانہ تھا) اور روغن زیتون لیا جاتا تھا، غرضکہ جزیہ کے بارے مین ایک صورت اوسوقت تک قایم نہین تھی اور کسی مذہب اور ملت کی قید نہ تھی مگر مرتد اور بت پرست سے صرف دو شرطین تھین تلوار یا اسلام، لیکن نصارا، یہود، آتش پرست اور مجوس انکے لیے تین چیزون مین سے ایک چیز لازمی تھی، اسلام، جزیہ یا تلوار قرینہ سے معلوم ہوتا ہو کہ جزیہ کی قید لگانیکا مقصود اوسوقت جو کچھ تھا صرف یہ کہ قوم عرب قوم و ..رکی حیثیت سے تیار ہو جائے اور جزیرہ عرب سے بت پرستی کا نشان ہمیشہ

کے لیے نابود کردیا جائے کیونکہ مسلمانون نے جب کسی قوم پر جزیہ مقرر کیا تو عام طور پر موقع۔ وقت۔ حالت اور تعداد کا خیال رکھا اوہ گواری اور نارضامندی کا پہلو ہمیشہ بچاتی رہے اور سختی کے پہلو کو بجائے بڑھانے کے گھٹاتی رہے۔ چنانچہ آج بھی سلطنت عثمانیہ مین نصرانی رعایا سے ایک ٹکس لیا جاتا ہے جسکی غرض یہ ہے کہ فوجی خدمت اون سے کبھی نہ لیجاے' اور اس ٹکس کا نام عسکریہ ہے اور کچھ شک نہین کہ یہ ٹکس بالکل مشابہ جزیہ ہی۔ (باقی آیندہ)

راقم ع۔ ر۔ اثر۔ علوی

غزل

اب وہ آہِ گرم کی شدّت نہین — نالۂ سوزان مین وہ حدّت نہین

ناصحِ مشفق تمھاری کیا سُنین — اپنے نالون ہی سے یان فرصت نہین

لطف سے اپنا ہی گر راضی رہا — لطف کیا، جب غیر کو الفت نہین

قادرِ مطلق اوسی کی ذات ہے — خیر و شر کی اور کو قدرت نہین

میری بھی اصلاح کو ہے بندگی — میری طاعت کی اُسے حاجت نہین

کس کو اُس کے فیض سے بہرہ نہین — کس پہ اوس کی الفت و شفقت نہین

سبزۂ نو خاستہ رخسار گل — کون ہے جو موردِ رحمت نہین

یا شفیع المذنبین فریاد ہے — اب تو توبہ کی بھی یان مہلت نہین

جنت اوس کی دوزخ اوسکی اُسکے ہم — جس جگہ رکھے کوئی حجت نہین

فہمیا! مایوس رحمت سے نہو — رحمت اُسکی ڈھونڈھتی طاعت نہین

دیانت حسین صدیقی مقام بہار

خوش آنکه چو من کون و مکان را نه شناسی
جز بارگه پیرِ مغان را نه شناسی

ای همدم عیسیٰ اگرت عشق نه داری
حاشا که تو این درد نهان را نه شناسی

ما خود ادب آموز تو نوک مژه باشیم
نشتر چه زنی گر رگ جان را نه شناسی

دانی همه رمز دو جهان عارف خودبین
لیکن شکن روئے بتان را نه شناسی

این منزل عشق است که کس خورده نگیرد
آئینِ خرد رسم جهان را نه شناسی

بسمل چه بجا شد که نگه خیره شد امروز
غیر از صنمی تا دگران نه شناسی

واحد علی بسمل کاکوری

هر دل که هوائے کام دارد
ناکامی ازان مدام دارد

از عشق تو نشأتین مست است
این میکده فیضِ عام دارد

گه گوش نهم بجام و گه لب
کز لعلِ لبت پیام دارد

من رفته ز خویش و دل ز دستم
ساقی خبر از کدام دارد

سررشتهٔ اختیار کونین
آن گیسو مشکفام دارد

در پیش رخ تو ناتمام است
حسنے که مه تمام دارد

ای دل نخوری فریب خالش
این دانه هزار دام دارد

از خونِ جگر بدور چشمت
پیمانهٔ ما مدام دارد

گمنام تر از نجیب کس نیست
امروز هر آنکه نام دارد

ابوالخیر محمد نجیب الله نجیب

کھلے بند آئیے کیا آپ ادھر چلمن کے بیٹھے ہین
کہ ہم مشتاق مدت سے رخ روشن کے بیٹھے ہین

نہین ہے خوف ہم کو یا نبی خورشید محشر کا
کہ ہم نیچے تمھارے سایہ دامن کے بیٹھے ہین

رہِ الفت مین رکھنا پھونک کر اپنا قدم اے دل
یہان جو رہنما ہین بھیس مین رہزن کے بیٹھے ہین

خراب آباد عالم پر عجب حسرت برستی ہے
گرے ہین بام و در ڈھکر کہین گھر بنکے بیٹھے ہین

یہ ظالم چرخ میرے قتل کی کیا فکر کرتا ہے
خدا رکھے وہ خود گاہک مری گردن کے بیٹھے ہین

وفور شوق کا اچھا نہین ہے چھیڑنا اون کو
کہ وہ پھر روٹھجائینگے ابھی تو من کے بیٹھے ہین

لگائے ہین ہزارون پودے مین نے گلشن فن مین
جہانین خوشہ چین لاکھون مری خرمن کے بیٹھے ہین

کسی کو قتل کر کے آج آئے ہین نہین جیسے
کوئی دیکھے کہ وہ کسطرح بھولے بن کے بیٹھے ہین

یہی تو دیکھنا ہے کون جی پر کھیل جاتا ہے
گلی مین انکی یون تو سیکڑون تن تن کے بیٹھے ہین

اجل بیمار الفت کی جو آتی ہے تو آنے دین
مسیحا کس لیئے تیوری چڑھا تن کے بیٹھے ہین

نجائیگا کہین دل سے مرے گنجینۂ الفت
نگہبان سیکڑون تیر آپکی چتون کے بیٹھے ہین

مرا دل ہے نہین کچھ درد کے اٹھنے سے بیٹھا ہے
زمانے مین ہزارون گھر یونہین بن بن کے بیٹھے ہین

مزا ملتا تھا اے رب منتین کرنے مین رو رو کر
مناتے اور ہم اونکو ابھی کیون من کے بیٹھے ہین

انھین اکڑو ذرا اے دل مجھے کل زیر خاک جانا ہے
جہان مین تخت شاہی پر جو اکڑ تن کے بیٹھے ہین

تمنا کیا اکڑتا ہے غرور نوجوانی مین
ابھی سب دیکھنے والے تری بچپن کے بیٹھے ہین

تمنا عمادی پھلواروی

یہ سوز آتش الفت خلش یہ درد پنہان کی
ہی کچھ ناگفتہ بہ حالت تری بیمار ہجران کی

حقیقت ہم سے پوچھو زاہد وگلزار رضوانکی
فقط ہی دل کا بہلاوا حکایت حور وغلمان کی

نہ اب وہ دلکی الجھن ہی نہ کثرت درد پنہان کی
ہوا کیا راس آئی تری وحشی کو بیابان کی

دل مرحوم محروم کفن ہی ولے نادارمی
کہ اک دھجی نہین باقی گریبان مین گریبان کی

ذرا اے زمزمہ سنجان گلشن خواب سے جاگو
خبر بھی ہی تمھین پژمردۂ گلہای خندان کی

اکٹھا کر کے ٹکڑے لاش کی قاتل نے کفنایا
ہوئی شیرازہ بندی یون ان اوراق پریشان کی

دل بیتاب سی دریافت کر لو الفت گیسو
حکایت ایک دن سن لو پریشان سی پریشان کی

عجب حسرت سی سوئی جلوہ گاہ طور جاتا ہون
بڑھی ہی آرزو جسدن سے دید روئی جانان کی

تمنائے دل وحشت زدہ صحرانوردی ہو
تقاضائے سر شوریدہ ہو دیوار زندان کی

تغافلہائے بیجا اور دعوائے مسیحائی
خبر تو لیجئے چلکر مریض درد ہجران کی

فدا ہے خلعت شاہنشہی دلق گدائی پہ
حقیقت کیا مری نظرون مین اورنگ سلیمان کی

ہزارون سر فروشان محبت روز جاتی ہین
گئی ہی راہ سیدھی قتلگہ سے باغ رضوان کی

شکایت ہائے بیجا سے نہون لب آشنا ہرگز
دہان زخم دل سی ہو صفت انکی نمکدان کی

جفائے بے محل کا کیا گلہ جب دل ہی قابو مین
نہو تو کیا کرے کوئی شکایت سوز پنہان کی

سویدائی دل عاشق کہ ہو خال رخ خوبان
سیاہی لے اڑے دونون سواد شام ہجران کی

ترا تیر نظر جب کھل چکے تو یہ کھلا ہم پہ
کہین بہتر تھا مرجانا خلش سی درد پنہان کی

کہان تک قید خانی مین رہین کچھ انتہا بھی ہی
اب ای جوش جنون ہی آرزو سیر بیابان کی

ترا حسنِ ملاحت خیز کافی ہی جراحت کو
مرے زخموں کو اب حاجت نہیں ہے تل نمکدان کی

اودہر انگڑائی لیکر وہ اٹھی اُسکے سرہانے سے
دگرگون ہو گئی حالت ادہر بیمار ہجران کی

سنا ہی ہم نے پیر میکدہ سے اس کا افسانہ
ہمیں معلوم ہے خنجر حقیقت باغ رضوان کی

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

ز فیضِ جلوہ حسنت بت آتش عذار من
جہد برق تجلی از رگ سنگ مزارِ من

تو اے چشم و چراغ دیدہ و دل تا ز من رفتی
سیہ تر روزہاے من شد از شبہای تار من

ز کام من سخن رانی تو اے خود کام میدانی
ندارم جز بتو کاروئمی آئی بکار من

بہاران گل کند از خندہاے لعل رنگینش
چمن بالد ز ابر گریۂ بے اختیار من

کفِ پایت ز شوخی کردہ گرم آغوش نقش پا
دم رفتار و دل برقے تپان اندر کنارِ من

کدامی مہروش از خاکساری جلوہ فرما شد
کہ مہ در بر بود ہر ذرۂ مشتِ غبارِ من

شبِ تار است و من در ہجر او تا چشم بکشادم
مگر روز از جہان معدوم شد در روزگار من

دلِ روشن چو شمع و سینہ صاف است فانوسی
ہویدا تر بود پنہان من از آشکار من

درین میخانہ ام تصویر مستی آرزو کردن
سراپا اشکنم گر بشکند رنگِ خمارِ من

ندانم از کدام آئینہ آمد طوطیم خوشخوان
ولیکن اینقدر دانم کہ شعر آمد شعارِ من

دلِ اُمید خون گشت و بجا آمد دو رہیا
کجائی ای بتِ غارت گرِ صبر و قرارِ من

ابوالکمال سید محمد علی اُمید امیٹھوی

وہی کوثر کا ذکر آبیٹھا جب بادہ خوارونمین
الٰہی توبہ کیا واعظ بھی ہی امیدوارونمین

کہامین نے جو حالِ دل تو بولے غیر سے ہنسکر
انھین بھی آج سے لکھ لیجیے امیدوارونمین

نزاکت وہ ادائی اور وہ چھیپی ہوئی چتون
یہ اونکے ڈھنگ ہین جو قتل کرتی ہین اشارونمین

کسی سے رازِ دل کہکر ہم اپنی بات کیون کھوئین
کبھی تو کھل ہی جائیگا اشارونمین کنایونمین

ادائے شرم کم کیا تھی مگر بدنام کرنے کو
فلک بھی ہوگیا شامل تمہاری پردہ دارونمین

ہمارا نام ہی مرزا اسی کوچہ مین رہتی ہین
ہمین بھی یاد رکھنا ہم بھی ہین امیدوارونمین

قدر اہل کرم ہی سائل سے
ہی حسینون کی آبرو دل سے

عشق کی ابتدا ازل سے ہے
شور طوفان اُٹھا ہی ساحل سے

عشق مشکل سبب ضعف مین ہی
کام لینا ہے جذبۂ دل سے

اسقدر بڑھ گیا ہی جنونِ طلب
اُٹھتے پھرتے ہین پہلی منزل سے

کچھ نشان ہین ابھی مزاردن کے
حسرتون کا سراغ ہے دل سے

چاک کرتا ہے دل کو وہ سفاک
آج نکلے گی آرزو دل سے

کیا تڑپنے کا لطف ہی اے دل
اوسکو نفرت ہی رقصِ بسمل سے

منزلِ بیخودی مین ہے مجنون
کام لیلےٰ سے ہی نہ محمل سے

آئینہ سے ہے روبدل
تنگ ہین شوخیٔ مقابل سے

مین وحدت خلافِ کثرت ہی
لطفِ خلوت جدا ہے محفل سے

شمعِ فانوس اوسکی محفل مین
چھپتی کیون ہی اہلِ محفل سے

عشق و عسرت کی لذتین مرزا
پوچھنا چاہیے مرے دل سے

پروفیسر محمد ہادی مرزا

محمڈن یونیورسٹی

اور

اور سرسید موریل فنڈ

ان احسنتم احسنتم لانفسکم

حضرات! اسلامی یونی درسٹی کی تحریک سے یقیناً آپ واقف ہین ۔ سرسید مرحوم جو مسلمانون کے دلی خیرخواہ تھے اور ہماری امراض کے واقعی تشخیص کرنے والے تھے ۔ انھون نے سنہ ۱۸۷۲ع مین مسلمانون کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تھا ۔ کہ اپنا ایک قومی دار العلوم جداگانہ قایم کر کے نوجوان طلبار کو جملہ علوم و فنون کی تعلیم دیجاے ۔ تاکہ وہ عالم باعمل بننے کے ساتھہ ہی قومی محبت ۔ ہمدردی ۔ اور اسلامی اخوت جیسی بیش بہا خوبیون کو اپنی زندگی کا شعار بنائین اور اُس قومی شکستہ عمارت کو از سر نو درست و بحال کرنے مین معماری کا کام دین ۔ ایم اے او کالج علی گڑہ اسی دار العلوم کی تکمیل کا پہلا درجہ تھا اور اب بفضل خدا ۔ قوم کے فیاض طبع بزرگون کی فیاضی کی بدولت یہ دشوار گزار راستہ نصف سے زیادہ طے ہو چکا ہے ۔ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کے بعد اُس کے نیک دل ۔ باہمت شاگردون اور سچے دوستون نے استقلال اور توجہ سے زیادہ کام لیا جنکی اخلاص مندی اور مساعی جمیلہ سے بہت کچھ کامیابی ہوئی اور ہو رہی ہے[عـہ] ۔ پس اسی طرح اگر ہمت مردان مدد خدا پر ہمارا عمل درآمد رہا ۔ تو انشاء اللہ اسی سال کے اندر سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی پیاری امید ۔ اور مرحوم و مغفور نواب محسن الملک کی آرزو کا نورانی چہرہ مشاہدہ مین آوے گا ۔

عــہ محمڈن یونیورسٹی کیلیئے حال مین ہز ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال نے ایک لاکھہ کے گرانقدر عطیہ سے امداد فرمائی ہی - ہز ہائنس - سر آغا خان بہادر بالقابہ نے ایک لاکھہ کی عطیہ کا وعدہ فرمایا ہے اور اسی سنہ ۱۹۱۱ع مین محمڈن یونیورسٹی کی تکمیل (ہندوستان مین ملک معظم کے جلوس فرمانیکی یادگار مین) قرار پائی ہے - اسمین جو غیر معمولی کوشش و سرگرمی ہز ہائنس ممدوح فرمارہے ہین اسکے لئے تمام قوم ہمیشہ انکی ممنون رہیگی -

یونی ورسٹی کی تکمیل کے لیے چار لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کی ضرورت ہے جس مین سے دو لاکھ روپیہ سالانہ کا انتظام ہو چکا ہے۔ یعنی ایم۔ اے او کالج علی گڑھ کی دو لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی موجودہ صورت مین ہی اب اتنی بڑی کثیر التعداد اسلامی۔ جس مین سے بعض افراد لاکھون کے مالک ہین اور بعض کی کروڑون کی جائداد اور ثروت ہے۔ صرف دو لاکھ سالانہ کی اور درخواست ہے قرآن کریم پکار پکار کر سنا رہا ہی ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر وا ما بانفسھم (یعنی خداوند تعالی کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ پس ہر فرد و بشر اہل اسلام کا فرض ہے۔ کہ علی قدر مراتب اور حسب حیثیت اس قومی بوجھ کے اٹھانے مین پورا زور لگا دے جو شخص ایک روپیہ اس مشترکہ کار خیر مین دے سکتا ہے۔ وہ ایک روپیہ دے اور جو ایک سو روپیہ عنایت فرما سکتا ہے وہ ایک سو عنایت فرمائے اور علی القیاس جو ایک لاکھ روپیہ دینے کی وسعت رکھتا ہو وہ ایک لاکھ عطا فرمائے۔ تکمیل یونیورسٹی کیلیئے تین لاکھ کی ضرورت کافی سمجھی گئی ہی

حضرات محض خواہش سے کوئی کام نہین بن سکتا۔ بلکہ خواہش کے بعد عمل کی ضرورت ہے۔ اور علی ہمدردی اور حاضر الوقت امداد قوت صرف اسی قدر درکار ہی کہ جسقدر روپیہ کوئی صاحب خود دے سکتے ہین یا اپنے عزیزون خویشون اور دوستون سے دلا سکتے ہین۔ اسکے دینے دلانے مین توقف نفرماوین اور فاستبقوا الخیرات کو عمل مین لائین۔ ہم جرأت سے کہتے ہین کہ بمصداق آیت کریمہ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ اُن کا یہ نیک عمل ہرگز ہرگز ضایع نہوگا۔

بلکہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے وہ ایک کے صلہ مین سات سو کا مستحق ہوگا
جیسا کہ ہم قرآن کریم مین پڑھتے ہین! مثل الذین ینفقون اموالہم
فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مأتہ
حبہ واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم یعنی جو لوگ
اپنے مال اللہ کی راہ مین خرچ کرتے ہین انکی مثال ایک دانہ کی ہے
جو سات بالین پیدا کرتا ہے جس کے ہر بال مین سو دانے ہوتے ہین
اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے۔ اُسے بھی دگنا کر دیتا ہے۔ اللہ عام
اور وسیع بخشش کرنیوالا ہے اور ہماری نیتون کا جاننے والا ہے۔!

اس تمہید کے بعد اب مین پھر آپ سے عرض کرتا ہون۔ کہ آپ
اسلامی یونی ورسٹی کے لیے فراہمی چندہ مین امداد دیجیے۔ یعنی جو کچھ
خود عطا فرما سکتے ہون عطا فرمائیے اور جس قدر اپنے دوستون اور عزیزون
اور بزرگون سے فراہم کر سکتے ہین۔ اُس کے لیے ہم سے سر سید موریل فنڈ
کی رسید بہیان طلب فرمائیے اور روپیہ جمع کیجیے؛

آخری دعا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کی ہمتون مین برکت۔ سینون
مین کشادگی اور ارادون مین استقلال عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار

عبد اللہ

آنزیری سکرٹری سر سید موریل فنڈ
محمڈن ایجوکیشنل کالج علیگڈہ

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کی برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھتیس برسون سے ہندوستان مین استعمال کیجاتی ہے۔ اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور سب قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجیے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیرون کو مار دیتی ہے اسلیے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی اور تلی گھٹاتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴؎ محصولڈاک ۶؎ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸؎ قیمت چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸؎ محصولڈاک ۵؎ دو شیشی تک چھ آنہ ۶؎

جناب دیہن راج گوپال بھا ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول بیلا گاؤن کالیا برا سے لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنے دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دے رہا ہون بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہین بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہے مفصلات کے غریب آدمیون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہے جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول منڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوے جناب بابو لچھمین نراین اسسٹنٹ ماسٹر سکندہ راؤ علی گڈہ سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہین دو شیشی تاب تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون بعض اچھے ہو گئے۔ جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچگئی آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ دی۔ تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہے۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا ازبسکہ شکر گزار ہون جناب کالی رام نند برہمن بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہان تک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور سے لکھتے ہین مین آپکا ازبسکہ شکریہ ادا کرتا ہون کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ صرف دو یوم مین جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ - ۶ تاراچند راسٹریٹ کلکتہ

مطبع ... اپنی الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

جامِ رست جہان نماے ہر صفحۂ درین

۱۳۲۷ھ

النّاظر



فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی - مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۱   یکم مارچ سنہ ۱۹۱۱ء   جلد ۴

النّاظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہو کر

دفتر رسالۂ النّاظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو
یا زہر سے۔ کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہی
ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہے اس لیے غیر خالص
پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہے جتنا غیر خالص ہوا سے
تندرستی اور زندگی کے لیے ہوا کے بعد پانی
کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانے مین اسٹیم انجن سے پانی تیار
ہوتا ہی اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار
ہو ہر وقت مل سکتا ہی۔

حضرت گنج متصل حق موڈ کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنس
حضرت گنج لکھنو

الناس باللباس

مثل مشہور ہی "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" اور کپڑے کی
ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہی۔ ہمارا کارخانہ
پبلک کی خدمت ۱۸۷۶ء سے کر رہا ہی۔ ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہے
صرف فرمایش کی دیر ہی جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ
زنانہ ولایتی یا ہندوستانی کسی طرز فیشن۔ یا وضع کی
ہم نہایت کفایت اور خوبی کیساتھ تیار کر دینگے۔ آزمایش کر لیجیے
خدا سے امید ہی آپ خوش ہونگے۔ پیمایش کا فارم اور کپڑونکے
نمونہ طلب فرمائیے۔ **قطب الدین منیجنگ پروپرائٹر**

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق — سامان صد ہزار نمکدان کیئے ہوے

دی فونو اکسچینج۔ لکھنؤ۔ متصل کوتوالی چوک

پاتھی فون گراموفون۔ راماگراف اوڈین بیکا جیمبر آ پرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین — کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

لوکل اور بیرونجات کے خریدارون کی آسانی کے لیے خوش گلو ویونکی تین ہزار دو سو مختلف گانونمین سے بہتر ریکارڈونکا انتخاب
لکھنؤ مین صرف ایک یہی مرکز ہی جہان ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ مل سکتے ہین۔ ہر ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا
موازنہ اور جانچ اور اسی مقام پر آزادی سے ہو سکتا ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف
ہین اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہی خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمایش گاہ مین تشریف لا کر ہمارے مختلف ساخت
کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشینین اور رنگ برنگ کے خوشنما فلاور ہارن ملاحظہ فرمائیے ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین۔ ہارمونیم۔
پیانو اسٹیل ٹرنگ گیس لائٹ بلب کیش بکس جاپانی منی بیگ صابن صوپ کوتھ پاؤڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہین **منیجر دی فونو ایکسچینج**

فہرست مضامین



الناظر

نمبر ۲۱ جلد ۴ یکم مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

ہزہائنس سر آغا خان بالقابہ

لکھنؤ مین

مسلم یونیورسٹی کی تحریک کے متعلق ہزہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ کا ۵ فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو ہمارے شہر مین تشریف لانا ایک ایسا واقعہ ہے جو غالباً عرصہ تک یاد رہیگا، جس جوش و خروش کے ساتھ اودھ کے دار السلطنت مین انکا خیر مقدم کیا گیا، اور جس فیاضی اور روشن خیالی کا اہل اودھ نے اس موقع پر ثبوت دیا اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ مسلمانان اودھ مین زمانہ حال کی تعلیمی ضروریات کے متعلق کس قدر بیداری پیدا ہوگئی ہے۔

اسی روز سہ پہر کو عالی جناب سر تصدق رسول خان بالقابہ تعلقدار جہانگیر آباد کی جانب سے گارڈن پارٹی تھی، جس مین تمام مسلمان رؤسا و تعلقداران و تجار کے علاوہ اکثر ہندو اصحاب بھی مدعو تھے، اور اس دعوت مین عجب چہل پہل معلوم ہوتی تھی۔

گارڈن پارٹی سے رخصت ہوکر شام کو قیصر باغ کی سفید بارہ دری مین ایک جلسہ مسلم یونیورسٹی کے لیے چندہ جمع کرنے اور اُس کی بابت عام مسلمانون مین صحیح خیالات کی اشاعت کے واسطے ایک صوبہ کی کمیٹی قائم کرنے کی غرض سے بصدارت ہز ہائنس سر آغا خان بالقابہ ہوا، اور باتفاق آرا یہ قرار پایا کہ "ایک کمیٹی بغرض تکمیل مسلم یونیورسٹی متعلق صوبۂ اودھ قائم کی جائے، جس کے پریسیڈنٹ و سکرٹری و ممبران حسب ذیل حضرات ہون۔

پریسیڈنٹ، آنریبل راجہ سر تصدق رسول خان صاحب بہادر کے، سی، ایس، آئی، تعلقدار جہانگیر آباد۔

آنریری سکرٹری، آنریبل راجہ سر علی محمد خان صاحب بہادر، کے، سی، ایس، آئی، تعلقدار محمود آباد

ممبران

نوٹ

تخمیناً تین سو یا اثر حضرات اودھ کے کل بارہ ضلعوں سے بطور ممبر منتخب ہوے جنکے اسماء گرامی اس مقام پر نام بنام درج کرنے سے بخوف طوالت احتراز کیا جاتا ہی۔

اس جلسہ مین ہمارے شہر کے نامی گرامی شاعر مولانا سید علی نقی صفی نے ایک فارسی قصیدہ کا کچھ حصہ سنایا تھا، جس نے سامعین پر تھوڑی دیر کے لیے ایک حالت وجد طاری کردی تھی، یہ قصیدہ باجازت ہز ہائینس نیلام کیا گیا، اور ہمارے شہر کے نامور رئیس اور قدردان اہل علم وہنر بزرگ منشی احتشام علی صاحب نے مبلغ پانچسو روپیہ کو خرید کیا، اور اس طریقہ پر یونیورسٹی فنڈ مین اتنی رقم کا اور اضافہ ہوا،

۶ر فروری کی شب کو آنریبل راجہ صاحب محمود آباد بالقابہ کی جانب سے لکھنؤ کے معزز مہمان کی ایک شاہانہ دعوت ہوئی اس جلسہ میں چونکہ تمام علماء عظام اور مجتہدین کرام اور شاہزادگان و نواب زادگان بالجملہ تقریباً سو آدمی مدعو تھے، اسوجہ سے کھانا سب ہندوستانی قسم کا تھا اور نشست بھی فرش کی تہرگئی تھی، دعوت بھی عجب پُرلطف دعوت تھی ہز ہائینس سر آغا خاں بہ القابہ ایران کی شاہی زرانی کلاہ اور قبا زیب بر کیے ہوئے تھے اور اُس سچے اسلامی اخلاق اور انکسار کا نمونہ بنے ہوسے تھے جس کی صورت مدتہائے مدید کے بعد کہیں نظر آجاتی ہی، اُنکے جادو بھرے لطف گفتگو اور بے تکلفانہ طرز عمل نے ایک عجیب سما ہی پیدا کردی تھی، ہر شخص گرویدہ اور اسیر اخلاق ہو رہا تھا، اور حالانکہ پہلے سے متعلق اسکا خیال نہ تھا کہ اس دعوت میں چندوں کا اعلان ہوگا، مگر سر راجہ صاحب بہادر محمود آباد پر کچھ ایسا اثر تھا کہ اُنھوں نے اپنے اور سر راجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد کی جانب سے ایک ایک لاکھ روپیہ کے فیاضانہ عطیہ کا اعلان کرکے ایک ایسے سلسلے کو شروع کردیا جسکی انتہا چند گھنٹوں میں تین لاکھ سے اوپر پہونچکر رہی ان چندوں میں سب

سے زیادہ قابل بیان اور قابل قدر وہ پانچسو روپیہ کی رقم ہے جسکے عنایت فرمانیکا مولانا مولوی حاجی حافظ محمد عبدالباری صاحب فرنگی محلی مدظلہ العالی نے اعلان فرمایا اور اس طریقہ پر طبقہ علما کی کامل ہمدردی کا یقین دلایا، ہمکو جناب مولانا موصوف کی روشن خیالی سے ایسی ہی اُمیدیں ہیں، خداوند کریم انکو ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے، اور ہماری ہدایت ایسے ہی علماء کے ہاتھ میں رہے جو تشکوک، تنگ خیالیوں اور قدامت پرستی اور ضد سے مبرا ہوں ۔ اور قوم کی سچی ہمدردی کو اپنا فرض اور شعار تصور کریں ۔

۷ فروری ۱۹۱۱ء کی سہ پہر کو ہز ہائینس موٹر پر معہ چند حضرات لکھنؤ کے کانپور تشریف لیگئے تھے جہاں ایڈرس سنا تقریر فرمائی، گارڈن پارٹی میں شریک ہوئے، حافظ محمد حلیم صاحب تاجر چرم سے پندرہ ہزار روپیہ کے عطیہ کا وعدہ حاصل کیا اور شام ہی کو واپس آکر، بلا کسی تکان و زحمت کا خیال کیے ہوئے ایک جلسہ عام مسلمانان لکھنؤ کے صدر نشین ہوئے اور ایک لاجواب اور پُر مغز تقریر میں مسلم یونیورسٹی کی ضرورت اور اُسکے فوائد کو زبان انگریزی میں بیان فرمایا جسکا خلاصہ اُردو زبان میں جناب منشی سخاوت علی صاحب مالک رسالہ ہذا نے باجازت ہز ہائینس اُن حاضرین کی فائدہ کے واسطے بیان کیا جو انگریزی نہ سمجھ سکتے تھے ۔ اسکے بعد جناب منشی احتشام علی صاحب جناب نواب سید شہنشاہ حسین وکیل اور ملک بہار کے جادو بیان واعظ پھلواری شریف کے باکمال سجادہ نشین مولانا شاہ سلیمان صاحب مدظلہ نے وہ داد فصاحت و سحر طرازی دی کہ اُسی وقت اُنیس ہزار روپیہ کے قریب چندہ ہوگیا، جسکی فہرست اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اس لیے اُس کا اعادہ غیر ضروری سمجھکر ہم قلم انداز کرتے ہیں، امید ہے کہ ادھر سے بہت جلد پانچ لاکھ روپیہ کی رقم جمع ہو جائے گی ۔



فطنت

(نمبر ۱)

جن لوگون نے موجودات اور موجودات کی قدرتی تقسیم پر کامل غور کیا اور فلسفیانہ نظر سے دیکھا ہے وہ اس نتیجہ پہ پہنچے ہین کہ

اگرچہ موجودات کا ترتیبی سلسلہ اور نظامی مرحلہ ایک ہی قانون کے تابع اور ایک ہی ضابطہ کے ماتحت معلوم ہوتا ہے اور ایک سلسلہ دوسرے سلسلہ سے کچھ نہ کچھ ترتیبی یا نوعی نسبت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی اس مین تباین ہے، گو قانون توافق کے ماتحت ان سب سلسلون مین مطابقت پائی جاتی ہو اور گونہ اتحاد بھی موجود ہوتا ہے مگر دو چیزون یا دو وجودون مین نظام خلقت کے اعتبار سے مشابہت تام کسی صورت سے نہین تسلیم کیجاتی۔

قانون توافق کے ماتحت شخصی تجربون سے اغراض کا اشتراک ہو جاتا ہی مگر مشابہت تام نہین ہوتی، اور اغراض کی یکسانیت افراد نوعی کی یکسانیت کی مستلزم نہین۔

یہ امر اگر مان بھی لیا جائے کہ کبھی کبھی یا بعض حالتونمین دو چیزون مین ایک قسم کی نسبت ہوتی ہو تو اسے ہم مشابہت تام نہین کہہ سکتے، کیونکہ مشابہت تام کی تعریف ایک قسم کی نسبت پر صادق نہین آسکتی، دو چیزون مین ایک ہی نسبت کا پایا جانا کبھی کبھی بعض کیفیتون کی اسمی قربت کی جہت سے ہوتا ہے۔

علمی حیثیت سے مشابہت تام کی تعریف اسمی نسبت سے جداگانہ ہے، اسمی نسبت مین اکثر اوقات نوعی نسبت کا عکس ہوتا ہے جو اپنی نوع کے تمام

افراد پر حاوی سمجھا جاتا ہے اور مشابہت تام باعتبار اپنی تعریف کے لیے افراد مختلف پر محیط نہین ہوتی، بلکہ محض اپنے ذاتیات پر وہ محیط ہوتی ہو، جب ایک شے دوسری شے سے ذاتیات اور اوصاف مین پوری مشابہت رکھے تب وہ مشابہت تام ہے بعض اجزا مین اگر مشابہت ہوا ور بعض مین اختلاف تو اس نسبت کو نسبت ناقصہ کہین گے۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ ان دونون اعتبارات سے مشابہت تام کیا ہو؟ ایک شے کا دوسری شے سے عوارض اور لوازم مین ایسا مشابہ ہونا کہ اُسکا اس پر اطلاق ہوسکے اور اسکا اُسپر تقریبًا محال ہو، کیونکہ جب ہر شے قدرتًا دوسری شے سے خلقی مغایرت رکھتی ہو اور محض اسی مغایرت کی وجہ سے اسکی ہم تمیز کرتے ہین تو یہ کسطرح کہا جائیگا کہ ان دونون مین ایسی نسبت موجود ہے، جس سے انھین دراصل ایک شے قرار دے سکین،

اگر بعض عوارض یا کسی ذاتی جز و مین کسیقدر مشابہت پائی بھی جاوے تو دراصل مشابہت تام کے اصل معنون مین وہ نہین استعمال کیجاسکتی بلکہ ایک قسم کا نسبتی تشابہہ ہوتا ہے،

جب کبھی ہمین محسوس ہوتا ہو کہ ہماری کوئی حالت یا کوئی چیز اور کوئی کیفیت جسے ہم خیال مین لارہے ہین کسی دوسری حالت یا چیز اور کیفیت سے کوئی نسبت رکھتی ہے، عام اس سے کہ ایسی نسبت محض خیالی ہو یا بوجہ کسی نسبتی قرینہ کے اُسمین کوئی اصلیت بھی ہو، تو ہم مجازًا کہد تیے ہین کہ کسی دوسری حالت یا چیز اور کیفیت سے مشابہ ہے، اور یہ امر ہم اسواسطے کہدیا کرتے ہین

کہ اس سے زیادہ سادہ تر عبارت مین ایسا ذہنی یا خیالی مفہوم ادا نہین ہو سکتا۔
کوئی شخص درستی یا غیر درستی سے حقیقتاً یہ نہین بتلا سکتا کہ دو چیزون مین باعتبار حقیقی
معانی کے کیا کچھ مشابہت ہے۔ یا یہ کوئی نہین کہ سکتا کہ ایک چیز کا دوسری کے
مشابہ ہونا کیا مفہوم رکھتا ہے کیونکہ ایسے ناممکن الاظہار تجربہ کو ہر شخص بجاے
خود محسوس تو کرتا ہے۔ لیکن۔ اورون پر اسکے اصلی مفہوم کا اظہار اور وضاحت
نہین کر سکتا۔

جب ایک انسان ایک شیر سے بہادری مین نسبت دیا جاتا ہی تو دراصل
یہ ایک نسبت ہی ہوتی ہے اصل مفہوم مین مشابہت نہین ہوتی کیونکہ انسان
کی شجاعت اور شیر کی بہادری مین باعتبار طرز عمل کے دراصل کوئی مشابہت نہین
بے شک بعض اوقات بچے یا اور لوگ بعض اشیا یا پتون اور ذایقون
مین مثلاً دہاری دار گھاس یا سہ برگی کے دو پتے یا کھٹے اور میٹھے ذایقہ مین
جو ایک دوسرے کے ہو بہو مشابہ ہو نسبتی مشابہت ڈہونڈ ہکالتے ہین
لیکن اس نظام قدرت مین دو ایسے افراد جو باہم بہمہ وجوہ مشابہہ ہون
کبھی دریافت نہین ہو سکتے۔

اجسام کی قدرتی بناوٹ اور پھر اجسام یا حصص زندگی کے وہ تغیرات
جو ہر معقول اور مقررہ وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتے رہتے ہین ہمیشہ ایک جسم کو
دوسرے سے جدا کرتے جاتے ہین، نہ دوسرون ہی کو بلکہ انکی اپنی ہیئت بھی
بدلتی جاتی ہی علم النفس د القوئے کے ماہرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش
کی ہی کہ سن بلوغ کو پہونچے ہوئے اشخاص کے جسمون مین سے آج تک

دو جسم بھی ایسے نہین پائے گئے جن مین بعد مشاہدہ بلیغ بھی بہت سے فرق و اختلاف معلوم نہ ہوئے ہون احساس مرحلہ سے انہون نے اسبات کا بھی فیصلہ کر دیا ہی کہ بعینہ یہی حال نفس ناطقہ انسانی کا ہے۔

ہر ایک چشمۂ روان کا رنگ نرالا اور جدا گانہ ہوتا ہی اور ان افرادی حالات اور کیفیتون کی ماہیت اور تواتر کی ترتیب جن سے کہ وہ چشمۂ روان بنتا ہے ہر ایک دوسرے چشمۂ روان سے انوکھی اور مختلف واقعہ ہوتی ہے بالتحقیق دو نفوس کی نشو و نما کبھی بالکل مشابہ طریق پر نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے اسمین کلام نہین کہ ذہنی حالات اور کوایف کے اعتبار سے بعض فرد دیگر افراد سے زیادہ تر قریب ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی خیالی یا ذہنی انوکھی مشابہت رکھتے ہین جن سے کہ انکی جماعت بندی ہوتی ہے کیونکہ جو نفوس ایک سلسلۂ جماعت مین داخل ہوتے ہین ان مین کچھ نہ کچھ نسبت اور قرابت پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ جو نفوس ایک سلسلۂ جماعت مین ہین وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہین۔ یہ جماعت بندی قانون موانست کے ماتحت ہوتی ہے قوانین موانست کیا ہین وہ امور یا وہ قوانین ایمائیہ جن سے یا جن کے ماتحت خیالات ایک دوسرے کا ایما کرتے ہین تمام ذہنی زندگی اصول ایمائی کے ماتحت رکھی ہی۔ کیونکہ نہ صرف خیالات ایک دوسرے کا ایما کرتے ہین بلکہ نظارے۔ صدائین۔ ذایقے خوشبوئین وغیرہ بھی خیالات کا ایما کرتی ہین۔ مثلاً کسی پھول کو دیکھی سو وہ باغ یاد آجاتا ہی جسمین وہ اول اول دیکھا گیا تھا۔ کوئی خوشبو اس دوست کی یاد دلاتی ہی جسکی پوشاک سے

یہ بھینی بھینی خوشبو کبھی آئی تھی، اسی اصول ایمائی سے دو چیزوں اور دو کیفیتوں مین مشابہت یا ایک قریبی نسبت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہی حقیقی مشابہت کی ہی، لیکن اس سے ہم کبھی یہ نتیجہ نہین نکال سکتے کہ دو چیزین یا دو طاقتین یا کسی طرح کے دو وجود صحیح معانی مین ایک دوسرے کے مشابہ واقعہ ہوتی ہین - اگر ہم یہ مان لین تو ہمین قوانین خلقت کی عملی حالت سے دور ہٹ جانا پڑے گا، کیونکہ ہمارے سامنے جو سلسلہ موجودات کا موجود کیا گیا ہے اسکے دو قسم صحیح معنون مین کوئی مشابہت تامہ نہین رکھتے، ہان اصول ایمائی کے باعث ایک نسبت یا ایک قربت بہ معنے مشابہت موجود ہوتی ہی جسے ہم اجسام اور اذہان دونون مین بغور و بتعمق محسوس کر سکتے ہین، یا ہمین محسوس ہوتی ہی -

جیسے اجسام ابدان اور اُنکی کوایف بہ حیثیت اجسام و ابدان ایک دوسرے سے مختلف ہین ایسی ہی اذہان قوے اور ان کے احساسات اور کیفیتین ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہین - عام اس سے کہ ایسا اختلاف اور تباین کس مقدار مین ہو

گو ہم یہ مان لین گے کہ مصنوعی اشیا مین انسان ایک قسم کی کامل یا تام مشابہت محسوس کرتا ہے، لیکن یہ نہین مانا جا سکتا کہ قدرتی اجسام اور کوایف مین کوئی ایسی مشابہت موجود ہے، انسانی مصنوعات مین بعض وقت اسلیئے بھی مشابہت ہوتی ہے کہ ہم خود انھین ایک دوسرے کے مشابہ بناتے ہین، اور ہمارے حیز قدرت مین اسباب صنعت بہت کم ہوتے ہین لیکن صانع حقیقی یا قدرت اسباب کی محتاج نہین اور نیز یہ کہ اُسکا اصول خلقت ہی پہلو سے تفنن اور تشتت و تباین لیئے ہوئے ہے انسان کے مصنوعات اصلی ترقی کے حامل نہین

ہین لیکن قدرتی خلقتین وہی غرض رکھتی ہین اس حالت مین لازمی تھا کہ انکی تخلیق و تکوین ایسے اصول پر واقعہ ہو جس سے یہ اغراض حاصل ہوسکتین ان مین ایسا اختلاف ہو جو جداگانہ اجتہاد کے لیے مناسب پہلو رکھتا ہو۔

فرض کرو کہ

دنیا مین اسوقت سب افراد ایک ہی شکل ایک ہی قوت اور ارادہ کے ہین و اُن کے اغراض اجتہاد یہ بھی ایک ہی قسم سے ہین۔

وہ سب کے سب ایک ہی منزل کے سالک ہین۔

کیا ان حالات مین دنیا ترقی کرسکے گی اور کام چل جائے گا اور لوگ آرام و آسایش سے رہ سکینگے۔

اگر صحیح نتیجہ پر پہونچکر جواب اسکا دیا جاوے تو یہی کہنا پڑیگا کہ موجودہ نظم و نسق باقی نہین رہ سکتا اور ایک ہی دم مین طلسم انسانی تمدن اور آئینہ معلومات صدمہ دل شکن سے چکنا چور ہو جائے گا۔

مدارج اور مراتب کے اختلاف سے ہی دنیا کا کام چل رہا ہے اگر ایک حکومت مین سب بادشاہ ہی ہون یا سب رعایا تو کسطرح سیاسی ضابطہ چلے گا۔ اگر ایک گھر مین سب لوگ فرض کرین کہ ایک ہی شکل اور شباہت کے ہین تو کون شخص ان مین تمیز کرسکتا ہے اور کس طرح اس گھر کا انتظام چلنے کی امید کیجا سکتی ہے۔

مشابہت کی بحث مین مساوات کی بحث بھی کی جاتی ہے بعض لوگ یہہ کہنے کے عادی ہین کہ

وہ قدرت مساوات قایم کرتی ہے۔

موجودات مین مساوات ہے۔
مساوات کا قایم رکھنا لازمی ہی"

بیشک ایسے خیالات اخلاقی جہت سے قابل تعریف ہین لیکن یہ صرف خیال ہی خیال ہین، ان کا عمل مین لانا، ان کا پورا کرنا اور ان کا اثبات نسبت مشابہت کے ثابت کرنے کے مقابلے مین بھی مشکل ہے۔

ہم یہ سوال کر سکتے ہین کہ
قدرت کس قسم کی مساوات قایم کرتی ہی۔
موجودات مین کیا اور کہان مساوات ہے۔
مساوات کا قایم رکھنا کیون لازمی ہے۔

ان مین سے ایک سوال کا جواب بھی کسی پہلو ان کے ماتحت نہین دیا جا سکتا، قدرت نے مساوات کا سوال ہی نہین اُٹھایا بلکہ اسکا دہانہ ہی بند کر دیا ہے۔ کیا قدرت نے سلسلۂ قدرت مین کوئی مساوات رکھی ہی؟
یا ہمارے سامنے جو موجودات پائی جاتی ہے اس مین کوئی مساوات ہے یا ہم مساوات قایم رکھکر کامیاب ہو سکتے ہین۔؟
ہر ایک سوال کا جواب نفی مین ہوگا۔
مساوات کے لیے کن ارکان اولیات کا تساوی ہونا ضروری ہی۔
(الف) جوہر خلقت
(ب) مرجع خلقت
(ج) اسباب خلقت

(د) آن خلقت

(ہ) نوع خلقت

(و) نسبت خلقت

(ز) حقیقت خلقت

(ح) غرض خلقت

(ط) کیفیت خلقت

(ی) ذاتیات خلقت

(ک) عوارض خلقت

(ل) افعال خلقت

(م) اجتہادات خلقت

(ن) احساسات خلقت

اس قسم کے اور بھی چند امور جز و لستادیت ہین کیا ان سب مراتب مین کوئی دو فرد یا کوئی دو چیزین مساوی ہوسکتی ہین عمل تتبع با وجود اسقدر وسعت کے اسکی تصدیق نہین کرتا ایک منٹ کبھی یہ نہین کہسکتا کہ مین باوجود منٹ ہونے کے دوسرے منٹ کے ہر حیثیت سے مساوی ہون بے شک مقدار وقت مین مساوی ہی لیکن انقضاے اور کیفیت انقضاے وقت اور تقدم اور تاخر مین مساوی نہین ایک انسان بہ حیثیت انسان نوع انسان مین داخل ہوکر دوسرے انسان سے مساوی النوع ہے لیکن اور مراتب مین بالکل مختلف ہے -

جب عوام الناس مقادیر خلقت کی نسبت بحث کرتے ہین تو اسکا نام بحث مدارج اور تشخیص مراتب ہوتا ہے اور جب ایک محقق بحث کرتا ہو تو اسوقت اُسے تحقیق تدقیق یا تنقید امور تاثیرین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسی تنقید کے کسی ایک مراحل اور مدارج ہین ہر مرحلہ قابل بحث ہے اور ہر درجہ تنقید چاہتا ہو۔

جسمانی تحقیق اور تنقید بمقابلہ ذہنی تنقید کے آسان اور سہل ہو ذہنی تنقید مین بہت سے مشکلات عائد ہونے کا اندیشہ رہتا ہے ذہنی مراحل کی تقسیم اور تفرید بہت باریک ہے اسکے تمام اجزا ایسے موقوع ہین سے فطنت ایک ایسا جزو شریف اور ممتاز حصہ ہے جسے تمام دیگر حصص کا نچوڑ یا خلاصہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔

فطنت کیا ہے؟

لغت مین لفظ فطنت کے معنی زیرکی اور دانائی کے ہین۔

اصطلاح مین فطنت سے وہ سواد یا قوت ذہنی مراد ہے۔

جو بعض انسانون مین علی قدر مراتب باعتبار زیرکی، زود رسی، احساس، و ذکا فہیدگی اور قدرت مدرکہ کے پائی جاتی ہے، اور جو ہر ایک ایسے بعض انسانون مین مختلف مقدار اور حیثیت مین ہوتی ہو جس کی وسعت اور مقدار و احساس اور ذکاوت کے اعتبار سے ایسے انسان دوسرے انسان سے بالخصوص تمیز دیئے جاتے ہین۔

اور جب کوئی ایسا ممتاز شخص ان اعتبارات سے علوم نفیسیہ اور کمالات

عالیہ مین باعتبار ترشد وہبی یا ترشد کسبی فضیلت اور کمال کا اظہار کرتا ہے، اور اسکا ایسا کمال بہ مطابقت اپنے خاص مقدار کے بہ حد انتہائی پہنچ جاتا ہے، تو تو اُسے فطنت سے تعبیر کرتے ہین، اسکی تشریح مین بعض نے

یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ "چونکہ تمام علوم نفسیہ فن شاعری اور فلسفہ وحکمت کا اصول ایک ہی ہی، جب یہ انتہا کو پہونچتے ہین تو ان کا نام فطنت ہو جاتا ہی"۔

چونکہ ان تمام علوم کا باہمی تعلق بہ قول حکیم افلاطون ضمیر سے ہوتا ہے اور ضمیر ہی ان کا حامل ہی، اور ضمیر ہی کے ذریعہ سے ان کا اظہار ہوتا رہتا ہی، اس واسطے یہ ایک فطنت ہے، بعض نے یون بھی کہا ہی کہ "ظاہری ادراکات کا صحیح قوائے ذہنی کے مطابق ہر طرح سے پختہ اور مکمل ہو جانا اور ان کا دل سے پیدا ہونا اور دل پر بھی اثر کرنا اور قدرت متخیلہ کا صفائی سے کام دینا ایک فطنت ہے"، بعضون نے ان ان الفاظ مین تعریف کی ہی۔

"فطنت ایک طبعی خاصہ ہی جو بعض انسانون مین بہ حد کمال ہوتا ہے جب وہ طبعی خاصہ حد انتہا یا لفظ انتہا لیئے ہوئے ہو تو اُسوقت کہا جاتا ہی کہ

فلان شخص صاحب فطنت ہے"!

اس گروہ کے خیال مین جن لوگون مین یہ خاصہ بہ حد انتہا نہین ہوتا وہ صاحب فطنت نہین ہوتے۔

ہان انھین صاحب عقل اور صاحب دانش کہا جا سکتا ہے، عقل اور دانش یا ادراک کوئی اور حالت ہے اور فطنت کچھ اور ہے کثرت رائے اسی پر ہی کہ۔

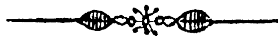
"صاحب فطنت خاص خاص اشخاص ہوتے ہین اور یہ ایک طبعی خاصہ ہے"

ہر ایک شخص صاحب عقل اور صاحب ادراک و دانش ہونے کے باوجود بھی صاحب فطنت نہین ہو سکتا لیکن ایک صاحب فطنت عقیل اور دانشمند اور مدرک بھی ہوتا ہی جسطرح بعض خلقتین شعور تو رکھتی ہین مگر صاحب عقل وتمیز نہین ہوتین اسی طرح عام انسان عقیل اور دانش مند تو ہوتے ہین لیکن فطنت کا طبعی خاصہ نہین رکھتے۔

عقل اور دانش ہر دماغ مین بمقدار مختلف پائی جاتی ہی لیکن فطنت کے تاج سے کوئی سرہی زیب و زینت دیا جاتا ہے ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل رکھتا ہے لیکن ہر شخص فطنت نہین رکھتا یا عام فہم الفاظ مین یون بھی ادا کیا جا سکتا ہی کہ ہر شخص معمولی عقل و دانش اور ادراک رکھتا ہے۔

لیکن اعلیٰ اور نفیس یا لاجواب کسی کسی کی ہی عقل ہوتی ہی ایک حکیم نے مختصر الفاظ مین اس کا فیصلہ یون بھی کیا ہی "عقل و دانش جو انسانون کا ورثہ ہے زائد شئے نہین ہی لیکن فطنت ایک عطیہ یا ایک زائد طاقت ہے جو ان لوگون کو قدرت دیتی اور بخشتی ہی جو بوجوہ اسکے مناسب اور قابل ہوتے ہین یہ اعلیٰ اور لاجواب جوہر ایسے لوگون کی سرشت ہی مین رکھا جاتا ہی اور قدیر مطلق کی غرض اس سے یہ ہوتی ہی کہ ایسے لوگون کو بذریعہ قدرتی انتخاب کے دیگر افراد نوعی پر خاص فضیلت اور امتیاز بخشا جاوے" ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء باقی دارد

راقم سلطان احمد



رسالہ الناظر کے مسودہ "ادیب" معاون حضرت شوق، قدوائی کی پہلی نظم "عالم خیال" معزز ناظرین کے ملاحظے سے گزر چکی ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثل تھی، جس پر ہم نے اپنا نوٹ درج کر کے اسکی داد بھی دی تھی، نوٹ میں ضمناً کچھ "ادیب" کا ذکر بھی آگیا تھا، اسی نوٹ کا ریمارک کرتے ہوئے "ادیب" کے لائق اڈیٹر نے نظم کے جذبات کو غیر شریفانہ بتایا ہے، اور اپنی وسیع معلومات کے بھروسے پر اُردو کے پُرانے بارہ ماسوں سے تشبیہ دیتے ہوئے، اسی نظم کا یہ شعر بھی تمثیل میں پیش کیا ہے،

یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں میں رُخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں

تمام نظم اسی قسم کے غیر مہذب خیالات سے بھری ہوئی ہے" لیکن کوئی وجہ غیر شریفانہ ہونے کی بیان نہیں کی گئی، ہمیں حیرت ہے کہ وہ کس وثوق پر اس شعر کو معیار تہذیب سے گرا ہوا سمجھتے ہیں، شاید "اُمنگ" کے معنی سمجھنے میں اونسے غلط فہمی ہوئی لیکن ہم یہ کیونکر تسلیم کریں، خود "ادیب" کے لائق اڈیٹر اسی جنوری سنہ ۱۹۱۱ع کے "ادیب" میں صفحہ ۲۵ پر یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں، "سال نو کی نئی اُمنگوں اور اُمیدوں کے ساتھ الخ" اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "اُمنگ" کوئی غیر مہذب لفظ نہیں ہے اور یہ کہ اسکے معنی ترقی پذیر حالت کے ہیں، ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

رُخ کا لال لال رنگ کہنا بھی کوئی فحش کلمہ یا گالی نہیں ہے، ایک عورت اپنے دور اُفتادہ شوہر کی یاد میں محو، تنہائی کے عالم میں اگر وہ اپنے خیال سے مخاطب ہو کر (جسکا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے) یہ کہے کہ "انہیں میری ترقی پذیر حالت کی کیا خبر ہوگی" تو کسی طرح بے حیا نہیں کہی جا سکتی۔

دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں جب تک وہ زبان پر نہ لائے جائیں یا خارج میں عملی طور پر انکا ظہور نہ ہو اُس وقت تک نہ کوئی شخص قانون اور عرف کی رو سے مجرم قرار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مذہب اُسے گناہ کا مرتکب ٹھہرا سکتا ہے، علاوہ ازیں اس نظم میں نہ تو شاعرانہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور نہ عاشقانہ رنگ کی جھلک نمایاں ہے پس ہم ابو الفیض فیضی کے ہم آہنگ ہو کر "شعر فہمی عالم بالا معلوم شد" والے فقرہ سے ادیب کے وسیع النظر اڈیٹر کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، اور اسی خیال سے ذرا بھی شکایت نہیں کرتے کہ اونھوں نے بارہ ماسہ کے رکیک تخیلات سے اس نظم کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات کو کیوں تمثیل دی، ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، ذیل میں ہم "عالم خیال کا دوسرا رُخ" کے نام سے انھیں معتنم زمانہ نیچرل ناظم حضرت شوق، قدوائی کی دوسری نظم (جو پہلی نظم کے ساتھ ہی دفتر الناظر میں موصول ہوئی تھی، لیکن اس خیال سے کہ دونوں کا یکجا شائع ہونا ایکدوسرے کے لطف کو ظاہر نہ ہونے دیگا) اسوقت درج کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں، جسکے پاکیزہ جذبات، فطری مناظر، لطف تخیل، اور جدت مضامین کی خوبیاں خاص طور پر داد طلب ہیں، قادر الکلام مصنف نے نیچرل جذبات دکھانے میں اپکی پہلے ہی بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے، اور پھر بھی نہایت دلکش اختیار کی ہے، "خدا نظر بد سے بچائے" اڈیٹر

"عالم خیال" کا دوسرا رُخ

عورت اپنے شوہر کے آنے کی امید میں ہی، شوہر کا خط عُذر کے ساتھ پردیس سے آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا ہی، عورت بے چین ہوکے شوہر کو خط لکھ رہی ہی، اور اپنے خیالات ظاہر کرتی ہے

پا کے تمہارے خط کو آج، دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور
آنیکا آسرا کہاں، یاس سے وہ بدل چلا

در کی طرف تھی جو نگاہ، یاس سے اب زمیں پہ ہی
ضعف سے جسم لٹ چلا، روح بدن سے ہٹ چلی

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ، داغ ہرے ہوئے ہیں آج
خط ہی تمہارے ہاتھ کا، پڑھتی ہوں اس کو بار بار

جن سے لکھا گیا یہ خط، کاش وہ اُنگلیاں ملیں
خود بھی گئے تم، اور چین، چھینکے مجھ سے لے گئے

سب کے جگر میں خون ہی، میرے جگر میں درد ہے
ایک تمھیں تھے میرا عیش، بن گئی غم، تو کیا کروں

عیش کو کھو گئے ہو تم، آؤ تمھیں تو پھر ملے
تم نہ ستم کرو، تو کیوں، دل مرا بے قرار ہو

دل میں بھڑک کے غم کی آگ، جسم پہ پڑ گئی کچھ اور
دل مرا آنسوؤں کے ساتھ، بنکے لہو نکل چلا

ہاتھ کبھی جگر پہ ہی، اور کبھی جبیں پہ ہی
چہرے کا رنگ کٹ چلا، نبض کی چال گھٹ چلی

تم سے ہزار ہا گلے، دل میں بھرے ہوئے ہیں آج
کھولتی ہوں ہزار بار، چومتی ہوں ہزار بار

میرا خیال چوم لے، جائے وہیں، جہاں ملیں
مجھکو بِرَہن بنا گئے، مجھکو جنون دے گئے

سب کا شباب لال ہی، میرا شباب زَرد ہے
پہلے تمھیں تھے میرا چین، اب ہو تم، تو کیا کروں

چین کو لے گئے ہو تم، لاؤ تمھیں تو پھر ملے
میں نہیں چاہتی، کہ تم، میرے گناہگار ہو

کیا میں خدا کے سامنے، تم کو سزا دلاؤں گی — اپنی وفا کے نام کو، خاک میں کیوں ملاؤنگی

چھپ گئے پتلیوں سے تم، انکو نظر نہ آؤگے — یہ تو کہو، کہ کس طرح، دل سے نکلکے جاؤگے

دل میں چھپے ہو تم، مگر، چوس رہے ہو خون کو — سر میں خیال بنکے تم، دیتے ہو شہ جنون کو

بنکے لہو تمھاری یاد، دوڑ رہی ہے جسم میں — جان یہی ہے جسم میں، روح یہی ہے جسم میں

دم مرا ٹوٹے بڑھکے گرم، دل مرا بیحواس ہے — جسم میں جل گیا لہو، اور ابھی تپ کو پیاس ہے

مانگتی ہوں میں تم سے بھیکھ، دو تو کوئی ضرر نہیں — چاہتی ہوں میں تم سے رحم، مال نہیں، یہ زر نہیں

رحم سے میرے دل کو چین، دوگے تو دے سکوگے تم — اپنے خدا سے یہ ثواب، لوگے تو لے سکوگے تم

اپنا خیال تک نہیں، چاہ کے جوش میں مجھے — ایک تمہاری یاد، ہاں، لاتی ہے ہوش میں مجھے

آئنے میں ہے ایک چیز، چین مجھے اسی سے ہے — انس ہے، تو اسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے

دیکھتی رہتی ہوں اسے، پیار کے ساتھ، بار بار — اسکی بلائیں لینے کو، بڑھتے ہیں ہاتھ، بار بار

ہے یہ تمہاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے — اس میں تمہارا حسن ہے، اس میں تمہاری شان ہے

جان تو میری ہے مگر، کچھ نہیں بولتی، تو کیوں — دیکھتی ہے مجھے ضرور، منہ نہیں کھولتی، تو کیوں

شکل ہے یہ تمھاری ہی، تم ہو خفا، تو یہ بھی ہے — دور تم، اور چپ شبیہ، وہ ہے جفا، تو یہ بھی ہے

تم نظر آ ہی جاتے ہو، لے، وہ خیال ہی سہی — کچھ نہیں، تو شبیہ سے، صرف جمال ہی سہی

تم سے، مرے نصیب میں، شاید ابھی کرم نہیں — وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب، ہجر کا جنکو غم نہیں

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ، خوب سنگار کرکے وہ — ہنستی ہیں کھلکھلاکے وہ، تنتی ہیں بن سنور کے وہ

رخ پہ شباب کی بہار، رنگ سے دونوں گال لال — مانگ پہ موتیوں کا حسن، پان سے ہونٹھ لال لال

وہ جو چمک کے ہِل پڑیںؔ، شاخ گلوں کی ہِل پڑی
بال کھُلے تو کھاکے بَل، دل کو لپیٹ لے گئے
کچھ تو ہی خود بدن میں کس، تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ
لیے کو شوہروں کے دل، لطف ہی بات بات میں
مجھکو ہی غم، تو پھر سنگار، کون کرے، تمہیں کہو
رکھتے نہیں یہ ہونٹھ رنگ، رکھتے نہیں یہ گال رنگ
کاجل اُٹھے، کروں نہ اب، اُسکی طرف نگاہ میں
خاک میں چوڑیاں ملیں، جی کو جلا رہی ہیں یہ،
بار ہیں پتے بالیاں، خار ہیں جوہے ونتیاں
دیتی ہی داغ آرسی، میں نہ چھوونگی اب اِسے
بس، اِسے میں پہن چکی، دلپہ گراں ہی زیور اَب
بکس میں اسکو کرکے بند، سب میں تمہیں کو بھیجدوں
مجھکو تو چاہتے نہیں، سَوت سے آکے دیکھنا
طنز سے کیا یہ کہہ اُٹھی، شوخ مری زباں ہوئی
تم میں وفا ہو، یا نہو، میں یہ کہوں گی، ہی ضرور
آؤ نہ آؤ، میں شباب، تمپہ نثار کر چکی
کس سے کہوں میں دل کا بھید، سوچ میں ہوں پڑی ہوئی

ہونٹھ جو ہنسکے کھِل پڑے، گُل کی کلی سی کھِل پڑی
دل میں تھے جتنے ولولے، سب کو سمیٹ لے گئے
کچھ تو ہی حُسن قدرتی، بنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ
حُسن ہی اپنی گھات میں، ناز ہیں اپنی گھات میں
دیکھئے حُسن، مجھکو پیار، کون کرے، تمہیں کہو
تم نہیں تو نظر میں ہی، خون کا رنگ، لال رنگ
بہتا ہی آنسوؤں کے ساتھ، ماہوتی ہوں روسیاہ میں
بھاڑ میں جائیں کلیاں، آگ لگا رہی ہیں یہ
کسکو دکھاؤں اپنے کان، اب میں پہنکے انتیاں
آتی ہی زرد رو نظر، دیکھتی ہوں میں جب اِسے
تم نہیں دیکھتے سنگار، خاک پھبے یہ مجھ پر اب
تھا یہ تمہارے ہی لیے، آپ میں تمہیں کو بھیجدوں
چاہتے ہو جسے وہاں، اُسکو نہاکے دیکھنا
ہی یہ زباں گناہگار، میں نہیں بدگماں ہوئی
ہاں، یہ کہونگی، راہ کو، روکے ہی کوئی شے ضرور
تم مجھے پیار کر چکے، میں تمہیں پیار کر چکی
لیٹ گئی تو آیا سوچ، بیٹھ گئی، کھڑی ہوئی

ط صیغہ ماضی ۱۲

ہوتی ہوں تنگ کرو میں، غم سے بدل بدلکے میں
پھوڑ کے منہ، جو کوئی چیز، مانگ اُٹھی، تو زک ملی
تیل کو میں ترس گئی، بال مرے چٹک گئے
جیسی پھنسی بلا میں اب، اور کبھی ہنسی نہیں
میری خوشی کی زندگی، عقد سے پیشتر رہی
جذب کے ولولے ہزار، یہ مجھے سب عذاب ہیں
کیوں میں عذاب کہہ اُٹھی، چوک ہے یہ، قصور ہے
جذب میں کاش ہو یہ زور، جو تمہیں لائے کھینچکر
چاہ کے رخ کھنچی ہوں میں، کاہ رُبا سے جیسے گھاس
کاہ رُبا سے گھاس کو، کھینچتی ہوں ہزار بار
اب بھی نہ یہ کرے کشش، تو اسے کوئی کیا کرے
دل مرا لیگئے ہو تم، اُسکو نہ چھوڑ دوں گی میں
کانپ کے، دل میں، لاؤ خوف اپنے خدا کا، تم کبھی
صرف تمہاری دید کی، تم سے ہوں طالب، اور بس
پھر کے تمہاری شکل سہی، دل نہ ہٹا، نہ ہٹ سکے
جھوٹ جو میں خدا لکھوں، تو ہو خفا مرا خدا
توبہ! یہ کیا میں بک اُٹھی، توبہ! یہ کیا میں کہہ گئی

کاٹتی ہوں، سرن کی طرح، رات ٹہل ٹہل کے میں
آئے پسند، ایسی چیز، مجھکو نہ آج تک ملی
میں ہی لُٹی، تو یاں کیا، اُنہہ، وہ بلا سے لٹ گئے
دل میں کبھی خوشی نہیں، منہ پہ کبھی ہنسی نہیں
ساتھ تمہارا کیا ہوا، چھوٹ کے تم سے مر رہی
سب مرے دل کا جوش ہیں، سب مرا اضطراب ہیں
ہجر میں جذب ہی سے ہے، درد کو جو سرور ہے
گھر مری پتلیوں تکے ہیں، اِن میں بٹھائے کھینچکر
دل ہے تپش سے بیقرار، تیز ہوا سے جیسے گھاس
جذب کو میں دکھاتی ہوں، زورِ کشش کا بار بار
جذب کا نام، جذب ہی، پھر نہ رہے، خدا کرے
توڑ چکے جو تم، تو خیر، لاؤ تو، جوڑ لوں گی میں
اپنی وفا سے دو جواب، میری وفا کا، تم کبھی
صرف تمہاری آرزو، مجھ پہ ہے غالب، اور بس
اور کسی طرف، کبھی، دھیان بٹا، نہ بٹ سکے
چاہ کو مجھ سے چھین لے، دے یہ مجھے سزا خدا
چاہ تمہاری جب چھنی، پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی

چاہ کا نام سحر ہی، تم پہ اثر کرے یہ کاش
غم سے دبی خوشی، مگر، چاہ کی یہ خطا نہیں

ضبط کی کوئی حد بھی ہی، چاہ کو میں چھپا تھکی
اشک تو بہتے ہیں، مگر، اشک نہیں نگاہ میں

آنچل اگر ہو تر، تو میں، خشک کروں نچوڑ کر
رہتی ہوں سب سے میں الگ تاکہ نہ تاڑ جائیں لوگ

آتی ہیں ہمسنیں، مگر، مجھیں نہیں ہنسی مری
میں نہ کہوں زبانسے کچھ، کھلتا ہی درد، رنگ سے

پوچھتی ہیں، تو کیا کہوں، چھیڑتی ہیں، تو کیا کروں
جھولنے کو جو وہ کہیں، جاؤں میں انکے جبر سے

ساون اگر میں گاؤں بھی، تو وہی، جس میں درد ہو
گانے کا دم ہی کہیں ہی، تان نکلتی ہی نہیں

پہلے لچک کے ناز سے، کھاتی تھی میں ہزار بل
ضعف کا حال کیا کہوں، زور کو رنج کھا گیا

پال گئے ہو تم چکور، ہوتی ہوں اس سے شاد میں
چاندنی رات میں مگر، دیتے ہو غم ضرور تم

چاندنی رات سرد ہی، کرتی ہی دل کو سرد وہ
جذب سے کھینچکر تمھیں، رخ کو ادھر کرے یہ کاش

ہجر ہے، جس کی، چوٹ سے، درد کی انتہا نہیں
غم کی تو کوئی حد نہیں، کم نہوا، میں کھا تھکی

بڑھکے یہ موتیوں سے ہیں، مجھکو، تمھاری چاہ میں
ساس کے پاس جاؤں تو، منہ کو ادھر سے موڑ کر

روتی ہوں سب سے چھپکے میں، تاکہ نہ دیکھ پائیں لوگ
شرم سے کیا کہوں، کہ وہ لیگئے دل نگی مری

دیکھتی ہیں وہ، غم کی شکل، چہرے کے زرد رنگ سے
سادھکے چپ، لہو کے گھونٹ، بیٹھی ہوئی پیا کروں

گائیں تو گاؤں انکے ساتھ، غم کو چھپاکے صبر سے
راگ میں کھینچے عورت آہ، درد جب اسکا مرد ہو

سانس میں زور ہی نہیں، کھلکے یہ چلتی ہی نہیں
تم نہیں اب، تو ضعف سے، کھاتی ہوں بار بار بل

آہ کے ساتھ بار ہا، دل مرا منہ تک آگیا
لیکے اسی کو گود میں، کرتی ہوں تمکو یاد میں

اسکی نظر میں چاند ہی، میری نظر سے دور تم
تم مرے چاند، مجھ سے دور، میرے لئے ہی درد وہ

شب کو پتنگے آتے ہیں، گرتے ہیں وہ چراغ پر
اور جلاتے ہیں مجھے، دیتے ہیں داغ، داغ پر

پاؤں تمہیں، تو ہوں نثار، گرد پھروں اسی طرح
تم سے ملوں اسی طرح، تمپہ گروں اسی طرح

تم مجھے کیوں نہ لیگئے، چل دیئے منہ کو موڑ کر
چل دیئے مجھکو چھوڑ کر، چل دیئے دل کو توڑ کر

ساس کو مجھپہ رحم کیا، ورنہ یہ روکتیں تمہیں
نند کو مجھپہ کیا ترس، ورنہ یہ ٹوکتیں تمہیں

پاک محبت اور ہیں، ملنے کی فکر کیوں نہو
جوش وفا کا اور دل، چاہ کا ذکر کیوں نہو

جنکے دلوں میں کھوٹ ہو، انکو کہاں وفا سے کام
مجھ میں وفا ہے، اسلیئے، غم میں پڑا خدا سے کام

ہجر کو گذرے پانچ سال، بلکے رہی ہیں سات دن
مجھکو سزا یہ کیوں ملی، سوچ یہی ہے رات دن

کی نہیں میں نے کچھ خطا، کی ہو، تو بھولجاؤ تم
مجھکو نہ دیکھنا، مگر، خیر سے گھر کو آؤ تم

آؤ جو تم، تو رُخ یہ ہیں، آنچل اُٹھاکے ڈال لوں
اسمیں تو ہرج کچھ نہیں، جھانک کے دیکھ بھال لوں

ابر اُمنڈ کے آگیا، روؤنگی اسکے ساتھ میں
اپنے جگر کے خون سے، دھوؤنگی رو کے ہاتھ میں

بول اُٹھا وہ میرا مور، ہاتھ سے اتو دل گیا
مجھکو نہ مل سکوگے تم، اسکو تو ابر مل گیا

گھر میں ہی پیڑ انار کا، اسپہ پپیہے آتے ہیں
دیکھکے میری بیکسی، مجھپہ ترس وہ کھاتے ہیں

وہ نہیں بیٹھتے کبھی، پیڑ کے اُوپر آکے چُپ
تمکو پکارتے ہیں روز، شرم سے مجھکو پاکے چپ

ابر اُٹھے تو سنکے شور، دبتی ہوں، خوف کھاکے میں
دیکھہ کے بجلیوں کی آگ، گرتی ہوں تلملاکے میں

تم مرے پاس ہو تو پھر، خوف مجھے ذرا نہ ہو
وہم سے ڈر ہے، ڈر سے وہم، جب کوئی دوسرا نہو

عورت اگر میں ہو پڑی، اسمیں مری خطا نہیں
یہ تو کہو، کہ تمپہ کچھ، میرا بھی حق ہے، یا نہیں

پاؤں خدا نے کیوں دئیے، کیا اسی صحن کیلئے
سب مرے دل کے حوصلے، مجھ سے حیا نے لیلیئے

پردہ میں رہکے، عورتیں، مرتی ہیں، گو قضا نہو
اشک مرے ٹپک پڑے، خط ہوا تر، میں کیا کروں
بندھگیا آنسوؤں کا تار، خوش ہوئیں دیکھ کر جسے
صبر سے گذری موت پر، اب تو جگر کرونگی میں
مجھکو یقین ہے کہ تم، آکے مجھے نہ پاؤ گے
فاتحہ بھی پڑھوگے تم، ہاتھ اُٹھاکے، یا نہیں
سبزے کو دیکھنا ضرور، مجھپہ وہ بار ہو نہ جاے

شرم کا حق ادا کریں، چاہ کا حق ادا نہو
بھیگ کے کچھ بگڑ گئے، حرف، مگر میں کیا کروں
بن گیا موتیوں کا ہار، پہنئے تمھاری یاد اسے
اپنے بدن کی آگ سے، آپ ہی جل مرونگی میں
آکے نہ پاؤگے، تو کیا، میری لحد پہ آؤگے
روح کو خوش کروگے تم، پھول چڑھاکے، یا نہیں
زخم [illegible] غبار ہو نہ جاے

جان لبوں سے دے چکی، تمکو پیام، اب بس
سنتی ہوں، **شوق** ہیں وہیں، اُنکو سلام، اب بس

احمد علی، شوق. قدوائی

رباعی

دل کا غم و ہم سرور ہوتا جائے
سرِ حق کا ظہور ہوتا جائے
اللہ ری عظمت کدۂ ربّ علا
جتنی قربت ہو دُور ہوتا جائے

(راقم آوج لکھنوی۔)

معرفتِ حق

آجکل تنقید الکلام کے ضمن مین اثبات واجب الوجود کی بحث چھڑی ہوئی ہی اور ہرشخص اپنی مقدار معرفت کے مطابق وجود باری تعالی پربحث کررہا ہی حسن اتفاق سے نہج البلاغة آجکل زیر مطالعہ ہے، ذیل مین نہج البلاغة کا اقتباس پیش کیا جاتا ہی۔ بالغ نظر ناظرین اس مضمون سے ایک خاص حظ اوٹھائینگے اس لیے کہ انتہائی معرفت کی حالت مین ایک عارفِ کامل کے مدرکاتِ قلبیہ کی کیفیت اس سے ظاہر ہوتی ہی۔

حمد وستایش اوس خداوند حقیقی کے لیے زیبا ہے جسکی مدح وثنا کی حقیقت کو اچھے اچھے زباندانون کی گویائی نہین پہونچ سکتی، محاسب اور شمار کرنے والے اوس کی نعمتون اور بذل وکرم کے شمار کرنے سے عاجز ہین، وہ خداوند برتر وبرحق جسے ہمتین، ارادے، اور عزم نہین پاسکتے، دانائیون، زیرکیون اور عقلون کی گہرائیان اوس کی تہ تک نہین پہونچ سکتین، کمالِ معرفت یہ ہی کہ اوس کی تصدیق کی جاوے اور تصدیق اوس کی توحید پر یقین لانے سے کامل ہوتی ہی، توحید کی تکمیل یہ ہے کہ اوسے خالص واحد ویکتا تصور کیا جاوے، پھر اس وحدت، یکتائی اور اخلاص کا درجہ کمال یہ ہے کہ اوسے تمام صفات زایدہ سے مبرّا ومنزّہ سمجھ لین، کیونکہ جس شخص نے اوسکے لیے صفات زایدہ قرار دین تو گویا اُسے مخلوق سے قریب اور اُسکا ہمسر سمجھا اور جس نے اسے مقارب ونزدیک بنا دیا تو گویا وہ دوئی کا قایل ہوگیا، اور جو شخص وحدت سے گذر کر دورنگی مین آیا تو گویا وہ شخص اُس ذات واحد ویکتا کے لیے جزو اور ٹکڑے قرار دیرہا ہی، ایسا شخص یقیناً جاہل ہی، وہ کبھی درجہ معرفت پر فائز نہین ہوسکتا اور جو شخص اس ذات برتر کی طرف اشارہ سے کام لیتا ہے وہ گویا اُسے محدود کرتا ہے، اب جس شخص نے اسکے واسطے ایک حد معیّن کی اوس نے گویا اُسے شمار

کر لیا اور جس شخص نے سوال کیا کہ خداوند عالم کس چیز مین موجود ہے تو گویا اوس کے لیے ظرف تجویز کیا اور اس ظرف مین اوس کا مقام و محل بنا دیا ۔ اور جس شخص نے سوال کیا کہ وہ بارے کس چیز پر قائم ہی تو وہ اُسے وجود سے خالی سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود مین کسی دوسرے کا محتاج ہی حالانکہ وہ ایسا قادر مطلق ہی جو ہمیشہ سے موجود ہے ۔ اوسکے وجود و ہستی کی کوئی ابتدا نہین ، وہ موجود ہے مگر عالم نیستی سے میدان ہستی مین نہین آیا ، وہ ہر ایک شئے کے ساتھ ہے مگر عارضی طریقہ سے نزدیک نہین ، بلکہ اپنی قیومیت اصلی کے سبب سے ہر ایک شئے کے ساتھ قائم ہی ، وہ ہر ایک چیز کے ساتھ مغایرت رکھتا ہے مگر نہ بطرز مفارقت و مزاملت ، کیونکہ کسی شئے کا قایم رکھنے والا اگر اس سے علحدہ ہو جاوے تو وہ شئے کہان قائم رہ سکتی ہی ، وہ فاعل ہی مگر نہ بقصد حرکات و آلات ۔ وہ ہر ایک چیز کا نگہبان ہے کیونکہ اوس کی مخلوق مین کوئی شئے محفوظ بالذات نہین ، وہ واحد و تنہا ہے کیونکہ کوئی مسکن ایسا نہین جس سے وہ مانوس ہو ، جس سے وہ راحت حاصل کرئے وہ کسی ایسی چیز کے جس سے راحت حاصل ہو گم ہو جانے سے ، متوحش نہین ہوتا ، اسے اسکی ضرورت ہی نہین ، اسکی ذات ایسی چیزون سے بہت ارفع و اعلیٰ ہی ، وہ ایسا پروردگار ہے جس کی رحمت سے کوئی نا امید نہین ، جس کی نعمت سے کوئی شئے خالی نہین ، جسکی بخشش و مغفرت سے کسیکو یاس نہین ، جسکی عبادت سے کوئی شئے تکبر و اکراہ نہین کر سکتین ، وہ ایسا پروردگار ہی جس کی رحمتین زایل نہین ہوتین اور جس کی نعمتین مفقود نہین ہو سکتین ۔

حمد و سپاس اوسی خداوند حقیقی کے لیئے سزاوار ہے جب تک کہ رات کی تاریکیان ظاہر و نمودار ہون اور جب تک ستارے چمکتے اور غروب ہوتے رہین ۔ وہ خلاق عالم پردہ ہائے اخفا مین پوشیدہ ہی اور آثار ظاہرہ اوس کے وجود پر دلالت کر رہے ہین ۔ چشم بینا اسے دیکھ نہین سکتین ،

اوس کے جلوے اس مین سما نہین سکتے، اب وہ آنکھ جس نے افراطِ نور کے باعث اُسے نہین دیکھا اُس کو زیبندہ نہین کہ وجود خالق کا انکار کرے کیونکہ وہ اُس کے آثار ظہور کو دیکھ رہی ہے اگرچہ اوس کے نور کے دیکھنے کی تاب نہین لا سکتی، اور وہ دل جسنے اوسکے علاماتِ ظاہر کو پہچان لیا ہے، اسے طاقت نہین کہ اسکا نظارہ کرسکے۔ کیونکہ وہ اوسکے نور کے دیکھنے سے کور اور نابینا ہے، وہ اوس کی نورانی شعاعون سے معمور ہے، اور شعاع اصل نور کی دیکھنے سے حقیقتاً معذور رہے ہے، کوئی شے، اس سے اعلیٰ اور برتر نہین ہوسکتی، وہ قریب سی قریب ہے اور کوئی شے اوس سے زیادہ نزدیک نہین ہوسکتی، اُس کی بلندی نے مخلوقات مین سے کسی شے کو اُس سے دور نہین کردیا اور نہ اوسکے قرب نے مخلوق کو اوسکے ساتھہ ایک مکان مین مساوی کردیا ہے، عقلین اور دانائیان اوسکے صفات کی کنہ اور تہ تک نہین پہونچ سکتین، کوئی عقل اسکا احاطہ نہین کرسکتی اور پھر باوجود اسکے کوئی شے اسکی معرفت سے ان عقلون کو مانع نہین، وہ خدا جسکے وجود کی علامتین اسکے موجود ہونے پر شہادت دے رہی ہین اور منکر سے منکر کا قلب بھی اقرار کررہا ہے، اوس کی ذات مخلوق سے ذات وصفات مین مشابہت دینے والون اور منکرون کے اقوال سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

اوسی خلاق عالم نے انسان کو ارحام کی تاریکیون اور پردہ ہاے ارحام کے غلافون مین پیدا کیا، درانحالیکہ وہ ایک ڈالا ہوا قطرۂ سیاہ کیا ہوا مضغہ، شکم مادر مین رہنے والا بچہ تھا، وہ شیر خوار رہا، کودک نادان بنا اور حد بلوغ تک پہونچا، پس خدائے برتر نے اسے ایک حفاظت کرنیوالا قلب عطا کیا، بولنے والی زبان عنایت کی اور دیکھنے والی آنکھ مرحمت فرمائی تاکہ وہ عبرت حاصل کرتا ہوا عقل و فہم سے کام لے، حتے کہ اوس کے اعضا رکا

اعتدال قایم ہوگیا، اُسکی صورت اور مثال راست ہوگئی، اب اس نے متکبر ہوکر اطاعت
سے سرکشی کی، بیباک ہوکر اپنی ہوا و حرص کے ڈول سے پانی کھینچتے ہوئے، اپنی دنیا کے
واسطے سعی و تلاش کرتے ہوئے اپنی لذتون کے مرور اور اپنے حاجتون کے ظہور مین مست
ہوکر گمراہ ہوگیا وہ کسی مصیبت کا گمان ہی نہین کرتا تھا اور کسی خطرے سے نہین ڈرتا تھا،
اس نے اسیطرح لغزشون مین زندگی بسر کی، اور کسی عوض اور بدلے کو حاصل نہین کیا اور کسی
فریضۂ واجب کو بجا نہ لایا، وہ ابھی قید سرکشی مین گرفتار تھا اور اپنے عیش و نشاط کے طریقہ
پر سالک تھا، ناگاہ موت آئی اور اوسکی آرزوؤنکو قطع کر دیا، اب کوئی آرزو بھی نرہی جس تک
پہونچنے کی تمنا کیجائے، اوس نے مضطرب ہوکر فریاد کرنے والی عورت مہربان باپ اور ہمزاد
برادر کے درمیان بیماریون اور دردون کے رنج و آلام کی ناخوش آیند سختیون مین صبح سے
شام کی اور بیداری مین رات گذاری، رونے والے تو رو رہے تھے اور یہ مرد، غافل
کردینے والی موت کی بیہوشی، توڑ دینے والی مصیبت اور نالۂ دردانگیز مین گرفتار تھا،
غم خیز طریقہ سے یہ اپنے مقام سے ہنکایا جا رہا تھا، پھر یہ اپنے کفن مین اہل و عیال سے ناامید
ہوکر لپٹ گیا، اوسوقت یہ بالکل مطیع تھا، ذرہ سی بھی ناہمواری اوس مین باقی نرہی تھی،
پھر یہ جنازہ کی لکڑیون پر ڈال دیا گیا، اوسوقت یہ اپنے مرض سے واپس ہو چکا تھا، اور
بیماری کے ہاتھون لاغری اوسپر چھائی ہوئی تھی، اسے اُسکے بیٹون اور بھائیون نے کاندھے
پر اُٹھایا اور ایسی جگہ لے چلے جو اس کی غربت کا مکان تھا جہان وہ اپنے اعمال کا معاینہ کریگا
اور جہانپر دوبارہ اسکی زیارت نہین ہوسکتی تھی۔

اے دیکھنے والو! سننے والو! صحت وسلامتی مین گذران کرنے والو! اس زمانہ کو رنگارنگ
نکرو اسوقت گلوگیر موت نے تمھین چھوڑ رکھا ہی، روح کو رہائی حاصل ہی، اسوقت تم طلب

ہدایت

کرسکتے ہو، تمھارے بدن صحیح وسالم ہین، البقیہ عمر کے گذرنے مین تاخیر ہے، تم خود مختار ہو، اتھاگ زمانہ حاجات مین ابھی وسعت ہے، تم اعمال وعبادت مین کوشش کرو اور معرفت حق حاصل کرو، بے شک وہ ایسا پروردگار ہے کہ وہم وگمان اوسکے صفات کی کُنہ تک نہین پہونچ سکتی، نہ اوسکا تجزیہ ہوسکتا ہو نہ اوسکے لیے اعضا قرار دیے جاسکتے ہین، نہ اسے آنکھین احاطہ کرسکتی ہین عقول،

پروردگار عالم تمام اسرار اور گہرائیون کو جانتا ہی اُسے تمام تخیلات قلوب کا علم ہی، وہ ہر ایک شے پر محیط ہی، وہ ہر ایک چیز پہ قوت رکھتا ہے وہ پروردگار بغیر فکر دتامل کے ایجاد کرتا ہے، وہ ہمیشہ سے اور اوس وقت سے قایم ہے جب نہ برجون والے آسمان تھے، نہ اندھیری اور تاریک راتین، نہ ایستادہ سمندر تھے نہ لگاٹیون والے پہاڑ نہ بچھی ہوئی زمین تھی، یہ ذات واجب الوجود ادراک عقول واوہام سے دور رہنے والی، مخترع اور مبدء خلق اور اوسکی وارث ہی، چاند اور سورج اوس کے ارادے کے موافق دورہ کرتے ہوے ہر ایک نئی شے کو جامہ کہنگی پہنا رہے ہین اور ہر بادہ تمکن کو اپنے وجود سے نزدیک کررہے ہین۔

حمد و تعریف اوسی منان حقیقی کے لیئے زیبندہ ہی جسکا بخشش نکرنا اوسکے مال کو زیادہ اور وافر نہین کرسکتا اور نہ بخشش وجود اوس کی دولت وثروت کو کم کرسکتی ہی، وہ ہر ایک شخص کی احتیاج سے واقف ہی، وہ ہر ایک سائل اور سوال کی قابلیت کو اچھی طرح جانتا ہی، بندہ کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ خود بخود اوسکے لیئے مہیا کردیتا ہے، اوسکے نزدیک سائلین اور غیر سائلین سب برابر ہین۔ مخلوق اسکی عیال ہی اور وہ اون کے رزق کا ضامن ہی۔ اوسکے لیئے زمانون کا اختلاف ضرر رسان نہیں کہ اسکی وجہ سے اوس کی حالتین متغیر ہوجائین زمانہ اوسکا محکوم ہی وہ تاثیر زمانہ کا محکوم نہین ہوسکتا، دریا کے صدف، پہاڑون کے معدن اور مرجان کے خوشے، اگر یہ سب کے سب لٹا دیے جائین تو یہ اثر اوسکی بخشش مین کچھ محسوس

مظفر

نہوگا، اوس کے پاس انعام واکرام کے ایسے خزانے ہین جنھین لوگون کی خواہشین فانی نہین کرسکتین، وہ ایسا قادر ہے کہ اگر وہم وگمان نظر وفکر کے تیر دن سے نہانہ اندازی کرین اس کی انتہائی طاقت دریافت کرنے کے لیئے اگر قوت متفکرہ اسکی سلطنت کے اسرار مخفیہ کی گہرائیون تک پہونچنے کا ارادہ کرے، اگر قلوب مشتاق نہایت ہی شدت کے ساتھ اسکے صفات کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے مشتاق ومایل ہون، اگر عقلون کی راہین اوسکی ذات کا علم حاصل کرنے کے لیئے اسقدر باریک اور دقیق ہوجایئن جن سے زیادہ ممکن نہین، تو وہ اوہام وعقول بے نیل مرام لوٹ آوینگے، جو وا شگاف سے اوسکی کنہ معرفت تک رسائی نہین ہوسکتی، اور نہ صاحبان فکر وفراست کے دل مین اوس کی قدرت وعظمت کے اندازہ کرنے کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔

وہ ایسا خالق ہی جسنے کسی مثال سے سبق حاصل کیئے بغیر خلقت کو میدان ایجاد مین کھڑا کیا اوس نے اپنی قوت واتسلط کو دکھا کر وہ عجیب صنعتین دکھلائین جو اوسکے حکمت کاملہ کی زندہ اور زبان بے زبانی سے گویا علامتین ہین، وہ ایسا خدا ہے جسکی نہایت عقل مین سما نہین سکتی، قوائے ادراکیہ اوسکے لیئے کوئی کیفیت ذہنی تجویز نہین کرسکتے، وہ پوشیدہ خطرات وضمائر جو دلون مین گذرتے ہین، وہ آہستہ آہستہ باتین کرنے والون کی سرگوشیان، وہ گمان کرنے والون کے گمانون مین گذرنے والے خطرے، وہ عزایم یقین کی بندشین، وہ وزدیدہ نگاہی اور پلکون کے اشارے ان سب امور سے وہ ذات عالم ودانا اچھی طرح واقف ہی

نامعلوم امور جو دلون کے پردون مین لپٹے ہوئے ہین، وہ باتین جو قصر ہائے پنہان مین چھپی ہوئی تھین، وہ پوشیدہ کلام جنکے چوری سے سن لینے پر قوت سامعہ کانون کو متوجہ کرلیتی ہی ان مین سے کوئی امر اوسپر پوشیدہ نہین، اسے چھوٹے چھوٹے کیڑون کی گرمائی

مقامات معلوم ہین، وہ زیر زمین بسر کرنے والے حشرات الارض کی زمستانی قیام گاہون سے اطلاع رکھتا ہے، بیزبان جانورون کی نالہ وزاری کو سنتا ہی، ہموار سے ہموار اور سبک سے سُبک قدمون کی آواز بھی اوسپر ظاہر ہوئے بغیر نہین رہتی، خوشون کے غلافون اور انکے اندرونی حصون مین سے دانون کے کشادہ ہونے اور بڑھنے کے مقامات، غار ہاے کوہ مین حیوانات وحشی کے پوشیدہ ہونے کی جگہہ اور پہاڑون کی سیل گاہین، درختون کی چھال اور انکی شاخون مین مچھرون کے چھپنے کے سوراخ، ان مین سے کوئی امر اوس پر مخفی نہین، وہ شاخون سے پتون کے گرنے کے موقعہ ومحل اور مخلوط منی کے اصلاب کی راہون سے آکر ٹھہرنے کے مستقر سے اچھی طرح واقف ہی، ابر کا ظاہر ہونا اور آپس مین ملجانا، قطرہ ہاے باران کی ریزش اور انکا اجتماع یہ ساری باتین اوسے معلوم ہین، وہ چیزین جنھین بگولون کے دامن منتشر وپراگندہ کردیتے ہین، وہ اشیا جنھین بارشین اپنے سیلابون سے محو اور فنا کردیتی ہین، وہ اسکے علم مین موجود ہین، وہ ریگ کے ٹیلون مین حشرات الارض کو پہچانتا ہی، وہ پہاڑ کی چوٹیون پر پرندون کے بسیرے کے مقامات سے خوب ماہر ہے۔ آشیانون کی تاریکی مین خوش الحان جانورون کی آوازین اُسپر ظاہر ہین۔ وہ مروارید جنھین صدفون نے اپنے سینہ سے لگار کھا ہی اور موجین انکی پرستاری پر کمر بستہ ہین، ہرگز ہرگز اسکے احاطہ علم سے باہر نہین، وہ اشیا جنھین رات کی تاریکی نے ڈھانک لیا ہی یا وہ چیزین جن پر آفتاب کی شعاعین پر تو افگن ہین، یا اسپر متواتر تاریکی اور درخشندگی نور کے پردے پڑے ہوئے ہین، کچھ بھی ہو مگر اسکی نظر سے کوئی چیز باہر نہین۔ چھوٹے سے چھوٹے قدم کا اثر، ہر ایک آواز کی حرکت، ہر ایک کلمہ کی ترجیع، ہر ایک لب کی جنبش، ہر انسان کے مستقر، ہر ایک ذرہ کے وزن اور ہر ایک نفس ارادی کے ہمہمے، وہ ان سب امور کا احاطہ کرنے والا ہی۔

ہر درخت کا میوہ جو زمین پر ہے، ہر برگ بخچتہ، نطفہ کے قایم ہونے کا مقام، اجتماع خون کا محل، گوشت بنجانے دالا خون، ظاہر ہونے والی مخلوق، حیوانات کے نتیجے، ان سب موز کو اوسکی حکمت و دانائی گھیرے ہوئے ہے، ان اشیا کے جاننے اور معلوم کرنے مین اوسکو کوئی مشقت ومحنت عارض نہین ہوتی، اور اس مخلوقات کے نگاہ رکھنے مین جسے اِسنے ایجاد فرمایا ہے، اوسے کوئی عارضہ لاحق نہین ہوتا، نہ اشیا کے کامل کرنے اور مخلوقات کی تدابیر مین اسپر کوئی دل تنگی اور سستی طاری ہوتی ہی

پروردگار! تو اسی قابل ہے کہ تیرے صفاتِ جمیلہ کا ذکر ہو، تیرے احسان ونعمت کا شکر ادا کیا جائے، اگر تیری طمع کی جاوے تو یہ بہترین طمع ہی، اگر تجھ سے امید رکھی جاوے تو یہ عمدہ ترین امید ہی—

سید علی اصغر بلگرامی

نوحۂ جوانی

کھول آنکھ ذرا اکمکدۂ زیست ہے فانی
یہ زینتِ ملبوس و فروغِ رخ و گیسو
یہ طاقتِ جذبِ دلی و سوز محبت
یہ تیغِ ستم کی رگِ گردن پہ روانی
یہ چھیڑ رگِ جاں سے کسی نشترِ غم کی
یہ کشمکشِ شوق وخیالاتِ شبِ وصل

ہشیار ہو او مستِ مے جامِ جوانی
ہے جنکے سبب رونقِ ایامِ جوانی
مشہورِ جہاں جنسے کہ ہے نامِ جوانی
تقدیر سے یہ خوبیِ انجامِ جوانی
یہ درد وطپش باعثِ آرامِ جوانی
یہ بیکسی وشدتِ آلامِ جوانی

یہ پہلوئے دلدار میں سونے کی تمنا
یہ بیخودی و خواہش آرام جوانی

کس زوروں پہ جانا بسر طور محبت
اللہ ری ہوسناکی پیغام جوانی

یہ شام و سحر کوچۂ دلدار کے پھیرے
یہ ولولۂ طاقت ایام جوانی

یہ رخصت صبر و خرد و ہوش و تحمل
بدنام جہاں جن سے کہ ہے نام جوانی

یہ فرصت تعمیر طلسمات خیالی
یہ جستجوئے تخلیہ و کام جوانی

یہ ساز طرب خیز سر محفل عشرت
جمعیت دل اور یہ آرام جوانی

باقی نہیں رہنے کی ذرا ہوش میں آجا
آنے ہی کو ہے ساعت انجام جوانی

مہلک ہے یہ لاابالی ہستی عشرت
کر جستجوئے داروئے سرسام جوانی

بس ترک کر اب میکدۂ نفس پرستی
مانا کہ یہ از جہل ہیں ایام جوانی

یہ یاد ہی رکھنا کہ وہ ہنگام ہے نزدیک
پہروں ہی نہ یاد آئیگا پھر نام جوانی

کرلے عمل خیر کوئی چند نفس میں
بنتا ہے عبث مورد الزام جوانی

خلوت گہ معشوق میں نیند آئیگی کبتک
اک خواب پریشاں ہی یہ آرام جوانی

ڈھونڈھے اگر لیکے چراغ آج سحر تا حشر
ملنے کا نہیں پھر اثر شام جوانی

بھر آئے دل احباب کے بس چپ رہو محشر
یہ نظم ہے یا نوحۂ اتمام جوانی

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی



سکندر مقدونی

ملک معظم سکندر مقدونی نے جو ملک یونان کا فرمانروا تھا بہت سے اقوام اور ممالک کو فتح کیا۔ اسکے وسیع خیالات رفعت میں آسمان سے باتیں کرتے تھے اور بلند پروازی میں عقاب کی طرح سقف نیلگوں سے ملے ہوئے تھے۔ اُسکو اپنے خیالات کی وسعت میں زمین ایسی نظر آتی تھی جیسے پانی کے کسی ظرف میں سیب تیر رہا ہو۔

ایک مرتبہ سکندر نے افریقہ جانیکا قصد کیا جہاں سونا پیدا ہوتا ہے اور عورتیں حکومت اور ملک کی حفاظت کیلئے اپنے دشمنوں سے جنگ کرتی ہیں۔ چنانچہ چند آزمودہ کار بڈھے بوڑھوں کو جمع کرکے دریافت کیا کہ ہم کس تدبیر سے عورتوں کے اس زرخیز ملک میں پہنچ سکتے ہیں؟

ان سب نے یکزباں ہوکر جواب دیا کہ راستہ میں عظیم الشان پہاڑوں کا سلسلہ سدراہ ہوتا ہے اسوجہ سے آپکا اوس ملک میں پہنچنا سخت دشوار ہے۔ سکندر نے جو عالی ہمت اور بڑا مستقل مزاج تھا اور اپنے ارادوں سے پھرجانا باعث شرم سمجھتا تھا برہم ہوکر کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنے دلی ارادوں کو فسخ کرنا کسرشان سمجھتا ہوں میرا وہاں جانا لازمی ہے اسلیے تم لوگ بجائے مزاحمت کرنے کے کوئی ایسا مفید مشورہ دو جسکی بدولت راستہ کی صعوبتیں کم ہوجائیں اور میں کامیاب ہوکر واپس آؤں۔ اِن بوڑھے تجربہ کاروں نے جواب دیا کہ اگر آپ نے وہاں جانیکا مصمم قصد کرلیا ہے تو اپنے ملازمین کوہستان کے خچر لانیکا حکم دیجیے جنکے لیے نشیب و فراز اور تاریکی مانع نہیں ہوسکتی، اور بڑی بڑی رسیاں بھی منگوائی جائیں تاکہ اونکا ایک سرا آپ کی محل سرا سے باندھ دیا جائے۔ تب آپ اور آپ کا لشکران خچروں پر سوار ہوکر سفر کرے اور رسیوں کے دوسرے سرے ہر لشکری اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے، بہ گویا آپ کو

وہ جگہ نہ ملی تو آپ ان رسیون کی مدد سے اپنے ایوان شاہی کو واپس آسکین گے،
سکندر کو یہ صلاح پسند آئی اور اُس نے اپنی جنگی سپاہ کو ساتھ لیکر اُن کے ہاتھون مین رسیون کے سرے پکڑا دئے اور اس زرخیز ملک کی حکمراں عورتوں سے لڑنے کو روانہ ہوگیٔ جب بادشاہ معہ اپنی فوج کے اس ملک مین پہونچا تو وہاں کی عورتین بھی جنگی لباس سے آراستہ ہوکر شہر سے باہر نکل آئیں اور اُن کے ایک سردار نے سلطان سکندر سے حسب ذیل گفتگو کی۔

اگر آپ کو اپنی عزت پیاری ہے تو مناسب ہے کہ بغیر لڑے بھڑے اپنے ملک کو واپس چلے جائین، اس لیے کہ اگر آپ ہم پر فتح پا گئے تو مخلوق یہ کہے گی کہ عورتون کو شکست دینا بہادرون کا کام نہین ہے اور اگر آپ کو شکست ہوگئی تو دنیا کہے گی کہ عورتون سے ہزیمت پائی۔

سکندر نے لڑائی کا ارادہ ترک کرکے اُنسے روٹی مانگی، وہ بہادر عورتین اس کے لیے ایک طلائی میز لائین جسپر ایک سونے کی روٹی رکھی ہوئی تھی۔

یہ دیکھکر سکندر نے پوچھا کیا مین اس روٹی سے سیر ہوجاؤنگا؟
عورتون نے جواب دیا کہ اگر آپ کو اس روٹی کی خواہش نہین ہے تو یہان آنے کی کیا ضرورت تھی کیا آپ کے ملک مین روٹی کی کمی ہے جو اسکی تلاش مین اتنی دور آئے ہین،
سکندر شرمندہ ہوگیا اور ایک نمایان جگہ پر ذیل کا جملہ لکھکر لوٹ آیا۔

"مین (سکندر) اپنے کل عرصۂ زندگی مین اس وقت تک بے وقوف تھا جب تک کہ افریقہ کی عورتون نے مجھے عقل و شعور نہین سکھایا"

راستہ مین ایک ندی کے کنارے پر منزل کی اور ناشتہ کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا

مظفر

اُسوقت زاد سفر مین بُھنی ہوئی مچھلیان تھین کسیقدر انکی شوریت دور کرنے کے لیے دریا مین دہوئی گئین تو اُسوقت ایک عجیب خوشبو محسوس ہوئی۔

سکندر نے خیال کیا کہ شاید یہ ندی بہشت سے نکلی ہو اس گمان پر رائے قایم کر کے وہ بذاتِ خود ندی کے کنارے کنارے چلا گیا، چنانچہ ایک محل کے دروازہ پر جو شاید بہشت ہی تھی جا پہونچا اور آواز دی" دروازہ کھولو! اندر سے جواب ملا کہ یہ خدا کے گھر کا دروازہ ہی صرف مقدس لوگ اندر آنیکا حق رکھتے ہین، سکندر نے بہ آواز بلند کہا کہ

"مین ایک بادشاہ ہون میری شاہی عظمت پر لحاظ کرو اور مجھے کچھ انعام دو!"

یہ الفاظ اُس نے ختم ہی کیے تھے کہ ایک ہاتھ نکلا اور اُسنے سکندر کو ایک انسان کی کھوپڑی دی، یہ کھوپڑی لیکر چلا آیا، اور گھر پہونچکر حکم دیا کہ اس کھوپڑی کا وزن دریافت کیا جائے چنانچہ اس غرض سے وہ کھوپڑی ترازو کے ایک پلڑے پر رکھی گئی وہ زمین تک جھک گیا دوسرے پلڑے پر ہزارون سونے چاندی کے بانٹ رکھے گئے مگر اس کھوپڑی کے ہموزن نہ ہو سکے اور پلڑہ زمین ہی سے لگا رہا۔

سکندر نے چند اہل دانش کو بلا کر اس تعجب خیز امر کا سبب دریافت کیا، اُنھون نے کہا کہ اس کھوپڑی مین ہنوز آنکھین موجود ہین جو سونے چاندی سے کبھی سیر نہین ہو سکتین ۔

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

سکندر نے کہا اچھا پھر کیا کرنا چاہیے وہ بولے کہ آنکھون پر ذراسی مٹی لگا دو اُسوقت یہ کچھ نہ دیکھ سکینگی، جب اس صلاح پر عمل کیا گیا کھوپڑی والا پلڑا فوراً اوپر اُٹھ گیا حکیم سکندر نے کہا "مین دیکھتا ہون کہ دانشمندون مین عقل نہین ہوتی بلکہ خدائی ہوتی ہی"۔

(ترجمہ) ا۔ ت۔

قدر نعمت بعد زوال

نومبر ۱۹۱۰ء کے مخزن مین مس شجاعت علیصاحبہ کا ایک مضمون مندرجہ بالاعنوان سے چھپا ہے۔ مضمون کے اچھے ہونے مین تو کلام نہین۔ لیکن نتیجے پر غور کرو تو زمانہ حال کی عمدگی کے ساتھ انگریزی طرز ماند و بود کی خوبی کا اظہار ہوتا ہے، اور زمانہ گذشتہ کی سادی زندگی نظرون سے گری جاتی ہے، خیر، اسپر اعتراض کی کوئی وجہ نہین۔ یہ تو زمانے کا رنگ ہی۔ زمانہ ہر ایک کو اپنے موافق بنا ہی لیتا ہے خواہ بضرورت، خواہ برغبت، مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہماری گذشتہ اور موجودہ زندگی مین جو فرق ہوا ہے۔ وہ کہان تک ہمارے لیے مفید یا مضر ثابت ہوا، جو اشیا ضرورت اب ہماری جزو زندگی ہین، انکے بغیر ہم کسطرح زندگی گزارتے تھے، اور اب اگر یہ چیزین نہ رہین تو ہم آرام سے بسر کرسکتے ہین یا نہین۔

اگر مس شجاعت علیصاحبہ کے مضمون کے مطابق۔ ہمپر ایسی مصیبت آپڑے کہ ایک دم یہ تمام سامان آسایش جو آج ہمارے گرد و پیش ہین، غائب ہو جائین اور کسی طلسم کی طرح دنیا کا کارخانہ اچانک پلٹ جاے، تب تو بیشک ہمکو زندگی اجیرن ہو جائے گی، کیونکہ ہم سب کچھ نہ کچھ اس طرز زندگی کے عادی ہو چلے ہین، اور دفعتًا کسی عادت کا چھوڑنا ضرور ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہم مین سے اکثر واقف بھی نہین کہ پہلے زمانے کے لوگ کسطرح زندگی گزارتے اور دنیا کا کام کیونکر چلاتے تھے، اس صورت مین اگر (مثلاً) ڈاکخانہ ہی غائب ہو جائے، اور اسکے بجاے ایک گڑھا رہجاے، طرہ یہ کہ لوگ ڈاکخانے کے

ہادی

نام سے بھی ناواقفیت ظاہر کرنے لگین - تو بلا شک ہماری حالت اس سے بھی بدتر
ہو گی جو بیچارے میر افتخار علی کی خواب مین ہوئی اور تب ہم خواہ مخواہ قدر نعمت
بعد زوال ، کہہ کہکر سر پیٹین گے ، لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے - یا نہین -
خدا کی قدرت سے اگر اسکو بعید نہ سمجھو - تو بھی اسکی عادت سے تو ضرور بعید ہے ،
اب دوسرے پہلو پر نظر کیجئے ، یعنی کسی دوسری حکمران قوم کا اثر ہندوستان پر
پڑے ، یہ چیزین مٹنے لگین ، اور جنکو ہم ناکارہ سمجھ کر چھوڑ چکے ہین ، وہی چیزین
پھر رواج پانے لگین اس صورت مین جہان تک میرا خیال ہے ، ایسا نہین ہو سکتا
کہ ہمکو زندگی مصیبت ہو جائے ، اور ان چیزون کے جانیکا اسقدر ملال ہو کہ ہم قدر
نعمت بعد زوال کہہ سکین ، اول تو نئی چیزین اختیار کیئے ہمکو اتنی مدت نہین گذری
کہ ہم سب اپنی پرانی زندگی کو بھول گئے ہون ، دوسرے جب حکومت کا اثر رعیت
پر لازمی ہے تو ہم بخوشی اسیطرح ان چیزون کو چھوڑکر اپنی پرانی زندگی واپس
لینے کو تیار ہو سکتے ہین - جسطرح پرانی چیزین چھوڑکر نئی لینے پر آمادہ ہو گئے ،
مانا کہ کچھ دن نئی نسلین اسیطرح اس زمانے کو بحسرت یاد کرین گی - جسطرح اب پرانے
لوگ اپنے گئے ہوئے وقت کا ذکر کرتے ہین -

لیکن اپنی کھوئی ہوئی چیز کے ملنے کی خوشی ، حکومت کا اثر ، اور گذشتہ زمانے
کی ایسی سادی پرلطف اور باامن زندگی ، چند ہی روز مین اُنکو خوش دل بنا دے گی ،
ہم ہندوستانی عموماً اندہی تقلید کے عادی ہین ، لیکن بنظر انصاف دیکھا جائے تو ہماری
گذشتہ طرز معاشرت ہی ہمارے لیئے موزون تھی ، ہم چاہے اس مین کچھ ترمیم کر لیتے
لیکن وہ بالکل چھوڑ دیئے جانے کے قابل نہی ، کچھ شک نہین کہ موجودہ زمانے مین

عادی

سیکڑون چیزین خوبصورت اور آرام دہ ایجاد ہوگئین، جو پہلے نہ تھی، مگر جب
یہ نہ تھین، تب کیا ہم انسان نہ تھے، تب کیا ہمارا کوئی کام رُکا رہتا تھا، اور
تب کیا ہم ان چیزون کی ضرورت محسوس کرکے تکلیف اُٹھاتے تھے، ایسا نتھا،
ہماری جو حالت تھی ہم اس مین خوش تھے۔

ہمارے خیالات وسیع نہ تھے اور ضرورت کی چیزین اسقدر زیادہ نہ تھین
کہ ہماری ضرورتین (اُن چیزونکی خاطر سے) بڑہجاتین، اُسوقت ضروریات زندگی
کے لیئے جو چیزین لازمی تھین، وہ سستی سادی اور پایئدار تھین، اب ہمکو جن چیزونکی
ضرورت ہوتی ہی وہ گران خوشنما اور ناپائدار ہوتی ہین، آرام کے لیے یہ اور
وہ دونون یکسان ہین صرف عادت کی بات ہی، مثلاً فرش اور میز کرسی کو لیجیئے، ایک
اچھی خوبصورت کرسی اگر آٹھ روپیہ کی ملیگی، تو اسی قیمت مین دو چاندنیان بھی اچھی
ہی تیار ہوسکتی ہین، ایک کرسی پر ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا ہے، اور ایک چاندنی پہ
دس بیس، آٹھ روپیہ کی کرسی جس سے ایک ہی شخص فائدہ اُٹھاتا ہی، اگر ٹوٹ
گئی تو آٹھ روپیہ کا نقصان ہوا، اور چار روپیہ کی چاندنی جس سے دس بیس
آدمیون نے فائدہ اُٹھایا ہی، اگر جل گئی یا پھٹ گئی تو چار ہی کا،

کرسی کی مرمت مین اگر دو روپیہ صرف ہونگے تو چاندنی کی درستی مین بمشکل
چار آنے، سنتے ہین کہ کرسی پر پیر لٹکا کر بیٹھنا صحت کے واسطے مفید ہی، مگر فرش پر
پیر سمیٹ کر بیٹھنے والون کی صحت ہملوگون سے بہت اچھی تھی، ایک میز کرسی
سے آراستہ کمرا اسیقدر آرام دہ ہوسکتا ہی جسقدر ایک فرش اور نواڑی پلنگڑیون
سے سجا ہوا کمرہ، اسکی صفائی اور درستی ہین اگر دو گھنٹے سر پھرانا پڑتا ہے، تو اسکی

آراستگی مین آدہ گھنٹے۔

پھر اوس کے فرنیچر وغیرہ مین جو روپیہ ہم صرف کرتے ہین، وہ قریب قریب سب غیر ملک والون کو جاتا ہے، اور اس مین جو کچھ صرف ہوتا ہے، وہ اندازاً سب کا سب ہمارے ہی ملک مین رہتا ہے، برقی پنکھا بیشک ہمارے پرانے لکڑی کے پنکھون سے زیادہ خوبصورت ہی، لیکن اس کی دس گنی سے بھی زائد قیمت کو ملتا ہی اور پھر جب ٹوٹ جاتا ہے تو ہمکو صرف کثیر سے ولایت بھیجکر بنوانا پڑیگا کوئی بھی نہین کرتا، بلکہ نیا منگوانا پڑتا ہے، اور یون اتنا روپیہ محض نمایش کے شوق مین ہمارے ملک سے باہر چلا جاتا ہے، پرانا لکڑی کا پنکھا، ہمارے یہان کے بڑہی اسکو بنا لیتے اور ہم گھر ہی مین اسپر کپڑا منڈہ لیتے تھے، اور ہمارے ہی ملک کے غریب پنکھا قلیون کو ہمارے روپیہ سے نفع پہونچتا تھا۔ ریل نے بیشک ہمکو بہت فائدے پہونچائے سفر مین بیحد آسانی ہوگئی۔

ہمارے ملک مین تجارتی ال ئی اور عجائب چیزین غیر ملکون سے آنے لگین ہم کو دور دراز مقامات کے سفر سے فائدہ اُٹھانے اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا، مگر ان سیکڑون فوائد کے دیکھتے ہوئے کیا وہ ہزارون نقصانات نظر انداز کردینے کے لایق ہین جو اس سے ہم کو پہونچے، ہمارے ملک کی ست سی زمین بیکار ہوگئی، جسپر کاشت کرنے سے بہت آمدنی تھی، ہمارے ملک سے غلہ باہر جانے لگا جس نے ہندوستان کو بجاے زرخیز ہندوستان کے مفلس ہندوستان بنادیا۔

آے دن ریلین لڑتین اور بیسیون قیمتی جانین اُسکی نذر ہوتی رہتی ہین محض سیر و تفریح کے شوق مین ہم اپنا بہت سا روپیہ بیجا خرچ کرتے ہین،

ریل نے جو آسانیان سفر مین پیدا کردی ہین۔ اس سے نفع کم اور نقصان زیادہ اُٹھاتے ہین، ریل نہونے پر بھی لوگ سفر کرتے تھے، لیکن شوقیہ کمتر، ضرورتاً زیادہ، چونکہ اسوقت سفر کرنا دشوار تھا، لوگون کو اُسکی خواہش بھی کم ہوتی تھی، اسطرح روپیہ بچتا تھا، اور جب سفر کرتے تھے تو وہ روپیہ اپنے ہی غریب ہموطنون کے کام آتا تھا، اسی طرح ہر ایک نئی چیز ہمارے لیے کم راحت اور زیادہ مصیبت کا باعث ہوگئی ہی، پہلے لوگ جو گذشتہ زمانے کو برکت کا اور موجودہ زمانے کو زحمت کا زمانہ کہتے ہین۔ وہ غلطی پر نہین ہین۔

ان کے وقت مین اشیاء ضرورت اسقدر گران، اور ضروریات زندگی اس درجہ وسیع نہ تھین، جب وہ دیکھتے ہین کہ اس زمانے کا ایک شخص ہزار ماہوار پیدا کرکے بھی مطمئن نہین رہتا اور اس کی آمدنی صرف اس کے لیے بھی کافی نہین ہوتی، تو وہ ایک حسرت بھری نظر پچھلے زمانے پر ڈالتے ہین، جب ایک آدمی سو روپیہ کی آمدنی مین مع اپنے اہل وعیال اور تمام خاندان کے کس اطمینان اور خوشحالی سے زندگی گزارتا تھا، اور تب انکے منھ سے بے اختیار آہ کے ساتھ گزرے زمانے کی تعریف نکل جاتی ہے، درحقیقت ان کے لیے وہ زمانہ نعمت تھا، اور اب جسکو ہم ترقی سمجھ رہے ہین، ان بزرگون کے نزدیک زوال ہی، دنیا دن بدن ترقی کی طرف مائل ہی، سیکڑون چیزین جو وہم وگمان مین نتھین، ایجاد ہوگئین، اور ہزارون چیزین جو ابتک ذہن مین بھی نہین، آیندہ ایجاد ہوجائین گی، تب ضرورتین اور بڑھینگی، اور تفکرات بھی دہ چند ہوجائین گے، رہا سہا اطمینان جاتا رہے گا، اسوقت ہم کو یہ زمانہ نعمت معلوم ہوگا، جو گزر جائے گا، اور آنیوالی

نسلون کو وہ زمانہ جو اس سے زیادہ ترقی کا ہوگا۔

قدر نعمت بعد زوال بالکل بجا، لیکن نعمت تو وہی چیز ہوسکتی ہی، جو موجب راحت ہو، نہ وہ جو باعث تفکر بن جاے، موجودہ زمانے نے ہمسے سکون خاطر چھین لیا، اطمینان قلب مفقود ہوگیا، اور ہم چند در چند تفکرات مین مبتلا ہو گئے۔

انسان بیچین طبیعت لیکر پیدا ہوا ہے، اس کی فطرت یہ ہی کہ ایک رنگ مین زندگی نہین گزار سکتا، ہم نے پرانے زمانے کی طرز زندگی سے اُکتا کر، نئی چیزون اور نئے طرز کی زندگی کو بڑی ہی خوشی سے قبول تو کرلیا، اور کچھ دنون کے لیے گویا ہم بھول گئے کہ ہماری پچھلی طرز معاشرت کیا اور کیسی تھی، لیکن اب ہم مین سے اکثر ان تکالیف کو محسوس کرنے لگے ہین جو موجودہ زمانے نے ہمارے سر ڈالدی ہین، چاہے بیفائدہ سمجھ کر اظہار نہ کرین۔

اور ہم سب کو نہین، تو ہم مین سے بہتون کو، پرانے زمانے کی سادہ بیفکر اور خوشگوار زندگی یاد آنے لگی ہی۔

میرے خیال مین قدر نعمت بعد زوال اسی کو کہنا موزون ہی۔

راقم محمد حیدر علی قدوائی جگوری ساکن رامپور

رباعی

جمتا نہین ہے رنگ کسی بزم ناز کا
ہے اب تھیٹرون مین اثر سوز و ساز کا
اب قدر ہو رہی ہے پیانو کی ہر طرف
شیراز کی وہ لے ہے نہ نغمہ حجاز کا

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

اپیل

بخدمت جمیع اہل اسلام ہند متعلق اوس مقصد اعظم کے جس کے حصول پر یقیناً قوم کی قسمت کا دار مدار ہے (یعنے)

تکمیل مجوزہ محمڈن یونیورسٹی

برادران ملت ہر ایک کام کی تکمیل کے لیے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قدرت کی طرف سے ایک ساعت خاص مقرر ہوتی ہو' وکل امر مرھون باوقاتھا ۔ با اقبال اور خوش نصیب ہین وہ لوگ جو ساعت مقررہ کو پہچان کر اور اوس کے اقتضا کے مطابق اپنے حوصلون ارادون اور کوششون کا پیمانہ قرار دیکر شرف انسانی کا فرض کامیابی کے ساتھ ادا کر سکین ۔ ایسے ہی مواقع پر اشخاص خاص اور قومون کا زندگی کی کشمکش کے میدان مین امتحان ہوتا ہے اور اُسکے نتایج پر انسانون اور قومون کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہوتا ہی: میری قدرت سے باہر ہی سپاس ادا کرنا اوس ذات اقدس کا جس نے مجھکو موقع دیا کہ جس ساعت کے آنے کی سرسید علیہ الرحمۃ آخر دم تک آرزومند رہی اور جسکو قریب لانے مین نواب محسن الملک مرحوم اور مسٹر بیک مرحوم دم واپسین تک ساعی رہے اوس کے قریب پہونچنے کی خوشخبری قوم کو مین سناؤن اور اس زندگی بخش اور خوش آیند ندا سے اسلام کے خفتہ جوش اور قوم کے پژمردہ دلون مین تحریک اور تازگی پیدا کرون۔

جس مبارک ساعت کی طرف میرا اشارہ ہی' وہ ہمارے شہنشاہ عالیجاہ کا ہندوستان تشریف لاکر اپنی تاجپوشی کی مبارک رسم کا ادا فرمانا ہی' اور جس مقصد اعظم کی تکمیل قادر مطلق نے اس موقع

کے لیئے قرار دی ہے، وہ قوم کے مرکزی کالج کو یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچانا ہی، اور جس ممتاز کین
قوم کی زیر ہدایت قدرت اس کام کو انجام دینا چاہتی ہے وہ ہز ہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ
ہین اور جن مردان خدا کے جمہوری توجہ اور کوشش سے یہ سب کچھ ہونے والا ہے، وہ رسولِ
پاک کی اُمت کے نذر کرنے والے اور اون کو دنیا مین معزز اور باثروت بنانے والے اصحاب
ہین! ہز ہائنس آغا خان بالقابہ کی تحریک یہ ہے کہ دربار تاج پوشی کے وقت سے پیشتر پیشتر
مسلمانان ہند مبلغ تیس لاکھ روپیہ جمع کر کے شہنشاہ معظم سے استدعا کرین کہ اپنی تخت نشینی کی مسعود
اور مبارک تقریب کو ابدالآباد تک اور خاصکر مسلمانون کے موجودہ اور آیندہ نسلون کی ممنون
اور معترف دلون مین اپنی یادگار قایم کرنیکے لیئے مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی ابتدا فرما کر ہماری قومی
زندگی اور اقبال کی بنیاد قایم فرماوین جسکے واسطے مسلمان قرنون سے آرزومند چلے آ رہے ہین۔
برادرانِ ملت!! یہ ساعت ہماری قوم کے لیے بہت بڑے امتحان اور آزمایش کا وقت
ہی، تمام مہذب اور بیدار دنیا کی نظرایں ہماری طرف ہے، جبکہ امریکہ مین ایک کارنیگی اڑہائی کرور
اور انگلستان مین ایک رہوڈس دو کرور اور اسی طرح پر سیکڑون فیاض طبع یورپین اُمرا مخلوق
الٰہی کے نفع کے لیئے لاکھون کرورون روپیہ دیتے رہتے ہین، تو کیا امت محمدی کے سات کرور
افراد اپنے دین اور قوم کی فلاح کے لیے ایسے بیش بہا اور نایاب موقع پر جیسا کہ موجودہ موقع
قدرت سے اون کو حاصل ہوا ہی بیس لاکھ روپیہ بھی جمع نہین کر سکتے؟ جمہوری عزم اور مجموعی
کوشش کی جو قابل یادگار مثالین فرانس اور جاپان کے کارنامون مین ملتی ہین وہ دلپر نقش
کرنے کے لایق ہین۔
جاپان کے باشندے تعداد مین چار کرور سے زائد نہین ہین اور نہ مثل یورپ کے دولتمند
تھے لیکن جب انھون نے تعلیم نسوان کا ارادہ کیا تو چند روز مین چھ کرور روپیہ جمع کر لیا یعنی

فی کس ڈیڑھ روپیہ کے حساب سے جمع کر لیا ۔

اس ملک مین سات کرور کے قریب مسلمان ہین اور جس مقصد کے لئے اسوقت انسے اپیل کیا جاتا ہے وہ مسئلہ تعلیم نسوان سے بہت زیادہ اہم اور وسیع اور قوم کے لیے برکات پیدا کرنے والا ہے ، با اینہمہ اگر صرف فی کس دو پیسے وصول کیے جاوین تو بیس لاکھ کی رقم جمع ہو سکتی ہے ، سنہ ۱۸۷۰ء مین جرمنی اور فرانس مین جنگ ہوئی اور فرانس کو سخت شکست ہوئی ، اور جرمنی نے فرانس سے تین ارب روپیہ تاوان کا مطالبہ کیا ، کل یورپ سمجھتا تھا کہ یہ تاوان فرانس کو تباہ کر دے گا اور مدتون تک ادا نہو سکے گا ، لیکن فرانس کے باشندون کی قومی حمیت اور جمہوری عزم نے ان خطرات کو غلط ثابت کر دیا اور ملک کے ہر ایک باشندے نے یہان تک کہ عورتون نے اپنے زیورات بیچکر اس قومی کام مین حصہ لیا اور متفقہ کوشش سے کل تاوان ادا کر دیا اور ملک پر سے اس بار عظیم کو ہٹا دیا اور جرمنی فوج کو جو اس تاوان عظیم کے ادا ہونے تک فرانس کے ملک مین قایم رکھی گئی تھی جب تک اپنے ملک سے باہر نہ کر لیا انکو چین نہ پڑا خود ہمارے ملک مین ٹاٹا مرحوم نے اپنی جیب سے تیس لاکھ روپیہ رفاہ عام کے لیئے عطا کیا اور ہم سات کرور مسلمانون سے صرف بیس لاکھ کے خواہشمند ہین ، ہمارے صوبہ کے ایک ہندو زمیندار راجہ صاحب آوہ گڑھ نے راجپوت کالج آگرہ کے لیئے دو سال ہوئے گیارہ لاکھ روپیہ دیئے ، جبکہ ایسی مثالین خود ہمارے مُلک مین موجود ہین تو کیا وجہ ہی کہ ہم بھی اون کا ثبوت نہ دیسکین ، اور جن مثالون پر مسلمانون کی قومیت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جس ایثار سے قرون اولے کے مسلمانون نے کام لیا ہے اون کے بیان کے واسطے تو دفتر کے دفتر درکار ہین اور اگر انکی طرف ہم توجہ کرین تو ہمکو کسی دوسری قوم کے لوگون کی مثالون کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی ، قدرت کا زبردست ہاتھ پھر اشارہ کر رہا ہی کہ پردۂ غیب سے ہماری ترقیات کا آفتاب

محمد ہادی

پھر طلوع ہونے والا ہے۔

جبکہ ہماری قومی سرپرستی اور پشت پناہی کے لیے ایسے عالی مقام او معظم رئیس موجود ہوں جیسے ہز ہائنس حضور پرنور نظام مدظلہ العالی ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال۔ ہز ہائنس نواب صاحب رامپور، ہز ہائنس میر صاحب خیرپور۔ دربار بھاولپور۔ و دیگر والیان ملک و مسلمان رئیسان و سرداران قوم تو پھر یاس کی کوئی وجہ نہین اور ناکامی کا کوئی سبب نہین۔

ہز ہائنس سر آغا خان بالقابہ کلکتہ، لکھنؤ، رامپور، لاہور، کراچی، او بمبئی کا دورہ فرما چکے، اسکے علاوہ ہر ایک صوبہ کے بڑے بڑے مقامات پر سربرآوردہ اور با اثر مسلمانون کے ڈیپوٹیشن جارہے ہین اور ہر ایک ڈویژن اور ضلع کے صدر مقام پر بھی اسیطرح پر تحریک کی جارہی ہی، اور مختلف صوبجات کے ہر ایک شہر قصبہ اور قریہ مین چندہ جمع کرنے کا کام شروع کردیا گیا ہی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس قدر وسیع اور مہتم بالشان کام بغیر جمہوری مدد کے ہو نہین سکتا او اوس کی عملی شکل یہی ہی کہ ایک شہر اور قصبہ مین جس قدر ہمدرد اور با ہمت اصحاب ہون وہ اس کام مین حصہ لینے کے لیے تیار ہون اور جس مقام اور زمانے مین وہ کام کرسکین اوس سے خاکسار کو جلد سے جلد مطلع فرماوین تاکہ اونکا نام نامی اوس خاص مقام کے ڈیپوٹیشن مین شامل کرلیا جاوے اس کام کو انجام دینے اور اُس کے متعلق مکمل اہتمام کرنے کے لیے علیگڈہ مین ایک صدر کمیٹی بنام نہاد "کمیٹی تکمیل تعلیم (مسلم) یونیورسٹی قایم" ہوئی ہی جسکے پریسیڈنٹ ہز ہائنس آغا خان صاحب بہادر بالقابہ ہین متعدد وائس پریسیڈنٹ ہر ایک صوبہ کے نامور اکابر مین سے ہین، اور سکرٹری یہ خاکسار ہی اس کمیٹی نے اپنا ایک خاص صدر دفتر علیگڈہ مین قایم کیا ہی جس سے براہ راست خط و کتابت ہونا چاہیئے جو صاحب روپیہ بھیجنا چاہین وہ رجسٹرار صاحب کالج علیگڈہ کے پتہ سے روانہ فرمائین، یہ کل روپیہ بنک آف بنگال آگرہ مین بطور علیحدہ فنڈ کے جمع کیا جاویگا ورا وسکی

رسیدین ہر ایک چندہ دہندہ کی خدمت مین بھیجی جاوین گی، اگر اونکے ضلع یا صوبہ مین کام ہو رہا ہی تو اوس مین آسانی ہو گی کہ وہ اپنے قریب ہی کے دفترون مین روپیہ جمع کردین۔

برادران ملت! یہ پیام خاص ہی جو ایک عاجزانہ اپیل کی صورت مین ہر اُمت محمدی اور رکن قوم کی خدمت مین عرض کیا جاتا ہی۔ دلی توجہ اور کامل غور سے سمجھ لیجیے کہ یہ کوئی معمولی تحریک یا عامیانہ تجویز نہین ہی بلکہ یقین فرمایے کہ خالق حقیقی کی طرف سے ایک ساعت مسعود قوم کی قسمت کے فیصلہ کے لیے مقرر کی گئی ہی اور اب ہر ایک زندہ دل اور روشن دماغ اپنی قومی بہبودی کیطرف متوجہ ہی کہ قوم اسوقت امتحان کی میزان مین کیسی اُترتی ہی۔

مضطرب ہی روح پاک سر سید مرحوم کی جنت فردوس مین جنھون نے اس پودے کو لگایا تھا جسکے پہلنے پھولنے کا وقت اب آیا ہی، اور متفکر مین ارواح پاک نواب محسن الملک خان بہادر برکت علیخان، خلیفہ محمد حسین صاحب اور دیگر سر سید کے احباب و بزرگان قوم کی جنھون نے ابتدا سی اس پودے کی حفاظت اور ترقی مین حصہ لیا تھا پس اے برادرانِ ملت اب وقت ہی کہ ہم سب دنیا اور اپنی محبان صادق کو دکھلاوین کہ دین کی حمایت اور قوم کی خدمت کے لیے جو ندا ہمکو دیجاتی ہے اوسکا جواب ہم کیسے طرز عمل سے دیتے ہین اور بیس لاکھ کی رقم جمع کر لینے کو ہم ادنی خدمات قومی مین تصور کرتے ہین۔

بزرگان قوم مین نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی خوشی ابتک میرے دل مین ویسی ہی تازہ ہی کہ خواب کے بعد آنکھ کھلنے وقت تھی مگر مجکو چند سال قبل ایک خواب کے بیان کرتے وقت ایک نصیحت ہوئی تھی کہ حتی الامکان خواب کے بیان مین بہت احتیاط چاہیے لہذا مین بتصریح اسکے بیان مین تامل کرتا ہون اور اسقدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہون کہ اس خواب کا تمام تر راز محمڈن یونیورسٹی کے لفظ محمڈن مین ہی، جو سرور اور اطمینان مجھکو اس خواب سے حاصل

ہولے اوس سے مجکو تو کامل طور پر یقین ہوگیا ہی کہ اسوقت جس کام کا بیڑا قوم نے اوٹھایا ہے خداوند تعالی جلشانہ اپنے فضل وکرم سے اوسکو پورا کرنے والا ہی، ہمارے اعمال کا نتیجہ تو وہ تھا جو آجتک ہم نے دیکھا اور اب آیندہ جس امر کی ہم توقع کرتے ہین وہ محض فضل ایزدی سمجھنا چاہئے اسلئے ہمارا کام یہ ہے کہ اول بصدق دل اپنے اعمال کی خداوند غفور الرحیم سے معافی چاہین اور نہایت خشوع خضوع سے جناب باری مین عرض کرین کہ

ہر چند نیم لایق بخشایش تو ۔۔۔ بر من منگر بر کرم خویش نگر

اور پھر بلحاظ "اذا عزمت فتوکل علی اللہ" کمر ہمت چست کرکے محمڈن یونیورسٹی کے سرمایہ کو انھین آیندہ چند مہینون مین فراہم کرین اور خداوند دن لاوے کہ محمڈن یونیورسٹی قایم ہو اور ہم یہ کہنے کے قابل ہون کہ ھذا انا وہلی و ریاضی دار السلام

خاکسار مشتاق حسین آنریری سکریٹری محمڈن کالج علیگڈھ

کلام رشید و عارف

حضرت رشید و جناب عارف سلمہا اللہ تعالی نبیرگان میرانیس مرحوم منجملہ اساتذہ لکھنؤ کے ہین انکا کلام اعلے درجہ کا اور خاندانی مخصوص ہونا تمام صاحب کمالونکے نزدیک مسلم ہی جس طرح ان بزرگون کا کلام ہمارے ادبی رسائل کے لیئے باعث زینت و مباہات ہوسکتا ہی اسی طرح وہ نایاب بھی ہی خوش قسمتی ہی اُن رسائل کی جوان حضرات کے لاجواب کلام شائع کرنے کی عزت حاصل کرین اسوقت ہم حضرات رشید و عارف کے نادر کلامون سے ناچیز "الناظر" کے صفحات کو رونق دیتے ہوے منشی محمد حسین صاحب محوی کے شکر گذار ہین جنکی وساطت سے یہ غزلین دستیاب ہوئی ہین اور بشکر اندر نعمت مزید نعمت" کے مصداق ہم امید رکھتے ہین کہ آیندہ بھی وہ "الناظر" کے لیے ایسے بیش بہا جواہرات ہم پہونچا کر ہمین شکریہ کا موقع دینگے

اڈیٹر

کلام رشید

اور بگڑے ہین مزاج آپ کے دیوانون کے
آج در بند کیے جاتے ہین زندانون کے

سیئے جاتے ہین کفن آپ کے دیوانون کے
تار دامن کے ہین ٹکڑے ہین گریبانون کے

تھرکی آج چلی تیغ نگاہِ ساقی
چور شیشے ہوئے ٹکڑے ہوئے پیمانون کے

دل جگر پڑھتے ہین کلمہ ترا ملک تن مین
ساری بستی مین یہ دو گھر ہین مسلمانون کے

دل بنے ہین ہوس بوسہ مین زلفون کے اسیر
ابتو آپہونچے ہین نزدیک ترے شانون کے

وصلتِ شمع کی شب بھر تو رہی سر مین ہوا
صبح کو بزم مین پر اُڑتے تھے پروانون کے

شام سے وصل مین کہتے ہین ستانے کیلئے
موتی ٹھنڈے ہوئے جاتے ہین مرے کانون کے

کیا ترے نام مین تاثیر ہے سبحان اللہ
ایک دل ہوگئے تسبیح کے سو دانون کے

شاعرون کے لیے توہین کا باعث ہو رشید
تم نہ بیٹھا کرو مجمع مین سخندانون کے

کلام عارف

شرارے جو شمشیر قاتل سے نکلے
لہو بنکے سب حلق بسمل سے نکلے

تری آرزو کس طرح دِل سے نکلے
یہ لیلی نہین وہ جو محمل سے نکلے

اثر دیکھئے میری فرقت کی شب کا
ستارے جدا ماہِ کامل سے نکلے

وہ بھولے رہین سیر کے دیکھنے مین
بلا سے مرا دم جو مشکل سے نکلے

اُٹھاتے ہو گر بزم سے عاشقون کو
کہو پہلے پروانہ محفل سے نکلے

عجب اون سبے میرے ماتم مین رونا
خدا جانے دو اشک کس دل سے نکلے

مسئلہ ازدواج نمبر ۲

(سلسلہ کے لیے دیکھو پرچہ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء)

ہندوستان کی اسلامی جماعت مین جسقدر ازدواجی پیچیدگیان پیدا ہوگئی ہین اور رسم و رواج نے اسمین جو الجھنین پیدا کر دی ہین اب انکے نقصانات ایسے غیر محسوس نہین رہے کہ قومی درد رکھنے والے اس بارہ مین صرف سرسری توجہ سے کام لین اور جو مضرت رسان اثر اسکا آیندہ نسلون پر پڑ رہا ہی اُس سے اغماض کرین، زنانہ و مردانہ رسالون اور اخبارون مین کثرت سے اس قسم کے مضامین نکل رہے ہین، جنسے اندازہ ہوتا ہی کہ نہ صرف مرد ہی اس گرداب بلا کے چکرون کو محسوس کرتے ہین بلکہ طبقہ خواتین مین بھی ایک ہل چل مچی ہوئی ہی اور انفرادی ہستی سے نکلکر اس مسئلہ نے قومیت کا رنگ اختیار کر لیا ہی، اور کثیر التعداد افراد جنسے قومی شیرازہ مرکب ہی اس سوز پنہان مین مبتلا ہین، جسکو دوسرے لفظون مین اسطرح ادا کیا جا سکتا ہی کہ اب مجموعی طور پر تمام قوم عقد و مناکحت کے ان نامناسب طریقون سے جو انسان کو سکون و اطمینان کے کشت زار سے ہٹکا کر سوزش و پریشانی کی غیر متناہی وادیون مین گم کردہ راہ بتا دیتے ہین نہایت متذبذب حالت مین مبتلا ہوگئی ہی،

یہ صورتین اُن خود غرض والدین کی پیدا کی ہوئی ہین جو اولاد کے حقوق غصب کرنے کے عادی ہوگئے ہین اور اپنے تئین اسکا واقعی مستحق سمجھتے ہین کہ اونکی اولاد یا وہ مستوجب شفقت جنپر اُنکو حقوق ولایت حاصل ہین، نہ صرف اُنکے زیر اثر ہی رہین اور اپنی قوتون کے نشو و نما تک اُنکی رہنمائی سے استفادہ حاصل کرین بلکہ اپنے محسوسات، جذبات، خیالات، وغیرہ کو بھی اپنے بزرگون یا ولیون کی طبیعت اور

خیال کے تابع کردیں اور ایک غیر آزادی اور بے مزہ زندگی اختیار کرکے اپنی آپنے اونکا مشغلہ بنائیں، اور زندگی بھر اونکے تجویز کردہ دستور العمل کی پیروی کرتے ہیں۔

اس زعم باطل کے دلوں میں راسخ ہونے سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوے۔

(۱) کمسنی کی شادی، اپنے پاس روپیہ ہی، خرچ کرنیکو جی چاہتا ہی، نام و نمود کی خواہش ہی، (نیز صحیح مصرف معلوم نہیں) یا کسی عزیز سے بہت خصوصیت ہی، ازدیاد الفت کے خواستگار ہیں، دونوں بچے ابھی چھوٹے ہیں، مگر چونکہ جانتے ہیں کہ ہماری رائے کے مطابق ان کو سب کچھ کرنا چاہیئے اسلیے قبل از وقت ہی شادی رچادی، شعور پاکر خواہ اونکی طبیعتیں کیسی ہی مختلف کیوں نہو جائیں۔

ایک بھائی کے لڑکا ہی دوسرے کے لڑکی پیدا ہوئی، فوراً منگنی ہوگئی، خواہ دونوں کے دلوں کی ساخت آیندہ چل کر کیسی ہی مختلف واقع ہو،

ایک بہن کے کچھ ہونیوالا ہی، بڑی بہن فکر میں ہی خدا کرے لڑکی ہو، ننھے کی دولھن آئے، خواہ پھر کیسی ہی صورت پیش آئے، لڑکی کی تربیت کسی قسم کی ہو، لڑکا کیسی ہی مختلف سوسائٹی کے زیر اثر ہو، مگر ٹھیکرے کی منگنی ہی، شادی ضرور ہوگی،

اولاد نہیں ہوتی تھی الله آمین کا ایک بچہ ہی، ان کے دل میں ارمان بھرے ہیں، باپ بھتیجی سے کرنا چاہتے ہیں، ماں اپنی بھانجی سے، اپنے رشتوں کی مضبوطی کا خیال ہی، جسکا پلہ بھاری ہوا اوسی سے لڑکا بیاہ دیا گیا۔

(۲) بے مرضی کی شادی، ایک دوست ہیں نہایت متمول، ذی اقتدار، صرف ایک لڑکی ہی، ان کی دولت پر رال ٹپکی، فوراً لڑکے کا پیام دے دیا، (صاحبزادے منسوبہ کی صورت سے گھبراتے ہیں مگر والد صاحب کی مصلحت سے مجبور ہیں) کسی شاہ صاحب کے مرید ہیں، خاندان بھر سے عقیدت ہی، اونکا ایک لڑکا ہی، ان سے بیٹی کے لئے کہا، فوراً حامی بھرلی، زہی قسمت

زہے نصیب، پیر صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہو، عاقبت درست ہوگی، بیوی نے کیا اختلاف لڑکی ماں کا رنگ دیکھکر دل میں کہتی ہو خدا کرے یہاں نہو۔

(۳) زبردستی کی شادی، صوفیہ بچپن سے ثاقب سے نفرت کرتی ہو ثاقب کی طرف سے پیام آیا، سب منظور کرتے ہیں، صوفیہ روتی ہو، سہیلیوں کے ذریعہ سے ماں کو اطلاع ہوتی ہو، وہ کہتی ہو اب کیا ہوگا، انکار کیسے کریں، لوگ کیا کہیں گے۔ صوفیہ اپنی موت کی دعا کرتی ہو، مگر نکاح کے وقت ایجاب سے انکار نہیں کرتی خاندان بھر کی ناک کٹ جائے گی۔

احمدؔ کو رضیہ سے لگاؤ ہوگیا وہ چاہتا ہو اس سے شادی ہو جاسے، باپ نے حُسنے سے رشتہ قائم کرنا چاہا، اُسنے انکار کردیا غضب ہوگیا، باپ دہمکار ہو ہیں، نہ عاق کردونگا۔ تیری یہ مجال، میرا کہنا نہ مانے، انکار کرد تو گھر سے نکلو، بکراہت نکاح قبول، بیوی کو دیکھا، تو ہوش غائب مدات کو باپ کے بکس میں سے دو سو روپیہ نکال کر فرار ہوگئے۔

(۴) مہل شادی، دنیا کی دیکھا دیکھی کبھی خود شادی کرنے کا خیال ہی نہیں آیا، سب سگے ماں باپ کر دیا کرتے ہیں ہماری بھی ہو ہیگی، نکاح ہوا، بیوی آگئی، نہ خوشی ہوئی نہ رنج، نہ مدارج حیات میں کوئی اضافہ ہوا نہ تخفیف، ہندوستانی مسلمانوں میں عامتاً اسی قسم کی شادیاں ہوتی ہیں، یوان ضمنوں میں کسی نہ کسی کی تحت میں ضرور آجاتی ہیں، اور بمشکل ایسی مثالیں ملیں گی، جس میں ابتداہی سے باقاعدہ طریقہ پر اوسکی حکمت اور مصلحت کو ملحوظ رکھکر عقد کیا گیا ہو، اور وہ صورتیں ایسی بظاہر بدقسمت لیکن دراصل خوش قسمت لوگوں کو پیش آتی ہوں گی جن کے سروں سے اونکے اولیا کا سایہ اُٹھ چکا ہوگا، کیونکہ یہ مسلمہ امر ہو کہ باپ اور بیٹے یا ایک بچے اور بوڑھے کے خیالات میں کم از کم اوسیقدر فرق ضرور ہوگا جسقدر دونوں کے زمانہ اور تمدن میں قدرتاً انقلاب ہو چکا ہو اور یہ بھی ایسی صورت میں جبکہ یہ فرض کرلیں کہ دونوں طبائع، اُفتاد، تربیت میں بالکل یکساں ہیں،

حالانکہ یہ ناممکن ہی، پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ اولیا، اور والدین جو شادی کرتے ہیں اگر حسن اتفاق سے اپنے ذاتی اغراض کو دخل بھی ندیں اور مصلحت کوشیوں سے قطع نظر بھی کریں، تاہم اون کا انتخاب ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا، اور لطف یہ ہی کہ ایسے حضرات اپنے خیالات اور حیات کے اعتبار سے جس نتیجہ پر پہونچتے ہیں، اور جس معیار سے انتخاب کرتے ہیں، اُسی نتیجہ پر پہونچنے کے اولاد سے بھی خواہشمند ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس انتخاب میں اونکو عذر ہونا کیا معنی وہ بھی اُسے ایسا ہی پسند کریں جیسا ہم پسند کرتے ہیں۔

چونکہ یہ طرز عمل ایک عرصہ دراز سے ہوتا آرہا ہی، اس لیے طبائع اسکی عادی ہوگئی ہیں لیکن اُسکے نقصانات اسقدر تکلیف دہ اور پریشاں کُن صورتوں میں ظاہر ہو رہے ہیں کہ اکثر نوجوان شادی ہی کو بُرا سمجھنے لگے ہیں، اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اس حکم سے غافل ہوتے جاتے ہیں، ”وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً“، یعنی اوسکی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہی کہ اوس نے تمہارے لیے تمھاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں، تاکہ تمھیں اونسے راحت ملے، اور تمہارے درمیان پیار و اخلاص پیدا کیا۔

کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ راحت ملنا تو درکنار اور مصیبتوں سے پالا پڑجاتا ہی، اور پیار و اخلاص پیدا ہونیکے بجاے دو مسلمان آدمیوں میں نفرت اور ناموافقت قائم ہوجاتی ہی، پس ضرورت ہی کہ اِن مراسم اور رواجوں میں جنھوں نے اختیارات کو غلط صورت پر منتقل کردیا ہی ضروری ترمیم و تنسیخ کرکے اوسکی اصلاح کیجائے۔ اور طبائع کے رجحانات کو ملحوظ رکھتے ہوے خاص قواعد ترتیب دیے جائیں۔

اسمیں شک نہیں کہ رسم و رواج کی وقعت ہر ملک اور قوم میں بمنزلہ ایک قانون کے ایسی مستحکم اور مضبوط ہوتی ہی جسکے احکامات کی خلاف ورزی یا عدم متابعت اُن افراد کے لیے

جو قومی سوسائٹی کے ممبر ہیں قریب قریب ناممکن بلکہ محال کے سمجھی جاتی ہی، اور گو یہ مروجہ پابندیاں کتنی ہی صریحی اور بدیہی طور پر کسی اہم سے اہم اور بڑے سے بڑے نقصان پر منتہی ہوتی ہوں اور ان پر عمل درآمد نے سے خواہ کتنا ہی سخت سے سخت مضرت رسان نتیجہ مرتب ہوتا ہو، مگر انسے گریز کرنے میں صاحبان عقل سلیم بھی کسقدر بے جھجکتے اور اجنبیت محسوس کرتے ہیں، مگر

" خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جبتک کہ قوم خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نکرے "

اسلیئے ہمکو مراسم عائدہ کی اون بوسیدہ تہوں کو جس نے اصلیت کی آب و تاب کو چھپا رکھا ہی اُتار پھینکدینا چاہیئے، اس سے یہ مراد نہیں ہی کہ نفس معاملہ میں جو بصورت معاہدہ ایک مذہبی حیثیت رکھتا ہی کوئی تغیر تبدل کیا جائے، یا اوسکے طرز انعقاد کو بدل دیا جائے، یا یہ کہ اولیا اور والدین کو اس معاملہ میں قطعی دست اندازی کا موقع نہ دیا جائے، بلکہ جو اُمور اس خوشنما نظام ہستی میں داخل ہوکر اوسکے حقیقی لطف سے محروم کر دینے والے ہیں اونکو دُور کرنا چاہیئے۔

عقد و مناکحت کے بارے میں والدین اور اولیا کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی اغراض اور مصلحتوں کو بالکل بالائے طاق رکھکر خود اولاد کو تجویز و انتخاب کا موقع دیں، اور خود اس فرض کو انجام دینے کے بجائے اونھیں کو اسمیں امداد دیا کریں، کیونکہ جو چیز اپنی طبیعت کی پسندیدگی سے انتخاب کیجاتی ہی اوس سے رغبت ہونا لازمی امر ہی، اس سے انکار نہیں کہ زمانہ موجودہ میں عموماً زوجین کے مناقشات نامناسبت طبائع اور اختلاف خیالات کا نتیجہ ہیں، مگر جبکہ خود فریقین نے اپنے لیئے شریک زندگی بہم پہونچایا ہی تو جذب حسی پیدا ہوچکا تھا، اور یہی حقیقی مقصد ازدواج کا ہی۔

اعمش کہتا ہی " جو نکاح بے دیکھے کیا جائیگا، اوسکا انجام وہی رنج ہوگا "

سوال یہ ہوتا ہی کہ فریقین کو بذات خاص انتخاب کرنے کے مواقع ملنا کیسے ممکن ہی، اسی کے جواب میں کہنا پڑتا ہی کہ رسم و رواج کی پُرانی چادر کی دھجیاں اُڑاکر سچا اور مذہبی طریقہ اختیار کیا

جائے، مذہب نہ صرف عقبیٰ ہی درست کرتا ہی بلکہ وہ نظام تمدن کا بھی بڑا حامی ہی، اور اسلام خصوصیت کے ساتھ اس بات کا مقتضی ہو کہ وہ معاشرت کو بھی مہذب بناتا ہی، اور ہم مسلمان اسپر جائز طور پر فخر کرسکتے ہیں، مذہبی طور پر جب ہم اس امر میں غور کرتے ہیں تو نبی مکرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جنکا ہر ارشاد ہمارے لئے واجب التعمیل اور ہمارے دینی و دنیوی فلاح کا باعث ہی) یہی حکم دیتے ہیں کہ

"جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطبت احدکم المراۃ فان استطاع ان ینظر مابں عواتی نکاحہا فلیفعل رواہ ابوداود"

"جب تمکو کوئی رشتہ کرو کسی عورت سے تو اگر اوس عورت کے دیکھنے پر قادر ہو تو ضرور دیکھ لو" (مشکوۃ شریف)

مگر وہ لوگ جو حق بات کے سننے اور مفید خیال کے اظہار سے گھبراتے ہیں اور لکیر کے فقیر بنے رہنا پسند کرتے ہیں اس صریح حکم میں تاویلیں کرنے کے خواہشمند ہوکر "تو اگر اس عورت کے دیکھنے پر قادر ہو" کے الفاظ سے اس ارشاد کی تعمیل مشروط کرنے کے ساعی ہونگے انکے اطمینان کیلئے ایک دوسری حدیث جس میں صراحت کے ساتھ بلا استثنا، حکم ہی پیش کیجاتی ہی،

"عن ابی هريرة قال خطبت رجل امرا من الانصار فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم هل نظرت اليها قال لا فامره ان ينظر اليها" (سنن نسائی۔ جلد دوم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے انصار میں سے کسی عورت سے رشتہ کیا تو اوس شخص سے حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تمنے اُس عورت کو دیکھ لیا ہے اُسنے کہا نہیں دیکھا آپ نے حکم فرمایا کہ اُسکو دیکھ لے۔

پُرجوش اور سچے مسلمان جو اپنی تمام زندگی اور اوسکی ہر حالت کو مذہب کے تحت میں رکھنے کے عقیدت مند ہیں اُنکو یہ باور کرانیکے لئے کہ "زوجین کے باہمی محبت ہونا ایک بڑی ضروری چیز ہی، اور اس کے لیے دیکھنا پہلے سے مناسب ہی"، اس کلیہ کی تائید میں ایک اور تیسری حدیث دکھلاتے ہیں

"عن المغیرہ بن شعبہ قال خطبت امراۃ" مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے

علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم النظرت الیھا قلت لا قال فانظر الیھا فانہ احد ران یودم بینکما"
سنن نسائی جلد دوم

رشتہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ا تو نبی صلعم نے فرمایا کہ کیا تونے اوسکو دیکھ لیا ہو میں نے عرض کیا نہیں، پھر فرمایا تو اوسکو دیکھ لے کیونکہ دیکھنا زیادہ اچھا ہے ما بین محبت بڑھانے کے لیے۔

ان احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ شارع علیہ السلام نے کیسا پُرحکمت اور صحیح قاعدہ ازدواج کے لیئے بتایا ہو کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ ایک دوسرے کو بغیر دیکھے پسند کرسکے، اب جبکہ مردونکو (جن سے عورتیں پردہ کرتی ہیں) ایسی صورت میں دیکھنے کا حکم دیا گیا ہو، تو عورتیں لامحالہ مردوں کو دیکھکر انتخاب کرسکتی ہیں، ہر فعل کی بُرائی کا مدار نیت پر ہو، دنیاوی قانون میں بھی کوئی فعل جو نیک نیتی سے کیا جائے جُرم نہیں ہو، کفو اور خاندان میں شادی کرنا اسی وجہ سے مستحسن قرار دیا گیا تھا کہ چونکہ قریبی تعلقات ہونے کی وجہ سے میل جول اور آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہو، اسلیے بہ نسبت غیر جگہ اور نئے مقام کے زوجین کو قبل از شادی ایکدوسرے کو دیکھنے بھالنے کا اور جانچ و اندازہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہو، اور کافی طور پر طبائع کا اندازہ ہوسکتا ہو، نیز چونکہ خاندان مجموعی حیثیت سے ایک ہی پایہ اور پوزیشن رکھتا ہو، بیشتر خیالات اور معلومات میں مماثلت و یگانگت ہوتی ہے، اسلیے باہمی خصوصیت زیادہ مضبوطی سے قائم رہیگی، ان سب باتوں کو ملحوظ رکھکر جب موجودہ طریقہ پر نظر ڈالی جاتی ہو تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہو، خالہ زاد ماموں زاد چچازاد اور اسی طرح قریبی رشتہ کی بہنیں یوں تو قطعی نہیں پردہ کرتیں اور اسکو ایک خاص اظہار خصوصیت کا معیار قرار دے رکھا ہو، مگر جب انہیں آپس میں کوئی رشتہ ہوجاتا ہو تو تا انعقاد نکاح نہ صرف اُس آیندہ ہونیوالے شوہر سے بلکہ اُسکی ماں بہنوں حتی کہ اُس محلہ کی عورتوں اور اُنکی خادماؤں تک سے پردہ کرادیا جاتا ہو، جس کے یہ معنی ہیں کہ اُن لوگوں کی نظریں اسقدر ناپاک ہوگئی ہیں کہ ایک

معصوم اور دوشیزہ کو دیکھنے کی مجاز نہیں رہی یا یہ کہ خود منسوبہ اسقدر ذلیل ہو گئی کہ اس تعلق کے قائم ہو جانے سے وہ خود ان کے سامنے آنے کے قابل نہیں رہی، لطف یہ ہے کہ امیدواران ازدواج کو قبل از نکاح ایک دوسرے کی صحیح حالت سے بھی مطلع ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا، وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہمکو آیندہ کیسی زندگی بسر کرنا ہوگی، کس سے واسطہ پڑیگا، اپنی طبیعت کا رنگ (جو اگرچہ بدل نہیں سکتا) کیسا رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے، کبھی کوئی شفیق ماں باپ اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کے منہ سے اوسکی شادی یا نسبت کا کوئی تذکرہ سننا گوارا نہیں کرتے، اسکی رائے لینا تو بڑی بات ہے، اس تذکرے کو اسکے سننے کے روادار نہیں، ابتدا ہی سے اُسکو یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب تمھاری شادی بیاہ وغیرہ کے متعلق گفتگو ہو تو تم زبردستی شرمیلا منہ بنا کر بیٹھ جاؤ، بلکہ اس جگہ سے اُٹھکر چلدو، تم کو ایسی باتیں نہیں سُننا چاہئیں، اور جب تک ہم تمھاری قسمت کا اٹل فیصلہ نہ کردیں تم دم نہ مارو ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

اور کہاں تو شارع اسلام کا یہ حکم جس سے رشتہ کرو اوسے ضرور دیکھ لو، کہاں یہ عمل درآمد کہ لڑکی کو اُن عورتوں سے جنکی نسبت یہ احتمال ہو کہ شاید رشتہ لیکر آئی ہوں چھپا دیا جائے، کسی مرد کا اپنی زوجیت کے لیے کسی عورت کا انتخاب کر لینا گویا بیحیائی، بیعزتی، کا سارٹیفکٹ حاصل ہو جانا سمجھا جاتا ہے، سعادتمندی کے یہ معنی ہیں کہ ماشاطہ نے کسی لڑکی کی تعریف آکر ماں سے کردی، وہ رضامند ہو گئیں، بیٹے نے بلا چون وچرا آمنا صدقنا کہدیا، یا خاندان اور کفو کی شاخ لگی ہوئی ہے، اصلی مصلحت تو تشریف لے گئی، نمایشی افتخار اور تعزز کا رکھ رکھاؤ ہو رہا ہے، اپنے ہی کنبہ میں بیٹی لیتے دیتے ہیں، غیروں سے تعلقات نہیں ہیں، نہ آیندہ کرنا چاہتے ہیں۔

فریقین ایک دوسرے سے متنفر ہین، بات تک کرنا گوارا نہین، مگر شادی ضرور ہوگی، کیون؟ گھر کا لڑکا ہی گھر کی لڑکی، کچھ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہین، جیسے ہم دیسے وہ، لڑکا بُرا ہی، تو کہا جائیگا، بھئی کیا کریں، اگر جسم کا کوئی حصہ خراب ہو جائے تو کیا اُسے کاٹ ڈالین، لڑکی مین نقص ہی تو کہا جاتا ہی، کُنبہ کی بیٹی ہی، بھرنا ہی پڑیگا، کوئی غیر تو نہین، یون ہی ہوا کرتا ہی، سمجھ مین نہین آتا یون ہی کیون ہوا کرتا ہی. کیون بھرنا پڑیگا، اسی سے تو ساری خرابیان پھیل رہی ہین، بیشک اگر جسم کا کوئی عضو خراب ہوگیا ہی تو اُسے کاٹ ڈالنا چاہیئے۔

یہ ایک نہایت خوفناک اور وحشیانہ حرکت ہی (گو وہ نیکی ہی سہی) کہ خاندان یا قبیلہ کی آبرو رکھنے کے لیئے اور اُسکے اعزاز و افتخار کے تحفظ کی غرض سے انکی قربانی کیجائے۔ ورثا، اور والدین کو کیا حق ہی کہ اوس قومی یا خاندانی درد کا جسکی اُنکے دل مین کسک ہی مجبلنا اولاد کو فدیہ بنائین

ایک عزیز کی لڑکی غیر تربیت یافتہ، جاہل، بیوقوف، ادنی طبیعت کی ہی، اب اس غرض سے کہ دوسری جگہ سے اونچے پایہ کا کوئی شخص یا ہم جیسا آدمی خواستگار نہ ہوگا، لہذا خاندانی وقعت قایم رکھنے کے لیئے اپنے لڑکے سے اس کی شادی کرلین، کیا خوب، اُس غریب کا قصور، خطا، یہی ہی کہ ان پاکیزہ دل عورتون کا ہوتا ہی جنکے خاندان کے آوارہ لڑکے ہر کسی دوسری جگہ اپنا ارادہ کرنے کی جراٗت بھی نہین کرسکتے اپنے (مفروضہ) خاندانی تفوق کے زور سے ان بیکسون کی قسمت کے مالک ہو جاتے ہین، دو نفوس ایک سلسلۂ حیات مین جکڑے جانیوالے ہین، ہمیشہ کے لیے اُنکے اختیارات سلب کرلینا کسقدر سختی اور بیرحمی ہی اس سنگدلی کی کوئی حد ہی کہ کرین آپ اور بھگتے اولاد، اس ظلم کی کوئی اُنتہا ہے کہ زید کے افعال کی پاداش مین بکر مستوجب ضید ہو جائے، اور پھر اُس فیصلہ کا اپیل نہ مرافعہ، جو پڑے اُٹھاؤ،

کیا اس سچے اور برگزیدہ ہادی برحق کی ہدایت کی یہ تعمیل ہی، توبہ توبہ نعوذ باللہ، یہ، تو

کھلم کھلا رسول مقبول کے احکام کی خلاف ورزی اور علانیہ مخالفت ہے۔ سمجھ مین نہین آتا مذہب نے جو اس بارے مین بہترین فیصلہ کیا ہے اور جس سے گریز کرنے مین ہزار ہا مفاسد اور مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اسوقت تک پورے طور پر اُسکی پابندی کرنے مین تکلف اور تامل کیون ہے ؟

جس قوم کی قوت امتیاز اس درجے تک سلب ہو چکی ہو، جس قوم نے بُرائی کے معیار کو بھلائی سے بدل رکھا ہو، جس قوم نے اپنے ایسے بہترین اصولون کو جن سے دوسری قومون نے استفادہ حاصل کر کے ترقی کی ہو چھوڑ رکھا ہو اُس کی بدنصیبی مین کس کو شک ہو سکتا ہے۔

کیا کوئی قوم جو اپنی آیندہ نسلون کے ساتھ اسقدر ناگوار سلوک کر رہی ہو، وہ ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھ سکتی ہے، کاش خودغرض افرادِ قوم اب بھی اپنی خودغرضانہ طرز روش کو بدلنے کے لیئے تیار ہو جائین اور رسم و رواج کے انقلاب سے قومی شیرازہ مین اصلی اور حقیقی مسرت کی روح کو نشوونما حاصل کرنیکے محرک ہون۔

ارشد تھانوی

رباعی

پابند رہو جہان مین یا ہو آزاد
ممکن نہین آپ رہ سکین یان دل شاد
ہونے کا کبھی، کبھی نہونے کا غم
انسان کے مزاج کی ہے ایسی اُفتاد

ساجن موہنی یا تسخیر شوہر

پر ریویو

یہ سوال کہ شوہر کس طرح رضامند رہ سکتے ہین، ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۰ء کے رسالہ عصمت مین شایع ہوا تھا، اسی کے جواب میں مسز سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ نے یہ رسالہ لکھا ہی، لائق مصنفہ نے پہلے حصہ مین عورت کے مراحل زندگی کو تین دوروں میں منقسم کیا ہی۔

دور اول زمانہ عروسی،

دور دوم زمانہ وسطےٰ،

دور سوم بڑھاپہ کا زمانہ،

اسکے بعد بطور خلاصہ کتاب عورت کو خاوند کے رضامند رکھنے کی شایستہ ترغیب دیگئی ہی اور وہ اصول بتائے ہین جن سے شوہرون کی اصلی رضامندی حاصل کیجا سکتی ہی۔

رسالہ ہذا کی مصنفہ نے جیسا کہ بیان کیا ہی زوجہ کے لیے شوہر کی رضامندی کا بہت بڑا گُر اوسکی اطاعت و عزت کرنا، راستی، راستبازی، پارسائی، پاکیزگی، حسن ظنی، اُسکے سلوکون کے معاوضہ مین شکرگزاری، کفایت شعاری، انکسار، قناعت، متانت، خوش سلیقگی، شوہر کی آرام رسانی، وفاداری، وغیرہ وہ اوصاف جو ایک عمر بھر کے رفیق کیلیئے مناسب و شایان ہین اختیار کرنیکی ترغیب عورت کو دلائی ہی، انھین زرین اصولوں پر عمل کرنے سے حقیقت مین شوہر ہمیشہ خوش اور رضامند رہ سکتے ہیں۔

دوسرے حصہ "تسخیر زوجہ" مین مردون کو مخاطب کرکے اُنھین عورتون کیساتھ حسن سلوک اور مراعت اختیار کرنے کے اصول بتلائے گئے ہین، یہ حصہ دراصل پہلے

عطر! عطر!! عطر!!!

کارخانہ شیخ سخاوت حسین لکھنو

لکھنو ہندوستانی فیشن کا مرکز ہی- اور اس تباہی و بربادی کے زمانہ مین بھی اخلاق وطرز معاشرت مین سارے ہندوستان کی رہبری کر رہا ہی- اور تمام باتین در کنار خاص عطر کے بارہ مین جو اعتدالی خرابی و نفاست و دماغی کا سب سے و قوتی بامزہ محافظ ہی اُسمین بھی اسوقت تک کوئی شہر لکھنو کی ہمسری کا دعوےٰ نہین کر سکا- لکھنو اپنے عطرونکی اعتبار سے آج تمام شہرونپر اپنا نمایان فخر ظاہر کر رہا ہی- صرف یہ کہنے کیلئے بلکہ امتحاناً اس کارخانہ سے جو کہ عرصہ سے جاری ہی طلب فرمائیے- نا پسند ہو واپس کر دیجئے- ہان محصولڈاک تو آپسے لیا جائیگا- مگر پوری قیمت بعد واپسی فوراً روانہ ہوگی روپیہ نقد آنے پر یا بذریعہ ویلوپی ایبل تعمیل ہو سکتی ہی-

عطر

نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ
عطر حنا	عہ؍ للعہ؍ سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر گل حنا	سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر مجموعہ	عٹگا؍
عطر موتیا	صہ؍ للعہ؍ سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر مشک	عمہ؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر سوہاگ	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍
عطر چمیلی	صہ؍ للعہ؍ سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر گلاب	عہ؍ صہ؍ للعہ؍ سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر آگر آستہ	للعہ؍
عطر کیوڑا	للعہ؍ سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر جوہی	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر آگر	سے؍ صہ؍
عطر خس	سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر سنگترا	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر مخلوط آتشی	صہ؍
عطر فتنہ	للعہ؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر سیولی	سے؍ ٹگا؍ عہ؍	عطر مکسی	ٹگا؍
عطر چمپا	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر شمامہ	سے؍ ٹگا؍	روح خس اعلی	سے؍ صہ؍
عطر کسیری	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر رووس	ٹگا؍	روح مشک اعلی	للعہ؍ سے؍
عطر باڑی	ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	عطر رنگ حنا	ٹگا؍	عطر کسیری اصلی	صہ؍ سے؍
روح گلاب	مار؍ لعہ؍ لعہ؍	عطر مہندی	ٹگا؍	عطر راحت روح	صہ؍ سے؍

عمدہ اور خوشبودار تیل

غالباً آپکو بھی اسکی شکایت ہوگی کہ عمدہ اور خوشبودار تیل کم سے کم قیمت کا عام طور پر آپ نہین پا سکتے آپکی شکایت رفع کرنے کے واسطے اس کارخانے نے کوشش کی ہی- آپ ضرور منگا کر استعمال کیجئے-

فہرست

روغن چمیلی- سے؍ للعہ؍ ٹگا سیر	روغن حنا- عہ؍ سے؍ للعہ؍ ٹگا سیر	گولیان تمباکو ورقدار فی روپیہ ۲ تولہ
روغن بیلہ ۔ ۔ ۔ ۔	عرق گلاب فی بوتل ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	گولیان تمباکو بلا ورق فی روپیہ ۳ تولہ
روغن کیوڑا- عہ؍ سے؍ للعہ؍ ٹگا سیر	عرق کیوڑہ- فی بوتل سے؍ ٹگا؍ عہ؍ ۱۲؍	قوام تمباکو فی روپیہ ۳ تولہ

المشتہر

شیخ سخاوت حسین مالک کارخانہ عطر چوک لکھنو

گولیان !! گولیان !! گولیان !!

لیجئے! آپکو بقائے صحت و زندگی کیلئے اکسیر کی تلاش رہی

ہماری ایجاد کردہ آتنگ نگرہ گولیونکا نام شاید آپنے نہ سنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے بھری ہین۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون۔ ویدون اور حکیمون نے اسکا تجربہ کرکے اسکی تعریف مین ہمکو خطوط لکھے ہین۔ ہزارون سندین اور سارٹیفکیٹ اسکے موجود ہین۔ سیکڑون فرمائشین ان گولیونکی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے متواتر ہمارے شفاخانہ مین پہونچتی رہتی ہین۔ عصبی کمزوری کو جڑ سے کھودینا۔ مایوسیون کو سراپا اُمید بنانا۔ مادۂ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا۔ ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا حافظ کو قوت دینا۔ جسم کو تندرست و توانا بنانا۔ مردہ دلون مین تازی روح پھونکنا اس کا ادنی کرشمہ ہے۔ مرد ہون یا عورتین اونکے ہر قسم کے ضعف دور کرکے عالم جوانی دکھاتے ہین۔ یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین۔ اگر انہین تندرست بھی کھائے تو بیشمار فائدے اپنے جسم مین پائے۔ جن لوگون نے انہین استعمال کیا ہے اونسے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیجے یا خود ایک بار تجربہ کرلیجئے۔ **قیمت** فی بکس جسمین ۳۲ گولیان ہوتی ہین عصہ علاوہ محصولڈاک ہے اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو **ہماری کتاب کام شاستر مفت منگوا لیجئے**۔ جو اردو۔ انگریزی سنسکرت ناگری۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی۔ تامل وغیرہ زبانون مین۔ ۱۵ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہین۔ اور ہم محصولڈاک اپنے پاس سے لگاکر آپکو بھیجدینگے۔ ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کتابین ہم مفت تقسیم کرچکے ہین۔ اس کتاب کے دیکھنے سے آپ کو بہت سے مزید مفید معلومات حاصل ہوجائینگی ملنے کا پتہ۔

ویدشاستری منی شنکر گووندجی۔ آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر۔ ملک کاٹھیاوار

چوب چینی اور عشبہ کے اکتالیس مجربہ فوائد

جن کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر ازماکر کی ہے

فائدہ (۱) جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کرکے کی ہے اور سرٹیفکیٹ دیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ جب کبھی آتشک و سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سفیدی آجائے۔ چہرہ اور جسم پر داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائیں گے۔

فائدہ (۲) جسکی تصدیق چھتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابی معدہ و خرابی جگر بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر چھائیاں اور درد پیدا ہو جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی کبھی قبض ہو جاتا تھا وہ سب اس مرکب کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ (۳) جسکی تصدیق دو سو مریض آزماکر رہے ہیں خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں۔ جسم پر دانے پھوڑے پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جسکی تصدیق تینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چھلوں میں رہتا تھا اور ان سے سخت بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور بدن میں دن بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں اور آیندہ پیدا ہونا بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جسکی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں۔ غرضکہ ناسور اور جلد سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھیں اس مرکب کو چند روزہ استعمال سے ناسور سوکھ گیا اور زخم بھی بھر گئے۔

فائدہ (۷) جسکی تصدیق ستائیس بیمار کرتے ہیں ان چوتڑ سے اٹھ کر درد تمام ران اور پنڈلیوں میں پہونچا کرتا تھا۔ جس سے ٹانگ دن بدن میں سوکھتی جاتی تھی ایسکی ایک شیشی کے استعمال سے رگین باؤ اور درد جاتا رہا۔

فائدہ (۸) جسکی تصدیق چالیس عورتیں اسے استعمال کرنے کے بعد کرتی ہیں کہ انکی نلوں میں درد اور رحم سے بدبو دار پانی جاری رہتا تھا اور ایام حیض میں کمر درد سر میں درد سخت ہوا کرتا تھا۔ ایسکے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے رحم کا پانی بند ہو گیا اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

الغرض یہ چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے اعلیٰ مصفی خون ہے

جہاں بہت سی عشبہ کارہ اور نقصان رسان ثابت ہوئے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے شراب وغیرہ ملانے میں جس سے خون نہایت غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے) اس مرکب نے سریع العمل فائدے دکھلائے ہیں۔ اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر پیدا ہوتا ہے جس سے تمام چہرے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

ثبوت کیلیے اسکے استعمال سے پہلے اپنے بدن کو وزن کرو پھر ایک ماہ بعد وزن کرو۔ وزن ڈیوڑھا ہو جاویگا۔

نصف صدی سے یہ مرکب ملک کے ہر ایک حصہ میں تجربہ کیا گیا ہے آپ بھی تجربہ کرکے فائدہ حاصل کریں۔

قیمت

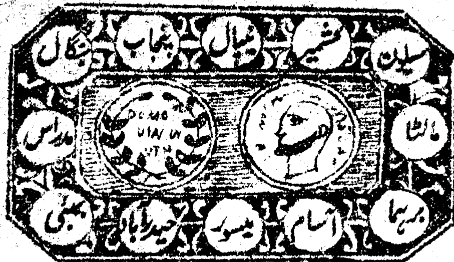
شیشی کلاں (ایک ماہ کے لیے کافی ہے) تین روپیہ (سے ر) شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ .... عہ ر

علاوہ ازین اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوائیں موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب دافعہ نامردی (للعہ ر) (۲) طلائے نادر قیمتہ (للعہ ر) (۳) دوائی سوزاک نمبر ۱ (عہ ر) نمبر ۲ (ے ر) (۴) حب دافعہ جریان (۵) حب دافعہ بواسیر (ہ ر) (۶) حب دافعہ جریان و احتلام (عہ ر) (۷) سرمہ میرا کرامالی قیمت فی تولہ (عا ر) (۸) جوہر عشبہ مصفی خون شیشی کلاں (سے ر) خورد (عہ ر) (۹) استنون مستحکم دندان (عہ ر)

نوٹ اگر آپ کسی مرض سے تنگ ہیں تو ہم سے فارم تشخیص امراض آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجکر منگائیں جس سے آپ کا مرض معلوم ہو جائیگا کہ مرض علاج کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کب تک صحت ہوگی۔

پتہ حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور۔ موچی دروازہ

کارخانہ چکن محمد عبدالرحمن و خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ



حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلہ حسن خدمات و عمدگی مال کارخانہ ہذا کو نمائش کا ۱۸۸۳ء مین تمغا اور سارٹیفکٹ عطا فرما کر سودیشی اشیاء کی حمایت اور دیسی تاجرون کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر ہماری ملکی امرا اور روسا کچھ بھی توجہ نہین فرماتے لہذا اگر آپکے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیاء کی خریداری مین سعی فرما کر صنعت و حرفت کی ترقی مین مدد دیجئے صرف ملکی اشیاء کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہوسکتا ہے مختصر فہرست ہدیہ ناظرین ہے۔

تھان کامدانی بھی بیل بوٹی کی	عـه سے عـه تک
تھان کامدانی و چکن	۸ر سے عـه تک
تھان چکن بیل بوٹہ دار	۸ر سے عـه تک
دوپٹہ کامدانی بیل بوٹے	۸ر سے عـه تک
دوپٹہ چکن بیل بوٹہ دار	عہ سے صہ تک
ساری چکن بیل بوٹہ دار	عـہ سے عـه تک
کرتے چکن ہر جسم کے لائق	۱۲ر سے للعہ تک
کلاہ چکن دوپلڑی و گول و چوگوشیہ	۲ر سے عـار تک
پلنگ پوش بخیتہ	عـار سے صہ تک
لحاف بخیتہ چھپے ہوئے	عـار سے صہ تک
فرد رضائی بخیتہ	عـار سے صہ تک

المشتہر محمد عبدالرحمن و حافظ خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ

پان مین کھانیوالی تمباکو کی مشکی گولیان و قوام و زردہ

نہایت خوشبودار خوش ذائقہ مقوی دماغ مفرح قلب جاذب رطوبات فضلیہ دافع درد دندان مصفی دہان وغیرہ وغیرہ ہین اگر ہماری تحریر کے خلاف یا کسی وجہ سے ناپسند ہون تو بذریعہ پارسل واپس فرمایئے فوراً قیمت پھیر دیجائیگی

گولیان نقرئی جو بہ مثل موتی کے ہین	فی سو پیڈ ہالی تولہ و پانچ تولہ
گولیان سادی بلا ورق کے	فی روپیہ چار تولہ و آٹھ تولہ
قوام مشکی جسکی گولیان بنتی ہین	فی روپیہ ۵ تولہ و دس تولہ
زردہ خشک مشک آمیز	فی سیر للعہ و عـار

المشتہر
محمد عبدالرحمن و حافظ خلیل الرحمن تاجران مقام لکھنؤ گلی پارچہ

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھبیس برسون سے ہندوستان مین استعمال کیجاتی ہے اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور سب قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجیئے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہے اسلیے اسکی چار یا پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی اور تلی کو گلا دیتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴ محصولڈاک ۶ ہر دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸ **قیمت** چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸ محصولڈاک ۵ ہر دو شیشی تک چھ آنہ ۶

جناب دہن راج گوپال بھاسے ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول ہیلا گاؤن کالیا برار سے لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنے دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دے رہا ہون بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہین بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہے مفصلات کے غریب آدمیون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہے **جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول منڈور ضلع باندہ** سے لکھتے ہین۔ چار شیشی دوا آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے **جناب بابو لچھمن نرائن اسسٹنٹ ماسٹر سکندرہ راؤ علی گڈھ** سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا **جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد** سے لکھتے ہین دو شیشی تاپ تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون مریض اچھے ہوگئے۔ جو قریب مرگ تھے۔ دوا اسی جان بخشی ہے آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ **جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر** سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینہ سے مبتلا تھے۔ دی۔ تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پاگئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہے۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا ازبسکہ شکر گزار ہون **جناب کالی رام نند برہمن بھرون ضلع مندسور** سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہان تک تعریف کرین **جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور** سے لکھتے ہین مین آپکا ازبسکہ شکریہ ادا کرتا ہون کہ میرے دو سال کا جو تھیا بخار تھا وہ صرف دو روپیہ مین جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ - ۶ تارا چند راسٹریٹ کلکتہ

لبھی الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

جامیست جہان نمائے ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

الناظر



فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۲ یکم اپریل سنہ ۱۹۱۱ء جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہو کر

دفتر رسالۂ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے - کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہے ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہے اس لیے غیر خالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہے جتنا غیر خالص ہوا سے تندرستی اور زندگی کے لیے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے -

ہمارے کارخانے مین اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہے اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے -

حضرت گنج متصل حق مود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنس

حضرت گنج لکھنو

الناس باللباس

مثل مشہور ہے "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" اور کپڑے کی ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہے - ہمارا کارخانہ پبلک کی خدمت سنہ ۱۸۷۶ع سے کر رہا ہے - ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہے صرف فرمایش کی دیر ہے جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ زنانہ ولایتی یا ہندوستانی کسی طرز فیشن یا وضع کی ہم نہایت کفایت اور خوبی کیساتھ تیار کر دینگے آزمایش کر لیجیے خدا سے امید ہے آپ خوش ہونگے - پیمایش کا فارم اور کپڑونکے نمونہ طلب فرمائیے -

قطب الدین مینیجنگ پروپرائٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق   سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوے

دی فونو ایکسچینج - لکھنؤ - متصل کوتوالی چوک

پاتھی فون گراموفون - راماگراف اوڈین ہیکا چیمبر آپیرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین   کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

لوکل اور بیرونجات کے خریدارون کی آسانی کے لیے خوش گلویونکی تین ہزار دو سو مختلف گانون مین سو بہتر ریکارڈونکا لکھنؤ مین صرف ایک یہی مرکز ہے جہان مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ ملسکتے ہین - ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا موازنہ اور جانچ اور اسی مقام پر آزادی سے ہو سکتا ہے یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف ہین اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہے خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمایش گاہ مین تشریف لا کر ہمارے مختلف کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشینون ورنگ برنگ کے خوشنما فلاور ہارن ملاحظہ فرمائیے ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین - ہارمونیم پیانو اسٹیل ٹرنک گیس لائٹ بلب کیش بکس جاپانی ہنی بیگ صابن اور ٹوتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہین منیجر دی فونو ایکسچینج

نمبر	فہرست مضامین		صفحہ
(۱)	فی ماہیۃ النبوۃ و مدارج الالہام	اڈیٹر	۸
(۲)	مسدس نعتیہ	سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی	۹
(۳)	عالم خیال پر ایک نظر	شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا	۱۲
(۴)	قومی فقیروں کی صدا	منشی محمد فاروق صاحب شاہ پوری	۲۵
(۵)	زمانہ اور ادیب	جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی	۲۸
(۶)	غزل نعتیہ	سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی	۳۵
(۷)	کورٹز	مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی	۳۷
(۸)	رباعیات رشید	جناب پیارے صاحب رشید لکھنوی	۴۵
(۹)	غزل	مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۴۶
(۱۰)	غزل	ابوالخیر محمد حبیب اللہ صاحب مجیب فرنگی محلی	۴۶
(۱۱)	حرمت نسوان	ف۔ک	۴۷

الناظر

نمبر ۲۲ جلد ۴ یکم اپریل ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فی ماهیة النبوة والمدارج الالہام

صانع حقیقی نے خلقت انسانی اس طرح وضع فرمائی ہے کہ اگرچہ کھانے پینے سونے وغیرہ ضروریات مین دیگر حیوانات کے ساتھ یہ خاکی نژاد انسان بھی شریک ہے لیکن ایک قوت مخصوص کے سبب جسے ہم قوت مدرکہ اور نور بصیرت سے تعبیر دیتے ہین تمام حیوانات سے ممتاز اور اشرف ہے۔

جو قوار حسی انسان اور حیوان کے درمیان مشترک ہین اون کی خلقت اس طریقہ پر ہی جو بغیر سیکھے اور صحبت اُٹھائے خود بخود نشو ونما پاتے اور عمر کے ساتھ قوی اور مضبوط ہوتی جاتی ہین محسوسات مجرد کا دور عموماً سات سال کی عمر تک رہتا ہی اُسکے بعد قوت ممیزہ کا دور آتا ہی اسکی بدولت حواسون سے برتر چیزون کا علم حاصل ہوتا ہی۔

اس سے آگے بڑھکر عقل کا سکہ چلتا ہے جسکے سبب انسان کو حسن و قبح عیب و ہنر پر اطلاع ہوتی ہے اور مثل دیگر قوا ر کے سن و سال کے ساتھ ساتھ عقل بھی یوماً فیوماً ترقی کرتی ہے۔

عقل کی سرحد سے آگے ایک اور چشمہ ہے، جسطرح تمیز و عقل کے مدرکات تک پہونچنے مین حواس معطل ہین اسی طرح عقل سے بڑھکر ایک درجہ ملکوت ہے وہان تک پہونچتے طائران خرد کے بازو بھی تھکتے ہین، جس طرح تکمیل عقل کے لیے علم و تجربہ مددگار ہوتے ہین اسی طرح درجہ ملکوت تک رسائی پیدا کرنے کے لیے بھی کسب و مہارت موئد ہوتے ہین، لیکن یہ ضرور نہین کہ جو رستہ چلے وہ منزل پر بھی پہونچے، جسقدر دشوار گزار راہ ہوتی ہے اسیقدر رسائی بھی مشکل ہوتی ہی، بحث یہان صرف امکان سے ہے۔

جسطرح حقایق اشیاء دریافت کرنے کی قوت بعض انسانون مین کم ہوتی ہی بعض مین زیادہ، بعض انسان ترقی کرتے کرتے اسقدر مشاق ہو جاتے ہین کہ بغیر تعلیم و تربیت حاصل کیئے انھین حقایق اشیاء کا ادراک سہل ہو جاتا ہے، اسیطرح بعض قدسی نفوس بغیر معمولی ریاضت اور مجاہدہ کیئے بغیر طبعاً ایسی استعداد رکھتے ہین کہ حواس اور مدرکات کی سرحد سے گذر کر مرجع القائے ربانی ہو جاتے ہین۔

اس قوت سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ کمسن بچہ مشاہدات برقی اور اکتشافات سائنس سے انکار کرے جو اب تک نہ عقلی پختگی کو پہونچا ہے اور نہ معلومات کے وسیع کرنے کا اُس کی کم علمی نے اُسے موقع دیا ہے، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ احیاء العلوم مین فرماتے ہین۔

وَكَيْفَ يُنْكَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِيْزَةِ وَلَوْلَاهُ (ترجمہ) فطرت کے تفاوت کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے، یہ تفاوت نہ ہوتا تو

لَمَّا اخْتَلَفَتِ النَّاسُ فِی فَہْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَّا انْقَسَمُوْا اِلٰی بَلِیْدٍ لَا یَفْہَمُ بِالتَّفْہِیْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِیْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَاِلٰی ذَکِیٍّ یَفْہَمُ بِاَدْنٰی رَمْزٍ وَاِشَارَۃٍ وَاِلٰی کَامِلٍ یَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِہٖ حَقَایِقُ الْاُمُوْرِ دُوْنَ التَّعَلُّمِ وَذٰلِکَ مِثْلُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ اِذْ تَتَّضِحُ لَہُمْ فِیْ بَوَاطِنِہِمْ اُمُوْرٌ غَامِضَۃٌ مِنْ غَیْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَیُعَبَّرُ ذٰلِکَ بِالْاِلْہَامِ	علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا ، اور یہ بات کیون ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو اُستاد کے سمجھانے پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا سے اشارہ مین سمجھ جاتے ہین اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین کہ خود اُنکی طبیعت سے حقایق امور پیدا ہوتے ہین ' اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے، ان کے دل مین دقیق باتین خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہوجاتی ہین، اور اسی کو الہام کہتے ہین۔

اگرچہ قواے عقلی کی تکمیل و ترقی کے لیئے تعلیم و تربیت ایک حد تک ضروری ہین لیکن ایجاد و اختراع کے لیے کسی اوستاد کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرنا لازمی نہین، خود فطرت الٰہی ایسی معلم ہے کہ وہ انسانون کو علم و فن کے متعلق کبھی کبھی ایسی ایسی باریکیان سوجھا دیتی ہے جہان بڑے بڑے ماہرین کے ذہن رسا بھی نہین پہونچ سکتے۔

جب یہ بات علم و تجربہ سے پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ بعض افراد بغیر باقاعدہ تعلیم و تربیت پاے اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوت فکر کی بدولت ایسے فصیح و بلیغ صناع یا موجد گزرگئے ہین کہ قرنون تک اُنکی شہرت قایم رہی ہے اور ایک زمانہ اونکے غیر معمولی کمال کو تسلیم کرتا ہے، اسی قسم کے افراد مین، ہومر، امرالقیس، گلیلو، وغیرہ اشخاص گذرے ہین، توکیا اوسکی قدرت لازوال سے یہ امر بعید ہے کہ بنی نوع مین سے بعض نفوس قدسیہ مین ایسی قوت ملکیہ ودیعت فرمادے کہ بغیر کسب و تعلیم اُن پر اسرار معاش و معاد منکشف ہوجاوین اور اونکی تعلیم و تلقین سے کسی قوم یا ملک کی اخلاقی معاشرتی حالت مبدل باصلاح ہوجائے۔

تمام عالم جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم عیسیٰ، موسیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم انسانی کی مطلق تعلیم نہین پائی تھی باانیہمہ محض ہدایت اور وعظ سے اپنی امتون کو اخلاقی و معاشرتی تعلیم دینے کی وجہ سے دنیا کے بڑے حصے کی معاشرت اور اپنی امتون کے عادات تبدیل کر دئیے فراست الٰہیہ نے اونکی زبان معجز بیان سے حقایق اشیا کے وہ غوامض واسرار کھلوائے کہ بڑی بڑی حکما، دہر کا عنقا خیال بھی وہان تک نہین پہونچ سکا تھا،

امام فخر الدین رازی مطالب عالیہ مین فرماتے ہین۔

انسان کا کمال یہ ہی کہ اسکی قوت نظری اور عملی دونون کامل ہون، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی ہین کہ حقایق اشیا کا اُسکو صحیح علم ہو، یعنی اُس کے ذہن مین جس شی کا تصور آئے ٹھیک صحیح صورت مین آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنے ہین کہ نفس مین ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہون۔

دنیا مین تین طرح کے آدمی ہین، ناقص یعنی جنکی قوت نظری اور عملی دونون ناقص ہے، یہ عوام ہین، خود کامل ہین لیکن دوسرون کو کامل نہین کر سکتے ہین یہ اولیا اور صلحا ہین خود کامل ہین اور دوسرون کو بھی کامل کر سکتے ہین یہ انبیا ہین۔

قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال شدت وضعف نہایت مختلف ہین یہان تک کہ اونکی کوئی حد نہین قرار پا سکتی۔

گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہی لیکن ضرور ہی کہ انھین مین کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔

ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہی جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہی، صوفیہ اسی کو قطب کہتے ہین، شیعہ اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہین،

اب ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیئے جو سب افضلون سے بھی افضل ہو، ایسا شخص سیکڑون ہزارون برس مین کہین جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہی ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین جو ان فضائل مین پیغمبر سے کم، لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین، یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہی جو چاندکو آفتاب سے ہے، امام سے جو کم رتبہ ہین ان کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ گویا حوادث یومیہ ہین جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین۔

پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے، اسلیئے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہی، اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیت سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہی اسکی قوت نظریہ کے آئینہ مین معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہین اسکی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کی تصرفات کرسکتی ہے اور اسی کا نام **معجزہ ہی**"

ہم جیسا کہ اوپر لکھ آئے ہین سب سے پہلے جب انسان کو شعور حاصل ہوتا ہے تو وہ حسیات کی حد مین قدم رکھتا ہے، سردی، گرمی، سامعہ، باصرہ، لامسہ، شامہ، ذایقہ، وغیرہ ابتدائی حسیات ہین؛ ان سے آگے بڑھکر انسان ادراک کی حد مین قدم رکھتا ہے جو اکثر سات سال کی عمر سے شروع ہوتی ہی، اور یہ وہ خاص قوت ہے جس مین انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہے، حافظہ، خیال، فکر، وہم، حس مشترک اسکے ذرایع ہین، اس درجہ مین اشیاء کے حسن و قبح، ممکن و محال وغیرہ کی تمیز ہوتی ہی۔

عقلی حدود سے آگے بڑھکر ایک اور حالت ہوتی ہی جس مین انسان کی ایک آنکھ اور

کھلتی ہی جسکے ذریعہ سے ایک دوسرا عالم پیش نظر ہوتا ہی اور مافوق عقل وادراک امور ظاہر ہوتے ہین، آیندہ ہونے والے واقعات اور دور و دراز کے مقامات کا حال انسان پر منکشف ہوتا ہے، جب نفس ناطقہ اس عالم حس کی طرف سے بسبب تعطیل حواس اپنے حیز اصلی عالم نورانی کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اس جوہر صافی پر عالم غیب کے واقعات اسطرح منعکس ہوتے ہین جیسے صاف آئنہ مین اشکال محسوسات، عالم بیداری یا حواس مین آنے کے بعد کبھی کبھی بجنسہ وہ واقعات یاد رہتے ہین اور ان کے موافق اُن کا ظہور ہوتا ہے، اور کبھی ان معانی مجردہ کو اسکی قوت متخیلہ ان کے مناسب اور حسب حال صور محسوسات کا جامہ پہنا دیتی ہی، کبھی کبھی مُردون سے ملاقاتین ہوتی ہین اور اون سے وہ امور معلوم ہوتے ہین جنھین یہ جانتے بھی نہ تھے، پھر بیدار ہوکر امور معلومہ ویسے ہی پائے گئے ہین، قوت متخیلہ مین جو اشیا کی صورتین مرتسم ہونے کی قابلیت ہے وہ مختلف المدارج ہے بعض مین یہ قوت قوی ہوتی بعض مین کم بعض مین ندارد، قوت متخیلہ جب قوی ہوتی ہے تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی اس مین اشکال مرتسم ہونے لگتی ہین، قوت متخیلہ عموماً اسوقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس معطل ہوتے ہین، لیکن بعضون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین بھی وہ اپنا کام کرتی ہی اور اس لیے حالت بیداری مین بھی ان کو وہ باتین نظر آتی ہین جو اورون کو خواب کی حالت مین نظر آتی ہین، قوت ملکیہ کم وبیش جن گون مین ہوتی ہی انھین ولی یا صاحب کرامت کہتے ہین اور جن لوگون مین بدرجہ کمال ہوتی ہی انھین کو اصطلاح مین نبی یا پیغمبر کہتے ہین،

حقیقتاً انسان دو جزون سے مراد ہے اول آثار جسمانی، دوئم آثار روحانی، آثار جسمانی سے تو وہ لذات وشہوات بہیمی کی جانب مائل ہوتا ہی اور آثار روحانی کے تقاضے سے عالم ملکوت

کی جانب رغبت کرتا ہے لذت آشنایان روحانیات بہیمیت کے گھٹانے کے لیئے مشکل مشکل ریاضتین کرتے ہین چلہ کشیان کرتے ہین، کھانا، پینا، سونا، کم کردیتے ہین، عرصہ دراز کی ریاضتون اور شاقہ محنتون کے بعد جب نفسانی خواہشین گھٹکر غیر منتظم جذبات جادہ اعتدال پر آجاتے ہین، اخلاق فاضلہ اور ملکات عالیہ برفایض ہوتے ہین، نفس ناطقہ کا فیضان ہونے لگتا ہے اور ارواح طیبہ سے برکت و امداد پہونچتی ہی، اس راہ مین بھی مختلف مراتب ہین، جسطرح جسمانی قوا رسب انسانون کے باہم برابر نہین ہوتے اسیطرح روحانی قوا بھی سب کے مساوی نہین ہوتے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدتون کے ریاضات شاقہ کے بعد بھی ایک شخص کو وہ مرتبہ نصیب نہین ہوتا جو کسی قوی النسبت شخص کو ادنی توجہ مین حاصل ہوجاتا ہی، ان انسانون مین باہم اگرچہ مختلف مدارج ہین مگر اس تمام درجہ کو ولایت ہی کہتے ہین۔

اس سے بلند درجہ نبوت کا ہے، یہ موید من اللہ ہوتے ہین معاصی اور رزائل سے بالطبیعت نفور ہوتے ہین اسلیئے انکا یہی اجتناب فطری عصمت کہلاتا ہے، بعض نبیون مین اسقدر احتراز بڑھجاتا ہے کہ مکروہ کھانون سے بھی پرہیز کرتے ہین یہی سبب ہے کہ اگرچہ خمر و مردار سابقہ ادیان مین دین محمدی کی طرح حرام نہ تھے لیکن کسی نبی یا پیغمبر کا استعمال ثابت نہین حضرات انبیا علیہ الصلوۃ والسلام کے نفوس فطرتاً اسقدر طیب اور انکی ارواح اسقدر متجلی ہوتی ہین کہ کوئی شخص ہزار ریاضت اور مجاہدہ پر بھی انکی کسی باطنی صفائی اور روحانی قوت نہین حاصل کرسکتا، انکے مکاشفات آمیزش وہم و تخیلات سے پاک اور مطابق واقع بلکہ عین حقیقت ہوئے ہین یہ خود اکمل تھے اور انکے فیضان اور صحبت سے صدہا ہزارہا کامل ہوگئے ہین۔ انسانِ کامل انھین سے عبارت ہے فطرتاً ان برگزیدہ نفوس کو حقایق اشیاء اور معارف الٰہیہ کے حصول کی

استعداد ہوتی ہی اور وقتاً فوقتاً انھین الہام رحمانی اور وحی ربانی سے ممتاز کیا جاتا ہے انہین ایسی مقناطیسی کشش ہوتی ہی اور ایسا وقار انکی صورتون پر ہوتا ہے کہ جس شخص کی نظر ان پر پڑتی ہے وہ لبیک لبیک کہتا قدمون پر گر پڑتا ہے۔

باعتبار کمال و نقصان نفوس بشریہ کی چار طبقے ہین

اولاً وہ طبقہ جو حرکات فکریہ، معقولات، حسی، وہمی ادراک کی طرف رخ کرتا ہی اور صور حافظہ، معانی واہمہ وعلوم عقلی، ذہنی وغیرہ مین محدود ہوتا ہے۔ یہ طبقہ جسقدر ان مشاغل لایعنی مین پڑا رہتا ہے اسیقدر روحانیات سے بعد ہوتا جاتا ہی۔

ثانیاً وہ طبقہ جو بقدر ضرورت حرکت فکریہ کے ساتھ تعقل روحانی مین مصروف رہتا ہی اور اُسے آلات جسمانیہ کے ادراک و تعقل کے لیئے حاجت نہین رہتی، یہ علم و ادراک کے بدیہیات سے گذر کر ذوق و وجدان کے منازل پر قدم زن ہوتا ہے اور عالم معنی کی مشاہدات سے مستفیض ہوتا رہتا ہی یہ طریقہ علمائے ربانی کا ہی ان مین روحانیات تک پہونچنے کی استعداد ہوتی ہی۔

ثالثاً۔ وہ طبقہ جو ریاضات شاقہ کا حامل ہوتا یا باطنی مناسبت عالم ارواح سے رکھتا ہے، یہ طبقہ روحانیات تک پہونچتا ہے اور کبھی کبھی بڑے جلیل القدر اولیا امت اسی طبقہ مین پیدا ہو جاتے ہین۔

رابعاً اس طبقہ کے لوگ خلقتاً فریس، ذکی اور ہوشمند ہوتے ہین، ذمائم اور شرور سے بالطبع نفور رہوتے ہین، اون کے قلوب فطرتاً نہایت صاف اور منجلی ہوتے ہین، حقایق اشیا کے ادراک کی غیر معمولی استعداد رکھتے ہین انھین ذرہ ذرہ مین خدا ہی کی قدرت کی آثار دکھائی دیتے ہین

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ایڈیٹر

مُسدّس

براشعار یوسف زلیخائے جامیؒ

کجائی سیّدا ولادِ آدم — کہ بہر زخم دل ہستی تو مرہم
جہانے از فراقِ تست برہم — دلے را تاب فرقت نیست یکدم
زمہجوری برآمد جان عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

بحُسن از یوسف کنعان حسینی — بہ بخشایش شفیع المذنبینی
برحمت با طلبگاران قرینی — فراق بیدلان کے برگزینی
تو آخر رحمۃ للعلمینی
زمہجوران چرا فارغ نشینی

بیا، از پردۂ جلباب برخیز — قرارِ خاطر بیتاب برخیز
بہ تسکینِ دلِ احباب برخیز — دلِ دلدادگان دریاب برخیز
زخاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند، از خواب برخیز

توئی اے صاحب سبع المثانی — رسول ہاشمی جان جہانی
شب تارست و وقتِ کامرانی — بکن بسمل بہ تیغ لن ترانی

برون آور سر از برد یمانی
که روئے تست صبح زندگانی

علاجِ کلفتِ جانسوز گردان دلِ مارا نشاط اندوز گردان
زبانم را صلوٰۃ آموز گردان رخِ تابان جهان افروز گردان
شبِ اندوهِ مارا روز گردان
زرویت روزِ ما فیروز گردان

توئی آنکس که اول بار خامہ بنام تو نوشت عنوان نامہ
بیا اے مایۂ حسنِ تمامہ بدوش افگن ردا مشکین شمامہ
بتن در پوش عنبر بوے جامہ
بسر بر بند کافوری عمامہ

منور کن بیک پرتو جهان را خجل کن آفتاب آسمان را
شکن بازارِ گرمِ مهوشان را معنبر کن هوائے گلستان را
فرو آویز مشکین گیسوان را
فگن سایہ بپا سرو روان را

درِ رحمت بروئے خلق واکن قبا زیبِ تن نازک اداکن
دلم گوے گریبان قباکن حریم پردۂ چشم رداکن
ادیم طایفی نعلین پاکن

شعر اک از رشتہ خانہاے ماکن

ہوا خواہان زماہی تا بماہ اند کہ از داغِ غم ہجران تباہ اند
تونگر یا گدا یا بادشاہ اند ہمہ در آرزوئے یک نگاہ اند
جہانے دیدہ کردہ فرشِ راہ اند
چو فرش اقبال پا بوس تو خواہند

بیا صد گونہ منت از کرم نہ برحمت دست شفقت بر سرم نہ
بعالم رفت از باغ ارم نہ کفِ پا در حریمِ محترم نہ
زحجرہ پاے در صحن حرم نہ
بفرقِ خاکِ رہ بوسان قدم نہ

بعالم اے شہ عالم پناہے تمنائے پریشانے تباہے
سراپا غرق دریاے گناہے فتادہ خشک لب برخاک راہے
تو ابر رحمتی آن بہ کہ گاہے
کنی برحالِ لب خشکان نگاہے

بمیزانِ عمل ناگاہ مارا نسنجد کس بہ برگ کاہ مارا
کرم کن یا رسول اللہ مارا عطا فرما دلِ آگاہ مارا
ہوا می افگند از راہ مارا
خدا را از خدا درخواہ مارا

الراقم عمادی عظیم آبادی

عالم خیال پر ایک نظر

اُس طرف "الناظر" کے عالمانہ صفحے ایک دو جاہلانہ مضامین سے جنہیں نہ عالمانہ قوت نہ زبان کی بلندی، نہ اخلاقی خوبیاں تھیں ایسے نکلے تھے جنھوں نے نہ صرف "الناظر" کے منور رُخ کو سیاہ کیا بلکہ "الناظر" کے ناظرین خصوصًا ناظرات کو ازحد کبیدہ خاطر کر دیا، گو "الناظر" ابھی تک اپنے چہرے کو دھبوں سے بالکل صاف نہیں کر سکا اسلیے کہ اُس نے ابھی تک اپنے ناظرین و ناظرات سے اُن مضامین کے چھاپنے میں اپنی اجتہادی غلطی کی معافی نہیں مانگی، لیکن جنوری ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں "عالم خیال" کی سرخی سے جو نظم اُستادِ وقت شیخ احمد علی شوق قدوائی کے قلم سے نکلی اُسنے اُن لوگوں کی کبیدگی خاطر کو ضرور دفع کر دیا جو اعلیٰ نظم و پسندیدہ محاورے شُستہ زبان اور نظری خیالات کو پرکھ سکتے ہیں۔

"عالم خیال" کے اوپر جو نوٹ تھا اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور پرچہ نے تصویر میں کیفیت "عالم خیال" کو ظاہر کیا تھا، مگر اُسکو ایسا اُستاد اُردو کا شاعر نہ ملا جو الفاظ سے "عالم خیال" کی تصویر کھینچ سکتا، تصویر سے "عالم خیال" کا دکھانا جس قدر مشکل ہے اُس سے بدرجہا دشوار الفاظ میں "عالم خیال" کی نقاشی کرنا ہے، ایسی مرقع نگاری نہایت عالی پایہ کا شاعر یا شاعر چاہتی ہے، نہ صرف اُردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اُس مضمون میں ایسی بے نظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ "عالم خیال" کی نظم ہے، بھاشا میں اگر ہوں تو مجھے خبر نہیں، لیکن اُردو زبان میں ایسی نظم اس سے پہلے نہ تھی

شاعری کے لئے اردو زبان بعد "شاعروں کی زبان" یعنے فارسی کے مرتبہ رکھتی ہے،

پہلے اِسے ملاحظہ کیجئے

نوٹ متعلقہ "عالم خیال پر ایک نظر" غالبًا جناب منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے کے مضمون "عورت کی عزت" کی جانب اشارہ ہی جو الناظر مین شایع ہوا تھا۔ ہمنے اس مضمون کی داد بھی دی تھی اور اُسکے اسقام کا بھی ساتھ ہی ذکر کر دیا تھا، اور اس مقام پر صرف اسقدر عرض کرنا چاہتے ہین کہ کسی مضمون کو محض جاہلانہ لکھدینا قرین انصاف نہین ہی، اور ناظرین کی توجہ پرچہ ہذا کے آخری مضمون پر دلاتے ہین جسکی سرخی "حرمت نسوان" ہی اور جو ایک حد تک منشی امیر احمد صاحب کی تحریر کا جواب ہی۔

ایڈیٹر

الفاظ مین، محاورات مین، بندش مین وہ ایک شاعر کے لیے محبوب زبان ہے، اُس سے شعرا نے فطرت کے مناظر یا انسانی جذبات دکھانے کی طرف زیادہ توجہ نہین کی تو یہ اُسکا قصور نہین، بلکہ اُسکے شعرا کا اور اُن سے بھی زیادہ اُس سوسائٹی کا ہے جسمین اُردو زبان پھولی پھلی۔

یہ اعتراض اُردو زبان پر نہین ہوسکتا کہ اُسکا ادب خیالات نفیس، وجذبات فطری سے مالامال نہین، اُردو شاعر بھی بہت کچھ اس الزام سے اس لیے بری ہین کہ باوجود سوسائٹی کے دوسرے رنگ پر ہونے کے اُنھون نے فطری مناظر وطبعی جذبات دکھائے مین، میر کی شاعری اول اول، میرانیس کے مرثیہ، اور یافلق کی مثنوی، آخر دورمین ایسے مناظر وجذبات سے مملو ہین، میری رائے مین خیالات کی بلندی مین دنیا کا کوئی شاعر خواہ وہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا اسداللہ خان غالب سے اونچا نہین جا سکا، یا کوئی شاعر سوا اُس نادرالوجود شاعر حافظ شیرازی کے لطیف خیالات کو لطیف زبان سے آتش سے زیادہ خوبی سے ہم آہنگ نہین کر سکا۔

زمانہ کے رنگ کے ساتھ اُردو شاعری نے بھی طرز بدلا تو گو اُسنے نئے طرز کی نہایت رکیک ملک الشعرا اول اول پیدا کیے، مگر تھوڑے ہی دنون مین جناب شوق کے سے اوستاد بھی نکالے، کچھ شبہہ نہین کہ ہندوستان کے کل زندہ شعرا مین اوستادی کا مرتبہ اگر کسی کو حاصل ہے تو اُسی قادر الکلام شاعر کو جسکی بےنظیر نظم "حسن" شاعری دنیا کو محو کرچکی تھی، یا اب اس چھوٹی سی نظم "عالم خیال" نے نقادون کے دلونمین ولولہ ڈالدیا نظم ونثر اُردو کے موجودہ دو نقاد یعنی ایک منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ اور دوسرے منشی جوالا پرشاد صاحب برق جو "تصویر یار" کی سی خوشی ادا و دلنشین نظم

کے مصنف ہین حضرت شوق کے مدح سرا ہین، اور اُنکے سرٹیفکٹون کے بعد میرے خیال ہین کسی دوسرے کے سرٹیفکٹ کی محتاجی نہاین ہوسکتی۔

فطرت انسانی سے باخبر شاعرنے" عالم خیال" کی نظم کی بحر بھی نہایت موزون ومناسب مضمون رکھی ہے، ایک عورت کے خیالات جس عمدگی سے، جیسے سادے الفاظ مین اُس بحر مین ادا ہوے ہین وہ اپنی جگہ پر خود ہی شاعر کی استادی کے ثبوت ہین، ہر نکتہ چین کا فرض ہی کہ وہ کسی نظم یا نثر پر نکتہ چینی کرتے وقت مضمون اور موقع کا بھی خیال رکھے، ورنہ اسکا اعتراض خود اُسی کو قابل مضحکہ بنا دیگا مثلاً عالم خیال کا یہ تیسرا شعر ؎

جب سے وہ جدا ہوی تب سے اُم انکا دہیان ہے — اُن سے مجھکو اُنس ہی اُن مین میری جان ہی

کسی مرد کے منھ سے یہی پاکیزہ شعر دو کوڑی کا ہوجا دیگا، جب تب" وہ" دہیان" جہان" یہ سب اُسی وقت تک اس شعر کی کشش کا باعث ہین جب تک کہ وہ ایک عورت کے منھ سے نکلے سمجھے جاوین۔

دوسرا مصرع پورا ہی بے موقع ہوجاوے اگر ایک عورت کی طرف سے وہ نہ کہا گیا ہو اول کو اسکے بعد کے شعر ؎

جاکے پھر مری خبر، کیون نہ لی استم کیا — میری یاد میری چاہ، کیون نہ کی، ستم کیا

کے ساتھ پڑھو، اور تب اول شعر کا دوسرا مصرع نہ صرف ایک خاص مزہ دیگا بلکہ عورتون کی ایک فطری عادت کو ظاہر کرے گا۔

عورتین کسی شکایت کے وقت اپنی جانب سے محبت کا اظہار ضرور کردیتی ہین، اے قربان جاؤن کیا اب مجھے بھول ہی گئے یہ طرز ادا یہی خیال ہے جو اُن دو شعرون مین خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔

ابتدائی اُن دو شعروں سے

آج اُدھر سے خیال، تو کہاں کہاں گیا | دل بھی تیرے ساتھ تھا، تو جہاں جہاں گیا
تو نے رُخ جدھر کیا دل کا رخ اُدھر پھرا | تو پھرا جو پاس سے، دل پھر آیا، سر پھرا

کے بعد تیسرا شعر لاثانی شاعر کی کمال اُستادی ظاہر کرتا ہے ابتدائی دو شعروں سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ عورت کو اپنے شوہر کا خیال صرف "آج" آیا، تیسرے شعر نے اِس خیال کو رفع کر دیا، گو وہ عورت اپنے خیال کی تنقیح کرنے آج "بیٹھی ہے مگر" جب سے وہ جدا ہوے تب سے اُنکا دھیان ہے"

شروع سے پانچواں اور ساتواں شعر پھر آگو وہ محبت، درد حس، زود اثر عورت کے خاص خیالات ہیں جو اپنی منطق آپ ہی رکھتی ہیں، اور جنکا طریقہ استدلال میں اُن کا اپنا ہوتا ہے، شوہر یا رہ جس مجبوری سے گھر نہ آسکا ہو مگر شوہر کی محبت میں مجنون عورت یہی کہیگی ۔

مجھسے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر، تو کیوں | دل نہیں اِدھر، تو کیوں، رُخ نہیں اِدھر، تو کیوں
میں وہی ہوں، یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں | اُنکے دل کی حالتیں، وہ رہی ہیں یا نہیں

اشعار ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ایک فراق زدہ عورت کی دلی خیالات کو ایسی خوش اسلوبی سے ظاہر کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا | دل وہاں ہی وہ جہاں سہیلی سی گاؤں کیا
پینگ آئیں جائیں گے، اور رہیگا دل مرا | ملکے کیا میں گاؤں گی، کیا ملیگا دل مرا

غضب کے درد اگین یہ دو شعر آئین سے ہیں ۔

کھل پڑیگی خود بخود، چاہ ہر صدا کے ساتھ | منہ سے بات آئیگی، آہ ہر صدا کے ساتھ
کرتی ہیں جگر کا خون، ہمنشیں جو ساتھ ہیں | وہ لگا رہی ہیں آگ، جنکے ہاتھ لال ہیں

ہمسنون مین سے بعض کے مہندی لگے ہاتھ اور ساونی کے پھول دیکھکر عورت کو اپنی نوجوانی اپنی خوبصورتی کا اسطرح خیال آتا ہے، اگر وہ بھی اپنے شوہر کی یاد کے ساتھ۔

یہ شباب کی اُمنگ، اب کسے دکھاؤن مین — رخ کا لال لال رنگ، اب کسے دکھاؤن مین

کچھ شبہہ نہین ہے کہ نقاش ذی خیال کی جو تصویر کھینچی ہو گی اُسمین عورت کو نوجوان اور حسین دکھایا ہوگا. شاعر جو وہی کام الفاظ سے لینا چاہتا ہے اُسکو عورت کی نوجوانی اور حسن کا دکھانا زیادہ دشوار تھا مگر باکمال اوستاد نے کس خوبصورتی سے نقاشی کی ہی یہ شعر اس موقع کی جان ہے۔

ایک حسین نوجوان عورت ہے، وہ اپنے ہمسنون کے بناؤ سنگار دیکھتی ہی، سلون کی گھٹاؤن مین ساونی کا رنگ اُسکے جوش شباب کو اُبھارتا ہے، فطرتاً اُسے اپنے حسن پر نازسا ہوتا ہے، اپنے گلرنگ رخساروں کا، اپنے شباب کی اُمنگ کا خیال آتا ہے مگر بیچاری ایشیائی عورت جسکا حسن، بناؤ سنگار، شباب، جو کچھ ہے اپنے شوہر اور صرف اپنے شوہر کے لیئے ہی، اور وہ شوہر کوسون کے فاصلہ پر ہے، لو گو اُس حسن اور شباب کا فطری خیال تو نہین رُکتا، مگر اُسکے ساتھ یہ پُریاس خیال بھی آہی جاتا ہے "اب کسے دکھاؤن مین"
دوسری حسین چیزون کے دیکھنے یا دوسرے کے حنائی ہاتھون کے نظارے سے اپنے رنگین حسن کا خیال عورت کو آیا مگر پھر فراقِ شوہر مین بدلی ہوئی صورت بھی اسطرح یاد آگئی۔

لال یہ کہان رہا زرد ہو کے رہ گیا — رنگ اب کہان ہی رنگ اگر د ہو کے رہ گیا

جسم وہ نہین رہا، اُسمین کس نہین ہی اب — ہونٹھ وہ نہین رہی، اُنمین رس نہین ہی اب

جونک بن کے رات دن، چوستا ہی غم لہو — زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

ان اشعار کے ذریعہ سے شاعر نے یہ بات بھی دکھا دی کہ عورت خوش رنگ تھی، رعنائی جسم

بھی رکھتی تھی، باریک رسیلے ہونٹھ تھے، تندرست و توانا تھی، فطرت کا یہ مقتضا بھی ظاہر کیا کہ دوسرون کے مقابلہ سے اپنے کمال کا خیال ضرور آتا ہے، اور اُس عورت کی حالت فراق نے عام ہمدردی کو بھی دوچند کر دیا، اسلیے کہ یہ اشعار ظاہر کرتے ہین کہ عورت کو نہ صرف اپنے شوہر سے جدائی ہی کا درد ہے بلکہ اُس کو اپنے حُسن کے گھٹ جانیکا بھی احساس ہے

اب اسکا اندازہ ہر زود اثر دل کر سکتا ہے کہ فراق شوہر مین ایشیائی عورت کے قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔

بناؤ سنگار، جو قدرتی حسن کے بعد کی چیزین ہین اُسمین اسے کیا دلچسپی رہیگی، زیور جو شباب اور حسن کی زینت کی چیز ہے اُس کی اُسے کیا پرواہ رہے گی، شاعر انھی خیالات کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

کاجل اور مسی کا لطف، جب نہین وہی تو کیا — آئینے مین خود ہی مین دیکھتی رہی تو کیا

آرسی کو پھینکدون، مُنھ لگا کے کیا کرون — بن سنور کے کیا کرون، پان کھا کے کیا کرون

زیور اب یہ مین جھکی، جی سے یہ اُتر چکا — جاے بھاڑ مین سنگار، دل اب اس سے بھر چکا

ان اشعار مین علاوہ الفاظ اور بندش کی خوبیون کے اول شعر کا دوسرا مصرع انتہائے حجاب و پارسائی بھی دکھاتا ہے، وہ مصرع صاف ظاہر کرتا ہے کہ عورت کے کاجل اور مسی سوا اُسکے شوہر کی اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، اور اب جب شوہر دور ہے تو سوا اسکے کہ عورت خود اُنھین آئینہ مین دیکھے اور کوئی دیکھ ہی نہین سکتا، اور وہ اس قدر خود پسند نہین ہے کہ خود اپنے دیکھنے کیلیے کاجل اور مسی لگائے۔

جو لوگ فطرت انسانی سے واقف ہین وہی اسکا اندازہ کر سکتے ہین کہ عورت پر کہانتک شوہر کی جدائی کا صدمہ ہوگا جب وہ زیور سی محبوب نسوان چیز سے بیزار ہو بیٹھی اور خود آرائی

کے سے دلفریب نسوانی مشغلہ سے سیر ہوگئی۔

زیور اور بناؤ سنگار سے نفرت تو تھی ہی اُسکے دل کو یہ خیال آکر اور نشتر لگاتا ہی کہ اب اُسکا کوئی ناز بردار نہین، کوئی راز دار نہین، کوئی ایسا بھی نہین جس سے وہ کھلکر کوئی چیز مانگ سکے، شاعر نے کس مزے سے یہ خیالات ادا کیئے ہین ؎

کس سے ناز اب کرون، میرے ناز اُٹھائے کون ۔۔۔ روٹھنے کو روٹھ لون، لیکن منائے کون

کس سے اپنے دل کا بھید اب مین کھلکر کہسکون ۔۔۔ کسکے ساتھ بے جھجک، اب مین ملکے رہسکون

مانگتی جو کوئی چیز اُن سے مسکرا کے مین ۔۔۔ ہنستے اُسکو دیکے وہ، ہنستی اوسکو پا کے مین

آخر کا شعر زن و شوہر کے بے انداز محبت کے معاملہ کو ظاہر کرتا ہے اور اُسمین دو لفظین " ان " اور " وہ " ایک مخصوص حلاوت پیدا کرتی ہین، انتہائی یاس اور درد کے یہ دو شعر ہین ؎

یا تو مجھسے چھین لے اُنکی یاد اے خدا ۔۔۔ یا تو اُن کو لا کے کر مجھکو شاد اے خدا

یا تو کر سٹرن مجھے، ہوش مین نہ آؤن مین ۔۔۔ یا تو اپنے ہوش مین اُنکو دیکھ پاؤن مین

اس حد تک آکر عورت کی طبیعت اپنے خیال سے بھی اسطرح برافروختہ ہوتی ہی ؎

کام کچھ نہ کرسکا، او خیال، جا کے تو ۔۔۔ مجھسے کچھ نہ کہہ سکا، اُنکا حال آکے تو

تو نے میرے دل کا درد اُنسے کچھ کہا بھی تھا ۔۔۔ اُن سے ملکے تجھکو یاد، میرا غم رہا بھی تھا

آخر کا شعر عورت کی ایک خاص کیفیت ظاہر کرتا ہے، وہ سمجھتی ہی کہ جسطرح وہ اپنے شوہر سے ملکر دنیا کو فراموش کر بیٹھی، اوسی طرح مبادا اُسکا خیال بھی اُسکے شوہر تک پہونچکر شوہر کے پاس تک پہونچنے کی خوشی مین اُس فرقت زدہ عورت کا غم نہ بھول گیا ہو۔

عورت اپنے دل کے جذبہ سے کام لینا چاہتی ہی، اور کہتی ہی ؎

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہی ۔۔۔ دل کی دل کو دے خبر، ہان یہ تیرے بس مین ہی

پھر کے اُنکے دل کے گرد، گھیرنا ضرور تھا ۔۔۔ اُنکے دل کو میری سمت پھیرنا ضرور تھا
اُنکے دل مین کرکے راہ کیون نہ آمین کی جگہ ۔۔۔ تو تو تھا مرا خیال کیون نہ لی مری جگہ

ان اشعار کے بعد ایک ایشیائی عورت کے اشد یاس کے خیالات اسطرح ادا ہوے ہین ۔

ان کے دل مین میری جا، شاید اب نہین رہی ۔۔۔ چھن گئی مری جگہ اور رہین یہین رہی
شاید اور کوئی شکل کھپ گئی نگاہ مین ۔۔۔ کوئی روک ہو گئی، اس طرف کی راہ مین

ان اشعار مین لطافت زبان کے علاوہ ایک ایشیائی عورت کے شوہر سے ملنے کی یاس پر جو پر حسرت خیال کی انتہا ہے وہ ظاہر ہوتی ہے۔

ایشیا کی عورت بہت مشکل سے اپنے شوہر سے بدگمان ہوتی ہے شوہر ہی اُسکا دیوتا ہو، یا مالک جو کچھ ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے وہ لاکھ برائیان رکھتا ہو مگر ایک محبتی عورت کے نزدیک وہ تمام عیوب سے پاک ہی رہیگا، جسطرح وہ خود اپنے نفس سے مطمئن ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کی طرف کیسی ہی تشویش و ترغیب کیون نہ ہو (اس تشویش و ترغیب کے موقع اسے اسقدر نہین ملتے جسقدر یورپ کی عورتون کو ملتے ہین) نیت بدکبھی بھولے سے نہوگی، ویسا ہی وہ اپنے شوہر کے متعلق بھی قیاس کرتی ہے، لیکن شوہر کی مفارقت کا سودا اس حد تک تھا کہ آخر بدگمانی کا خیال آئے بغیر نہ رک سکا، مگر عارضی، فوراً ہی یہ خیال آگیا ۔

توبہ، ہو کے بدگمان مین نے کی خطا ضرور ۔۔۔ چاہین وہ کہین رہین اُنمین ہے وفا ضرور

اور اسپر وہ خیال مین بھی شوہر کی وفا پر شبہ کرنے سے اسطرح بیزار ہوئی ہے ۔

کاش اُدخیال تو، اب نہ آئے میری پاس ۔۔۔ کاش اُنکی یاد تو اب نہ لائے میری پاس

آخر کا مصرع یہ فطری جذبہ ظاہر کرتا ہے کہ محبوب سی محبوب چیز بھی شاق ہو جاتی ہے اگر اُسی کے ساتھ کوئی دردناک خیال ملا ہوتا ہے، شوہر کی یاد عورت کو بہت محبوب تھی، لیکن اگر اُس یاد کے

ساتھ یہ خیال بھی طاری ہو کہ وہ بیوفا نکلا جس کی کبھی بھی امید نہ تھی تو عورت اوس یاد سے بھی فطرتاً گھبرائے گی۔

مگر وہ گھبراہٹ بھی محض ایک لمحہ کی ہوگی، اور خیال سے یہ فرمایش ہوگی کہ تو اکیلا نجا بلکہ

یا مری نظر کو لے، اور اُن کے پاس جا ۔۔۔ مجھسے یا جگر کو لے اور اُن کے پاس جا

بعد کے شعر مین ایک ہی پر تسکین نہ ہوئی، دل کی آئی بدگمانی کا بھی شائبہ رہتا کہ یہ غرض ظاہر ہو ہی گئی

دیکھ لے نظر اُنھین، دیکھ لین جگر کو وہ ۔۔۔ آئے مجھپہ کچھ ترس، آئین اپنے گھر کو وہ

گھر کا خیال آتے ہی ایک ٹیس سی اُٹھتی ہے، اور وہ ایسے بیساختہ مگر پر لطف الفاظ مین ظاہر ہوتی ہے۔

گھر کا نام خاک لون بنگلے یہ بگڑ چکا ۔۔۔ اس پہ اوس پڑ چکی، مِٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے تو اُنھ اکون اُسکی لے خبر ۔۔۔ رو رہی ہون مین ادھر، رو رہی ہے وہ اُدھر

آخر کے شعر مین "اُنھ" کی لفظ کا مزہ فطرت انسانی سے باخبر لوگ ہی جانتے ہین گھر اُجڑنے کا خیال ہر عورت کو جانگسل ہوتا ہے، مگر شوہر کی جدائی کے آگے وہ بھی کچھ نہین۔

مین ہی خاک مین ملی، گھر کی فکر خاک ہو ۔۔۔ اُن کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

گھر سے خیال ہٹایا گیا، مگر مکان کی ہر ہر چیز تو شوہر کی یاد دلاتی ہے، دیکھئے وہ پلنگ سامنے بچھا (جسپر اب عورت نے بھی دل ہلنے والے خیالات سے بچنے کو رہنا چھوڑ دیا ہے) کیا کھلا رہا ہے۔

وہ پلنگ اُنھین کا ہے، اس پہ اب ہے تو کون ۔۔۔ خود ہی آکے وہ رہین، جاکے یہ کہے تو کون

اَٹ گیا ہے خاک مین، گرد ہو گیا پلنگ ۔۔۔ آئین وہ تو مجھسے لین اور اک نیا پلنگ

لیجئے پلنگ سے اور سلسلہ خیالات چلے۔

ذکر کیا پلنگ کا یہ ذرا سی چیز ہے ۔۔۔ مجھکو اپنی جان تک اُنسی کب عزیز ہے

راہ اُن کی روک لون اب جو اُنکو پاؤن مین ۔ ۔ ۔ پتلیون مین دون جگہ سامنے بٹھاؤن مین

بال اپنے کھول کر اُنپہ جال ڈال دون ۔ ۔ ۔ جب فرا قدم اُٹھین اُن پہ بال ڈال دون

سلسلہ خیال یہان پر آکر شاید تھوڑی دیر کےلیئے رُک جاتا اور عورت تخیل ہی مین اپنے شوہر کے آنے اور پھر نہ جانے پانے کا مزہ لیتی رہتی ، مگر بُرا ہو اُس دل دوز آواز نکالنے والی چڑیا پپیہے کا کہ [illegible] درخت پر آبیٹھی ، عورت فوراً اس طرح اُسکی طرف مخاطب ہوئی ہے

کوئی آکے پیڑ پہ کہہ رہا ہے پی کہان ۔ ۔ ۔ پی کہین ہین ، مین کہین ، کیا کہون ہے جی کہان

جی رہی ہون مین مگر ہی مرا ہی پی کے ساتھ ۔ ۔ ۔ پاس ہون کہ دور ہون ہین وہ میرے جی کے ساتھ

فطرت کا قاعدہ ہے کہ [illegible] پیدا کرتی ہی تو اُسی کے ساتھ دوا بھی ، عورت پر غلبہ یاس کی انتہا نہ رہی تو فطرت [illegible] خیالات [illegible] اس طرح بدلا ہے

آئی اُنکی سمت سے [illegible] تو ۔ ۔ ۔ آج ادھوا صرور اُن کو چھو کے آئی تو

اُن سے ملکے آئی ہو [illegible] ۔ ۔ ۔ تو نے خوش کیا مجھے ، تجھے دعائین دون

جاکے اُن کے پاس پھر تو جو اُن کو لاسکے ۔ ۔ ۔ [illegible] چین دل کو آسکے

[illegible] اتیری درد کا علاج ۔ ۔ ۔ خط مین لکھکے بھیجدون تجھکو اُنکے پاس آج

شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو ۔ ۔ ۔ اپنے خون کی قسم دیکر اُن کو لائے تو

آخر مین تھوڑی دیر کے لیے اس خیال سے تسکین ہوتی ہے

یون نہ آئین تو مین یون شوق کی کشش ہے کام ۔ ۔ ۔ کھنچکے آئین اسطرح پھر [illegible] نام

اسمین کچھ شبہہ نہین کہ یہ نظم ایک خاص وقت کے جذبات کو نہایت وضاحت سے نہایت موثر طریقہ سے ، نہایت سادے ، شستہ الفاظ اور محاورات سے [illegible] ہے ۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہین کہ فطرت انسانی یورپ مین اور ہے ایشا مین اور ، یہ بالکل

غلط ہے، جسطرح فطرت حیوانی ایک ہے اُسی طرح فطرت انسانی، ایشیا کی عورت کو ویسا ہی عشق کا جوش ہوتا ہے جیسا یورپ کی عورت کو جذبہ عشق بنفسہ ایک نہایت شریفانہ جذبہ ہو اور یہ جذبہ ایسا جذبہ ہے جسکی برابری کوئی دوسرا جذبہ اپنے زور اور قوت مین نہین کرسکتا، ماں بیٹے کی محبت پر یہ غالب آجاتا ہے، انسان کی جسمانی تکالیف اس جذبہ کے زور مین بھول جاتی ہین، ایشیا کی عورت اور خصوصًا ہندوستان کی عورت کو جو چیز دنیا مین بے نظیر بناتی ہے وہ وہی قدرت ہو جو وہ اس جذبہ پر حاصل کرتی ہو، مثل دنیا کی عورتون کے عشق کے جذبہ سے وہ بھی بہرہ ہوتی ہو، مگر یہ جذبہ اسکا مخصوص ہوتا ہو اپنے شوہر کے ساتھ، اور وہ بھی اس جکڑ بندی کے ساتھ کہ وہ اسکا اظہار دوسرون پر ہونے دے اپنے شوہر سے تو وہ اس جذبہ کو چھپا نہین سکتی، نہ اُس سے چھپانے کی اُسکو زیادہ کوشش ہی ہوتی ہے، لیکن وہ "ڈارلنگ" کہکر اُسے سب کے سامنے نہین پکارتی، اس سے یہ سمجھنا کہ اُسمین جذبۂ عشق نہین، یا عاشقانہ خیالات سے وہ بے بہرہ ہے فطرت انسانی سے بے خبری ظاہر کرتا ہو۔

جو لوگ جناب شوق کی نظم "عالم خیال" کو اس عقیدے کے ساتھ دیکھین کہ محبت یا عشق کا ہر جذبہ غیر شریفانہ اور اُس جذبہ کا اثر ہندوستان کی عورت کے دلی خیالات پر نہ ہونا چاہئے وہ خود فرشتے ہون کے انسان نہین، وہ انسانی "عالم خیال" کے فلسفہ سے نابلد محض ہین

جناب احمد علی صاحب شوق قدوائی نے اپنی اس بیش بہا نظم مین جس موقع اور مناسبت سے خیالات کے مختلف پہلوؤن کا بدلنا دکھایا ہے بلاشبہہ وہ اونکو ایک فلسفی شاعر ثابت کرتا ہے۔

جذبات انسانی کے انکشاف ہی سے آج دنیا میں شیکسپیر کا ڈنکا بج رہا ہے، حالانکہ شیکسپیر

نے بعض بعض جگہہ پر انسانی جذبات کو نہایت بدسلیقگی سے دکھایا ہے، اکثر جگہہ احمقون کے منھ مین فلسفیون کے الفاظ ڈالدیے ہین، کہین کہین خیالات بلند بیموقع دکھاے ہین جن سے شیکسپیر پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ اُسکی شاعری اسکی اپنی نہین بلکہ یہ کہ اُسنے دوسرون کے خیالات جمع کردیے ہین، اور موقع بیموقع کا خیال نہ کرسکا

ڈزریلی نے شیکسپیر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سب سے بڑا شاعر اور سب سے کم رتبہ شاعر دونون تھا، جو کچھ بھی ہو بہرحال اسمین کسی کو کلام نہین ہوسکتا کہ جسقدر جذبات انسانی کا انکشاف شیکسپیر نے کیا دنیا کے کسی دوسرے ایک شاعر نے اُسقدر نہین کیا۔

لیکن مین ایک شیکسپیر سے زیادہ ایک سعدی کو ملک بلکہ دنیا کے لیے مفید سمجھتا ہون۔ اول الذکر صرف انسان کے جذبہ کا انکشاف کردیتا ہے، آخر الذکر اخلاق وعادات قوم کو درست کرتا ہے، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے کثیر باشندونکا تہذیب اخلاق عرصہ دراز تک سعدی کے ہاتھون رہا شیکسپیر کو کبھی نہ اسکا فخر نصیب ہوا، نہ ہوسکتا تھا، ہندوستان کے لیے بھی زیادہ ضرورت سعدیون کی ہے۔

مسدس حالی نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ شاعری کیسی ہی بودی، زبان کیسی ہی بھونڈی کیون نہ ہو اگر کوئی نظم قوم کی حالت کو ظاہر کرتی ہے تو اُسکی قدر بھی قوم کرتی ہے، ہندوستان کے باکمال شعرا کے لیے ابھی میدان بہت وسیع ہے، آزادی پر، اتحاد قومی پر، حب الوطنی پر قتل وغارت گری کی برائی پر، دیانت اور وفاداری پر، چاپلوسی وخوشامد کی مذمت پر، ترقی علم پر، صنعت وحرفت کی طرف توجہ پر، اپنی تہذیب اور اپنے اخلاق پر، استقلال دی پر، غرضکہ سیکڑون اور ہزارون ایسے مضامین پر ادستادان فن قلم اُٹھا سکتے ہین کہ تمام قوم اون اشعار کو حفظ کرلے، تمام قوم کے دل مین اون اشعار سے ایک حرکت پیدا ہوجائے جو سوتے ہین جگا۔

جو تھک گئے ہین، اُنمین جان تازہ آجاوے، بنگال کے شاعر اور نثار اسطرف کچھ زمانہ ہوا مخاطب ہوے، اُردو کے شاعرون کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہیئے، لیکن اگر اُستادان فن نے توجہ نہ کی تو معمولی لوگ ان مضامین کو اُٹھا کر اُسکی بھی اسیطرح مٹی پلید کرینگے جسطرح اول اول "نیچرل" نظمون کی ہوئی تھی۔

یونان کے تمدن کے لیے شاعرون کی ضرورت رہی ہو یا نہ رہی ہو، ہندوستان کو اسوقت فصیح اور بلیغ شعرا کی بہت ضرورت ہے جو کہین تو رعد کا کام کرین کہین ابر نیسان کا، مین اس مرتبہ اکتوبر مین ولایت سے آتے وقت مشہور عالم W. T. Stead جرنلسٹ ڈبلو اسٹیڈ صاحب سے ملا اور اُنسے اپنی قلبی دھڑکن کا جو کبھی کبھی انکو بھی رائے رکھنے اور بے ہمدرد و ہمساز ہونے سے پیدا ہوئی ہے ذکر آیا تو انھون نے محبت سے اسکا علاج بتایا۔ اور وہ علاج یہ تھا کہ انھون نے ایک چھوٹی سی کتاب جسمین انھون نے خود نے امریکہ کے شاعر "لاول" Lowell کی تصنیفات سے اقتباس کیا تھا دی جو مرے جیب مین رہتی ہے اور جس سے واقعی میری قلب کو بارہا تسکین ہوئی ہی، مین مثالاً چار شعر اُس سے لکھتا ہون

وھو ھذا

وہ غلام ہیں جو گرے ہوؤں اور کمزوروں کے واسطے بولنے کو ڈرتے ہیں

وہ غلام ہیں جو اس ڈر سے کہ لوگ نفرت کرینگے، تمسخر کرینگے، گالیاں دینگے

اس حق کو ظاہر کرنے میں جو اُنکے دلوں میں اترا ہوا ہو خاموشی اختیار کرتے ہیں

وہ غلام ہیں جو اُسکی جرأت نہیں رکھتے کہ دو تین دحق پر ہونیوالے آدمیونکا ساتھ دیں

میری حقیر رائے میں ہندوستان کو شیکسپیر سے زیادہ لاول کی ضرورت ہے، ہماری قوم گری ہوئی ہے، اُسکے احیار کرنے مین شاعر بہت کچھ حصہ لے سکتے ہین، قومی کمزوریون کا انکشاف کرین قومی اخلاق کو بلند کرین، ایک طرف اگر وفاداری اور اطاعت کا بیج بوئین، تو دوسری طرف قومی عزت اور تہذیب سے زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرین قوم کو خودداری کے سبق دلنشین طریقہ سے دین۔

بستولی لکھنؤ
۸ مارچ ۱۹۱۱ء

راقم
مشیر حسین قدوائی

قومی فقیرونکی صدا

اے جوشش بہار گلستان آرزو | بھردے گُل مراد سے دامان آرزو
کشت اُمید اپنی بھی سرسبز ہو کہیں | چھینٹے کچھ اسطرف کو بھی بارانِ آرزو
اے انتہائے یاس ذرا رحم کی نظر | ہونٹوں پہ آ چکی ہو بس اب جانِ آرزو
بیڑا ہو اپنا پار الٰہی کہ بار ہا | رہ رہ گیا ہو اُٹھکے یہ طوفانِ آرزو
دل سوز کی تلاش ہو ملجائے بانصیب | ٹھنڈی پڑی ہو شمع شبستانِ آرزو
دست سوال اُٹھنے کو ہو قوم کی طرف | ہاتھ آگیا ہو قبلۂ ایمان آرزو
ہم مفلسوں کی شرم ہے اے سخی کے لال | جائیں نہ خالی ہاتھ یہ مہمانِ آرزو

کیا شرح آرزو کی ضرورت بھلا یہاں مُضمر ہے قلبِ صاف میں عرفانِ آرزو

بیٹھے ہیں اڑ کے در پہ، سوالی نجائیں گے
لیکر ہٹیں گے آج تو خالی نجائیں گے

اے قوم پاس چاہئے کچھ اپنے نام کا بالا ہو بول اُمتِ خیر الانام کا
تیرا ہی ہے جہان میں خیر الاُمم لقب یعنی یہ اک نشان ہے ترے احترام کا
اسوقت اپنی لاج کا رکھنا ضرور ہے اسوقت ہے خیال بزرگوں کے نام کا
اسلام سے ملا ہے اخوت کا جو سبق اُسکے عمل کا وقت ہے موقع ہے کام کا
تیری طرف ہیں سبکی نگاہیں لگی ہوئی رجحان تیری سمت ہے ہر خاص و عام کا
آئے ہیں لَو لگا کے ترے در پہ یہ فقیر لوٹیں نہ خالی ہاتھ کہ ہے وقت شام کا
ہم یونیورسٹی کیلئے مانگتے ہیں بھیک بیڑا اُٹھا چکے ہیں ہم اُسکے قیام کا
کوڑی [illegible] اشرفی ہم دل ہے یہاں اسیر قناعت کے دام کا

ہمکو جو ایک دیگا وہ پائیگا سیکڑوں
لاکھوں وہ پائیگا جو دِلائیگا سیکڑوں

نکلے ہیں لیکے جھولی گدائی کیواسطے یُوں مستعد ہوئے ہیں کمائی کیواسطے
معلوم کچھ تجھے بھی ہے اے قوم یا نہیں یہ سب جتن ہیں تیری بھلائی کیواسطے
ہاں اے اسیر جہل نہ اب اضطراب کر تدبیر ہو رہی ہے رہائی کیواسطے
تیرا ہی د[illegible] تھا کہ ہوئے بیقرار ہم مرتا ہے کون ورنہ خدائی کیواسطے

حال خراب دیکھکے بے چین ہوگئے — دل میں کہاں جگہ تھی سمائی کیواسطے

اکسیر کی تلاش میں پھرتے رہے ہیں ہم — چھانی جہاں کی خاک دوائی کیواسطے

مدت کے بعد نسخۂ صحت ملا ہے اب — آیا ہے وقت عقدہ کشائی کیواسطے

انعامِ حسنِ سعی کے ہیں ہم بھی مستحق — دل بیچا ہے نقد کارروائی کیواسطے

ہم اپنی اک بنائیں جدا یونیورسٹی

امراض کی ہو تیرے دوا یونیورسٹی

بدلا ہے رنگ گردشِ لیل و نہار کیا — ہیں دلفریب دہر کے نقش و نگار کیا

بازار گرم کشمکش زندگی کا ہے — سودائے علم و فن کی پڑی سب نے پکار کیا

غفلت کی آہ قوم کوئی انتہا بھی ہے — اس نیند کا نجائیگا اب بھی خمار کیا

اللہ جوش میں رگِ غیرت کب آئیگی — ہونا ہے آہ اس سے بھی بڑھکر فشار کیا

اسلامیو تمھیں بھی خبر کچھ ہے یا نہیں — کھتی ہر دور سے جڑ [illegible] کیا

سیّد کی قبر آہ ہے سونی پڑی ہوئی — روشن نہ تم کروگے چراغِ مزار کیا

سائل ہوے ہیں تم سے جراغی کیواسطے — کچھ مانگنے کو آئیں گے ہم بار بار کیا

دریا دلی کی شان دکھادو جہان کو — تم کون ہو تمھارا ہو قومی شعار کیا

داتا ہو تیرا دونوں جہاں میں بھلا ملے

دینے کی شان ہے کہ طلب سے سوا ملے

سید محمد فاروق (شاہ پوری)۔

"زمانہ"

اور

"ادیب"

اس وقت جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کا "زمانہ" اور اسی مہینے کا "ادیب" دونوں رسالے میری نگاہوں کے سامنے ہیں، "زمانہ" کانپور سے نکلتا ہے، اور "ادیب" الہ آباد سے، یہ دونوں رسالے خط، کاغذ، اور تصویروں سے اپنی اپنی صورت کے حُسن کو بڑھا رہے ہیں، اور نثر و نظم کے مضامین سے اپنے اپنے سرمائے کے موافق اپنی اپنی ترقیوں کی جانب متوجہ ہیں، اس سبب سے ایک ہی مہینے کے دونوں رسالوں کا موازنہ مجھے مناسب معلوم ہوا، تاکہ ارباب فہم دونوں کے اڈیٹروں کی قابلیت اور انکے دماغوں کی علمی مناسبت کا اندازہ کر سکیں، جنکے ہاتھوں اُردو کی سر زمین پر نئی نئی تخم افشانیاں ہو رہی ہیں۔

رسالۂ "زمانہ" کے اڈیٹر منشی دیا نرائن صاحب نگم، اور رسالۂ "ادیب" کے اڈیٹر منشی نوبت رائے صاحب نظر ہیں۔

"زمانہ" بیس تصویروں کو لیے ہوئے نکلا ہے، جن میں دو رنگین ہیں، ایک لیلیٰ و مجنوں کا مرقع، دوسرا گجینیررو موکش کا مرقع

"ادیب" نو تصویروں کے ساتھ شایع ہوا ہے، جن میں ایک رنگین ہے، یعنی سکندر کی ماں کا مُرقع۔

میں اس قسم کی فرضی تصویروں کو کچھ قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا، اِنکے خیالی ہونیکا خیال ہی اِنکو بے اثر بنا دینے کے لیئے کافی ہے، کپڑوں کے تھانوں پر ہزارہا رنگین تصویریں بہت اچھی اچھی نظر آتی ہیں، جنھیں دیکھکے لڑکے ضرور خوش ہوتے ہیں، سمجھنے والے تو صرف اُن تصویروں کو

دلچسپی کے ساتھ دیکھتے اور پسند کرتے ہیں، جنکے نظارے سے واقفیت کے ساتھ تاریخی، علمی اخلاقی، معاشرتی، یا اور ایسی ہی کوئی خوبی پیدا ہوتی ہو، لیکن مجھے اس موقع پر صرف اسی خیال سے غرض نہ ہونی چاہیئے، اصل مقصد دو علمی رسالوں کا موازنہ ہے اور موازنے میں ہر حیثیت اور ہر حالت کا دکھانا لازمی ہوگا۔

رسالۂ "زمانہ" مین مرقعے۔ تصویرین اور نقشے حسب ذیل ہیں

(۱) لیلی اور مجنوں کا مرقع (۲) عروس توکا مرقع (۳) کونٹ ٹالسٹائی کی تصویر (۴) اکبر اور سیتے کے شکار کا مرقع (۵) ماتا منشی رام جی بانی گروکل کی تصویر (۶) گروکل کے صدر دروازے کا نقشہ (۷) گروکل کے جگ شالے کا نقشہ مع گروپ کے (۸) گروکل ویالہ کی پہلی جماعت کا مرقع (۹) گروکل کے طلبا سیر کو جا رہے ہیں، انکا مرقع (۱۰) الہ آباد کی نمائشگاہ کا عام منظر (۱۱) نمائشگاہ کا طبقۂ تعلیم (۱۲) نمائش گاہ کا ویلکم کلب (۱۳) نمائشگاہ کے تعلیمی و صنعتی طبقوں کی پشت کا منظر (۱۴) نمائشگاہ کی وہ عمارت جس میں زنانہ دستکاریوں کا سامان ہے (۱۵) نمائشگاہ کے اندرونی حصے کا آخری رخ (۱۶) طبقۂ زراعت کا نقشہ (۱۷) طبقۂ جواہر کا نقشہ (۱۸) گجیندر و موکش کا مرقع (۱۹) نپولین اعظم کی تصویر (۲۰) لب آب ایک کشتی جسمیں ایک لیڈی دریا کی سیر کر رہی ہے۔

رسالۂ "ادیب" میں ایک مرقع، چھ تصویریں، اور دو نقشے ہیں

(۱) ولادت سکندریہ کا مرقع (۲) لکشمی جی کی تصویر (۳) روضۂ تاج محل کا نقشہ (۴) سر ولیم ویڈربرن کی تصویر (۵) آنریبل پنڈت سندر لال۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کی تصویر (۶) مولانا محمد اسمعیل کی تصویر (۷) رائے بہادر بھودیال صاحب بی۔ اے کی تصویر (۸) خسرو باغ کا نقشہ (۹) سیر دریا جسمین ایک لیڈی بچے کو گود مین لیے ہوئے دریا کی سیر کر رہی ہے

"زمانہ" لیلیٰ اور مجنون کے رنگین مرقعے میں علاوہ اِن دونوں کے اکیس تصویریں جنگل کے
چھوٹے بڑے جانور وغیرہ دکھا رہا ہے، اور گجنید روہوکش کے رنگین مرقعے میں چار تصویریں۔

"ادیب" اپنے رنگین مرقعے میں آٹھ شکلیں رکھتا ہے جنمیں سکندر اور اُسکی ماں کے
علاوہ چھ تصویریں صرف گیدڑوں کی ہیں۔

ان رنگین مرقعوں کی صنّاعیوں کو دیکھتے "زمانہ" بہت بلند، اور "ادیب" اس سے بہت پست ہے
"زمانہ" نے جتنے نقشے الہ آباد کی نمایش گاہ اور گروکل کی عمارت کے دکھا رہا ہے، یہ سب تاریخی
حیثیت اور واقفیت کی ضرورت سے اب اور ہمیشہ بکار آمد ہیں، گروکل کے طالب علموں کی
خوشنما صورتیں دو وسیع مرقعوں میں دکھائی گئی ہیں، یہ مرقعے صرف صورتوں ہی سے دلچسپ
نہیں ہیں، بلکہ دل پر عجیب اثر ڈالتے ہیں، اور یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ایک دن یہی جماعت
علوم کی بلند زینوں کو طے کر کے ہندوستان کی اقبال کی چوٹیوں پر نظر آئیں گی۔

ان نقشوں اور مرقعوں کے مقابلے میں "ادیب" "زمانے" سے پوری شکست کھا رہا ہے
تعجب تو یہ ہے کہ "زمانے" نے کانپور سے الہ آباد کی نمایش گاہ کے نقشے دکھائے اور "ادیب"
الہ آباد ہی میں ہے مگر کچھ نہ دکھا سکا، اس سے دونوں رسالوں کے اڈیٹروں کی قابلیت اور
انکے دماغوں کی علمی مناسبت کا اندازہ کرلیا جائے، آیندہ اگر "ادیب" نمایشگاہ کے نقشے چھاپے
بھی، تو کیا، "زمانہ" بالا جیت چکا۔

"زمانہ" دو مرقعے ایسے عمدہ دکھا رہا ہے جنکی تعریف سے قلم کو روکنا انصاف کا خون کرنا ہے، ایک
مرقع عروس مخدوہ کا، یہ مغلیہ سلطنت کے عہد کا تاریخی اور بہت ہی دلاویز نقشہ ہے اس نئی دلہن کی
حسین تصویر کو دیکھکر "ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ" کی نئی دلہن کا مرقع میری آنکھوں

Historians History of the world

میں پھر گیا، لباس کا فرق ضرور ہی، لیکن شرم کی ادا دونوں میں ایک ہی، گویا ہندوستان کے مصور نے یورپ کے مصور کا قلم چھین لیا ہی، اس مرقعے میں جو عورت شمع دکھا رہی ہی، اُسکی گردن کا فطری ادا کے ساتھ خم، پردہ اُٹھانے کا انداز، شمع کی روشنی سے عمارت کے نقش و نگار کا کچھ کچھ نظر آنا، بلندی پر ایک گوشے میں آسمان کا معہ ستاروں کے نظارہ، یہ تمام صنعتیں مرقعے کو لاجواب کہہ رہی ہیں۔

دوسرا تاریخی اور نہایت نفیس مرقع شہنشاہ اکبر کے شکار کا ہی، اسکو نگاہ گھنٹوں دیکھا کرے تب بھی سیر نہ ہو، اسکے ساتھ فارسی عبارت بھی چھپی ہوئی ہی جو مرقعے کی اصلیت اور اُسکی تاریخی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے، چیتے کو لوگ رسیوں میں باندھے ہوئے ہیں اور اکبر اُسکے دونوں کان پکڑے ہوئے ہی، اس مرقع میں دو چیتے، ایک گھوڑا اور سب آدمیوں کو ملا کر اُنتیس تصویریں ہیں، جو اُس زمانے کے بعض اسلحہ، مختلف لباسوں، اور بہت سی حالتوں کے نقشے دکھا رہی ہیں۔

ان دونوں مرقعوں کی تعریف میں صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ دل اور آنکھوں کا کام زبان سے نہیں ہو سکتا، اور ان کو دیکھتے رسالۂ "زمانہ" کے سامنے "ادیب" کے ورقوں کی یہ صورت ہے، جیسے تازہ اور خوشرنگ گلدستے کے سامنے کوئی خشک پتے رکھدے۔

رسالۂ "زمانہ" میں کونٹ ٹالسٹائی کی ایک تصویر کونٹ کی مختصر سرگذشتوں کے ساتھ ہی یہ سوانح لالہ لاجپت رائے صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، تصویر اور کونٹ کے سوانح اس سبب سے بہت قدر کے قابل ہیں کہ آزادانہ خیالات، حکیمانہ اخلاق، اور فلسفیانہ طرز حیات سے انسان کی زندگی پر اُنکا اثر پڑتا ہی، "ادیب" میں معمولی تصویریں تو کئی ہیں، لیکن ایک بھی ایسی نہیں ہی جو کونٹ کے مجسّم فلسفہ کا مقابلہ کر سکے۔

"زمانہ" اور "ادیب" دونوں میں دو تصویریں ایک ہی نقطۂ خیال سے دیکھنے کے قابل ہیں، "زمانہ" لبِ دریا ایک کشتی" اور "ادیب" "سیرِ دریا" دکھاتا ہی، دونوں میں کشتی

پر لنگ ایک یورپ کی عورت دریا کی ہوا کھا رہی ہے، رسالۂ "زمانہ" نے ہندوستان کے مصور کی طبع زاد دستکاری دکھائی ہی، اور "ادیب" نے کسی دوسری تصویر کا نقشہ حاصل کیا ہی، ایک بڑا فرق جو ان دونوں تصویروں کی حالتوں کے دکھانے میں ہی، وہ یہ ہی کہ رسالۂ "زمانہ" نے خاص اسی تصویر کے متعلق ایک نظم حاصل کر کے چھاپی ہی، جو تہذیب کے ساتھ صرف اسی تصویر اور تصویر کے منظر اور نظارے تک محدود ہی، اس نظم میں دریا کا سین بھی دکھایا گیا ہی، لیکن "ادیب" نے عجیب مذاق کیا ہی، جو مجھے بیساختہ ہنسا رہا ہی، اُسکی تصویر کے ساتھ بھی "سیر دریا" کے الفاظ چھپے ہیں، اور ایک نظم کے ساتھ بھی، مگر اس تصویر سے یہ نظم ذرا بھی متعلق نہیں ہی، تصویر میں صرف ایک عورت بچے کو گود میں لیے ہوے کشتی پر سوار ہی، اور نظم میں عاشق اور معشوقہ دونوں ایک کشتی پر موجیں اُڑا رہے ہیں، دونوں کس رنگ میں ڈوبے ہوے ہیں، اسکو میں نہیں لکھنا چاہتا، اور مرحوم نسیم کے اس شعر سے معمے کو حل کئے دیتا ہوں ؎

کیا آگے لکھوں کہ اب سرِ دست — ہوتا ہی دوات میں قلم ست

بے شبہہ شاعر نے یہ نظم اپنے خیال پر کہی تھی، اور عاشقانہ مذاق اختیار کیا تھا، وہ مذاق بھی سخن سنجی کے دائرے میں ہی، یہاں اُس سے اور نظم سے کچھ بحث نہیں، مطلب "ادیب" کی حالت اور اُسکے اڈیٹر کے سخن فہمانہ مذاق سے ہی، "ادیب" کے اڈیٹر کی نظر اور اُنکے ادیب پرور دماغ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے تھا کہ تصویر سے نظم کی حالت بالکل جدا ہی، اب یا تو وہ تصویر کا نام "سیر دریا" نہ رکھتے، یا نظم کی سُرخی کو بدل دیتے، مگر اسکے لئے دماغ کو علمی مناسبت کی ضرورت تھی، آخر "زمانہ" کس خوبی سے تصویر اور نظم کو دکھا گیا۔

بے شبہہ ذی فہم ناظرین خود موازنہ فرما سکتے ہیں، کہ "زمانہ" بہ نسبت "ادیب" کے کس قدر علمی تناسب کا لحاظ رکھتا ہے۔

رسالۂ "زمانہ" میں نپولین اعظم کی تصویر بھی بہت اچھی ہے، یہ رنگین روشنائی سے چھپی ہے، اور صاف خط و خال دکھا رہی ہے، "ادیب" کی کوئی تصویر اسکا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی

اب میں مضامین کا موازنہ کرتا ہوں، اگر رسالہ ایک جسم فرض کیا جائے، تو مضامین اسکی روح، اسکا دل، اور اسکے عناصر قرار پا سکتے ہیں، رسالۂ "زمانہ" میں "دیسی مصنوعات کی حفاظت" "کونٹ ٹالسٹائی" "وکرمادت کا تیغہ" "اردو مصنفین کے کارنامے" نثر میں، پھر "شب غم" اور "آب ایک کشتی" نظم میں، خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہیں، اور "ادیب" میں "مسئلۂ سالمات" نثر میں، اور "کلام چکبست" نظم میں نظارے کی خصوصیت کا حصہ پانے کے لائق ہیں۔

میرا یہ انتخاب کسی نہ کسی خاص وصف کے لحاظ سے ہے، ورنہ نثر اور نظم کے معمولی مضامین "زمانہ" اور "ادیب" دونوں میں بہت ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ بہ کار آمد ہونے کے لحاظ سے، زندگی کو آزادی اور نیکی سے آراستہ کرنیکے لحاظ سے، عمدہ اخلاقی نتائج سے دل پر اثر ڈالنے کے لحاظ سے، اور علم ادب کو اسکے خاص مصنفوں اور محققوں کے قلموں سے لکھے ہوئے مضامین کے لحاظ سے، رسالۂ "زمانہ" کے مضامین کو "ادیب" کے مضامین پر بہت کچھ فوق حاصل ہے، یہ چاروں اوصاف جو میں نے لکھے ہیں، ترتیب وار نثر کے ان چاروں مضامین سے متعلق ہیں، جنکو رسالۂ "زمانہ" سے میں نے منتخب کیا ہے، لیکن چاروں میں سے ایک مجموعہ مضامین کا جسکا نام ٹائیٹل پیج کی فہرست میں "اردو مصنفین کے کارنامے" ہے، اور جو صفحہ ۷۶ سے علمی ضمیمے کا سرتاج بنکر نمودار ہوا ہے، رسالۂ "زمانہ" کے قابل اڈیٹر کی محققانہ جدت اور انکے روشن دماغ کی علمی مناسبت کے ثبوت کی کافی شہادت ہے، اس مضمون میں شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، مولوی عبدالحلیم شرر، رائے بہادر لالہ سیتا رام، مولوی محمد عزیز مرزا بی۔ اے

بابو شیوبرت لال ورمن، ایم۔اے، احمد علی شوق۔قدوائی، اور مرزا محمد ہادی لکھنوی، کے لکھے ہوے وہ علمی تجربے ہیں جو انکو فارسی اور اُردو کی اعلیٰ کتابوں کے متعلق حاصل ہوے ہیں، اور یہ لوگ اپنی اپنی تصنیفات کی فہرست لکھکے خود اپنی اُس کتاب کا نام بتا رہے ہیں، جو اُنکی رائے میں سب سے عمدہ ہی، یہ بلند مضامین، اور اعلیٰ درجہ کے مفید مطالب رسالۂ "زمانہ" کے لائق اڈیٹر اپنے سوالات کے جوابات میں حاصل کر رہے ہیں، اور سچ یہ ہی کہ وہ علم ادب کے خزانے میں ایسے بیش بہا جواہر جمع کر رہے ہیں، جو اُنکے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔

اب علمی جواہر کے جوہری یعنی ارباب فراست ہی خیال فرمائیں کہ رسالۂ "زمانہ" جو اپنے اوراق کے دامنوں میں ایسے آبدار موتی بھرے ہوے ہی، اُسکے سامنے "ادیب" اپنے سنگریزوں کو کیا چمکا سکتا ہی۔

"زمانہ" اور بھی علمی معلومات کے ذخیرے پیش کر رہا ہی، یعنی "اُردو اور ہندی کے نئے رسالے" اور "علمی خبریں۔نوٹس۔اور تذکرے" وغیرہ، ایسے مفید اور دلچسپ مطالب تک "ادیب" کی نظر شاید رسا نہ ہو سکی، بات یہ ہی کہ موازنہ کے ارادے سے میں نے "زمانہ" اور "ادیب" دونوں رسالوں کو ایک ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، تو علمی مذاق کے ساتھ معلومات کی وسعت تحقیقات کی جدت، دماغ کی قابلیت، اور تجربوں کی کثرت، رسالۂ "زمانہ" کے صفحوں پر زیادہ نظر آئی۔

"ادیب" نے "سلسلۂ سالمات" کا مضمون حاصل کرنے میں شاید لکھنؤ "الناظر" اور پنجاب کے "پنجاب ریویو" کی تقلید کی ہے، یہ دونوں رسالے زیادہ تر علمی مضامین ہی پیش کرتے ہیں۔ سالمات یعنی اجزاے لایتجزے کا سبجکٹ ضرور اچھا ہی لیکن ابھی تک جتنا مضمون چھپا ہی، اُس میں صرف حکماے قدیم اور جدید کے اقوال ہی ہیں "باقی آئندہ"

میں جرح اور تعدیل سے کچھ نتیجہ نکالا جائے، تو مضمون کی خوبی یا نقص پر کوئی رائے قائم ہو سکے، لائق مضمون نگار جو کچھ نتیجہ نکالیں، اُس سے "ادیب" کے اڈیٹر کو خود ایک نتیجہ نکالنا، یہ بہت مشکل مسئلہ ہی، بہرحال اسوقت "ادیب" میں جو کچھ ہی، وہ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کی نظم ہے۔

یہ موازنہ کسی قدر طویل ہوگیا مگر پھر بھی رسالہ "زمانہ" کے جزوی اوصاف لکھنے سے رہ گئے، خیر، جو کچھ نتیجہ نکل سکا ہی، وہ یہی ہے کہ انصاف کا قلم جنوری ۱۹۱۱ء کے دونوں رسالوں کو دیکھکر "ادیب" کے مقابلے میں رسالۂ "زمانہ" اور اُسکے لائق اڈیٹر منشی دیانرائن صاحب نگم۔ کو کامیابی کی ڈگری دے رہا ہے۔

سچ یہ ہی کہ "زمانہ" اپنے اوصاف کے پروبال سے بلند ہوکر ایسے علمی اوج پر پہونچا ہی، جسکی پرچھائیں تک بھی "ادیب" کی نظر نہ پہونچ سکی۔

راقم احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

غزل نعتیہ

بحمداللہ کہ ہے روح القدس یاور سخنور کا
نہیں تو یہ زبان اور حوصلہ نعت پیمبر کا

اگر لائے یہان تک نفحہ اس زلف معنبر کا
برملا احسان ہو مجھپر نسیم روح پرور کا

نہیں ہے خوف مجھکو آفتاب روز محشر کا
بجائے چتر ہوگا سایہ دامان پیمبر کا

ہے جب سے عشق ہمکو چہرۂ پاک پیمبر کا
نظر آتا ہے کچھ بے نور سا رخ مہر انور کا

بڑھا سودا اگر اُس شاہ کی زلف معنبر کا
گریباں اپنے ہاتھوں چاک ہوگا صبح محشر کا

مری جو بیت ہو تصویر ہو ابروئے حضرت کی
مرا جو شعر ہے گویا مرقع ہے پیمبر کا

نبیؐ کی مدح لکھیں گے جو اپنے صفحۂ دل پر
رگ جاں سے ہم اپنے کام لینگے تارِ مسطر کا

چمک خورشید کی جچتی نہیں ہے میری نظروں میں
کہ تھا کچھ اور عالم آپ کے روئے منور کا

خدا کے فضل سے نانِ جویں روزانہ کھاتا ہوں
بنایا مفلسی نے متبع مجھکو پیمبر کا

عرب جانا نہیں ہو میری قسمت میں اگر یا رب
ہے تیرے دست قدرت میں بدل دینا مقدر کا

مرے ہیں عشق میں اُس گوہر برج رسالت کے
ہمارے غسل میت کو ہو پانی حوضِ کوثر کا

چلی آتی ہے بھینی بھینی خوشبو کوئے حضرت سے
ہماری قبر کو کیا کام ہے پھولوں کی چادر کا

ثنا خواں دیکھکر مجھکو گلی کوچوں میں طیبہ کے
کہا لوگوں نے طوطی بولتا ہے باغِ سرور کا

بجائے شمع ہوگا تربتِ تاریک میں اپنی
جو داغ عشق ہو دل میں نبیؐ کے روئے انور کا

بیانِ عالمِ انوار عارض کی تجلی سے
قلم پایہ نخلِ طور ہے دستِ سخنور کا

کہا رضواں نے مجھکو لاکھ چلئے خلد میں لیکن
در پاکِ نبیؐ سے ایک جو ہم ہیں نہیں سرکا

کشش ہوتی ہے یہ تاثیر ہے عشقِ پیمبر کی
نہیں جاتا ہوں یہ کچھ پھیر ہے اپنے مقدر کا

اُڑا پھرتا ہوں تنکوں کی طرح کوچے میں حضرت کے
تعالی اللہ کیا رتبہ ہے میرے جسم لاغر کا

نسیم صبح آتی ہے چلی حضرت کے کوچے سے
بتا دیتا کوئی جا کر پتا اُسکو مرے گھر کا

تبسّم ہے تخلص ، نام ہے میرا محی الدیں
فدائی ہوں ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کا

کورٹیز نمبر ۴

(سلسلہ کیلئے دیکھو پرچہ جنوری ۱۸۸۱ء)

اندلس سے جو طوفان اوٹھا تھا اب مکسیکو کی جھیل پر پہونچ گیا، اس جھیل کے درمیان سے راہ نکالنے کے لیے جا بجا سنگین وعریض پشتے انھین لوگون کے بنائے ہوئے دیکھنے مین آئے جس پر سے آٹھ سوار برابر برابر گزر جائین کنارہ کنارہ نفیس نفیس عمارتین ترتے ہوے کھیت پانی کے درمیان چھوٹے چھوٹے جزیرے اُن پر بستیان ایک پرستان، عالم طلسمات کی کیفیت سحر کا کارخانہ معلوم ہوتا تھا، ان بستیون کے تباہ ہو جانے سے اب اُن جھیلون پر چشم پر آب کا عالم ہی، آگے بڑھ کر ایک شہر زنیپالا پان جس مین چودہ پندرہ ہز خوبصورت خوبصورت مکان تھے راہ مین ملا، راجہ کا بھائی اس جاگیر کا مالک تھا اُس نے اہل اندلس کے استقبال کے لیے شہر کے تمام امرا کو بلایا تھا، بہت سا سونا اور نفائس دینے کے علاوہ بڑے تکلف سے اوس نے دعوت بھی کی، کورٹز نے رات کو یہین مقام کیا، یہان سے وہی تین کوس کے فاصلہ پر دار السلطنۃ مکسیکو واقع تھا، اونچی اونچی عمارتون کی سفیدی اور شہر کا سواد یہان سے صاف معلوم ہوتا تھا،

صبح کو نومبر ۱۵۱۹ء کی آٹھوین تاریخ کورٹز نے لشکر مرتب کیا، آگے آگے سوار پیچھے گورون کی قطار ان کے درمیان میگزین سب کے پیچھے ٹلاسکالا والون کی فوج لے کر روانہ ہوا، تمام راستون مین دو جانب اور جھیل مین ناؤون پر تماشائیون کا ہجوم اور نظارگیون کا ازدحام نظر آتا تھا، یہان جتنے لوگ ملے سب مونٹی زوما کو جہان پناہ اور بادشاہ اور ظل اللہ کہنے والے تھے کوئی شاکی و فریادی نہ تھا، شہر سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ایک سنگین پائدار فصیل ملی جسے قلعہ اوکزاک کہتے تھے، فصیل چار گز بلند اُس کے سرون پر مستحکم بروج اور بیچ مین ایک پھاٹک تھا جس مین سے کورٹز کا لشکر گزرا، یہان کئی

سو سردار اور عہدہ دار استقبال کے لیے شہر سے آے ہوے کھڑے تھے اُن سے ملاقات کرنے اور سلام لینے مین ایک ساعت ٹھہرنا پڑا، اِس کے بعد شہر کے قریب پہونچکر ایک چوبی پل پر سے لشکر گزرا، یہ پل کھلتا اور بند ہوتا تھا،

اِس مقام پر ان لوگون کو سخت وسواس ہوا کہ اگر پل کو کھول دین تو ہم سب قید ہو جائین گے اور بھاگنے کی راہ بھی نہ پائین گے، اسی خلجان کی حالت مین دیکھا کہ مونٹی زوما کی سواری سامنے سے چلی آرہی ہی، سونے کا ہوا دار شامیانہ مرکز کش وجواہر نگار اردلی مین امرا و عہدہ دار دور سے دکھائی دئے، جب سواری قریب پہونچ کر ٹھہر گئی اور راجہ نے اوترنے کا ارادہ کیا تو خادمون نے راہ مین قالینین بچھادین، اور راستہ کے دونون طرف قطار باندھے گردن جھکاے سب کے سب کھڑے ہو گئے، اور بعض لوگ سربسجود ہو گئے، کورٹز بھی گھوڑے سے اوتر کر اور چند افسرون کو ساتھ لیکر راجہ سے ملنے کے لیے بڑھا، راجہ نے ان لوگون کی ملاقات پر اظہار مسرت کیا، کورٹز نے اُس کے انعامات واحسانات اور بار بار زر وجواہر بھیجنے کا شکریہ ادا کیا، اور ایک خوبصورت ہار رنگین ترشے ہوے شیشون کا اوس کے گلے مین ڈال دیا، گلے ملنے کے لیے یہ بڑھا تھا کہ دو ہندو سردارون سے نہ رہا گیا، سوے ادب سمجھ کر فورًا اس کو روک لیا، راجہ نے اپنے بھائی کو ان کا مہماندار مقرر کیا اور خود سوار ہو گیا، کہتا گیا کہ فلان مکان مین ان مہمانون کو اوتار دو، یہ مکان مونٹی زوما کے باپ کا گھر تھا، پچاس برس پہلے کی تعمیر تھی، وہان یہ لوگ جب پہنچے تو راجہ کو دیکھا کہ ان کے انتظار مین ہی، کورٹز کو ایک ہار اور چند قسم کے زیور پہنائے اور یہ کہکر رخصت ہوا کہ تم لوگ تھکے ہوے ہو آب استراحت کرو، اُس مکان کے چند درجون مین سارا لشکر اندسیو ہکا

اور بھیڑ ٹلاسکالا کی سما گئی، کورٹز نے سب سے پہلے تو پون کو ایسے موقع سے لگایا
جیسے کوئی محصور رہ کر اپنی حفاظت کرتا ہی اور سب لشکر کی جگہ ترتیب جنگ کے طور پر
مقرر کی، اس کے بعد دعوت کا کھانا چنا جانے لگا شاہی غلام الوان طعام دست بدست
پہونچانے لگے، مہانون نے نہایت رغبت سے بہت سیر ہو کر کھانا کھایا، کھانے سے
فارغ ہوے تو راجہ کی آمد آمد کی پھر خبر ہوئی، کورٹز بہت تعظیم سے پیش آیا امرا ادب سے
کھڑے ہوگئے، راجہ پہلے ملک اندلس کا اور وہان کے بادشاہ کا بہت کچھ حال پوچھتا رہا
پھر ان لوگون کے یہان آنیکا سبب دریافت کیا۔ مرینا دونون زبانون سے واقف
تھی ترجمہ کرتی جاتی تھی اور اس کی بات اُسے اُس کی اُسے سمجھا دیتی تھی، مونٹی زوما
کے بیان سے معلوم ہوا کہ جس دن یہ لوگ ٹباسکو مین پہونچے، جب سے آجتک کی ساری
خبرین اور ان کی نقل وحرکت کا سارا حال اُس کو معلوم ہے، اس کے بعد خادمون کو حکم
دیا کہ خلعت وجواہر لے کر آئین جتنے لوگ اہل اندلس وٹلاسکالا وہان موجود تھے سب کو
خلعت اور تمام یورپ والون کو سونے کی زنجیرین اور طرح طرح کے زیور تقسیم کر کے سوار
ہوگیا، اوس کے آگے چھ سات ہزار آدمیون کو خلعت دے دینا کچھ بات ہی نہ تھی، دن
بھر مین چار دفعہ وہ خود پوشاک بدلتا تھا اور ایک دفعہ پہن کر پھر نہین پہنتا تھا
تقسیم کر دیتا تھا، اسی طرح کی نفاست انگلنڈ کی ملکہ الیزبتھ کے مزاج مین بھی تھی لیکن
وہ اپنے کپڑے سینت رکھتی تھی۔

کورٹز نے اپنا رعب بٹھانے کے لیے شام کو توپین سر کین کہ تمام اہل شہر دہل گئے
مکان ہل ہل گئے، کوہ آتش فشان سے وہ لوگ بہت خائف رہا کرتے تھے، رنجک
کی چمک گندک کی بو گرج کی آواز دھوئین سے تنگ ہو کر یہی سمجھے کہ کوہ آتش فشان شہر کے

اندر آگر پھٹ گیا، صبح کو کورٹز نے بازدید کی درخواست کی، راجہ نے چند امرا کو بھیج کر اپنے دارالامارۃ مین بلوا بھیجا، یہ مکان لال مشبک پتھر کا بنا ہوا تھا، جا بجا سنگ مرمر کا بھی کام تھا، اور اسقدر وسیع کہ کورٹز لکھتا ہی کہ مین بار ہا اوس ایوان مین گیا اور پھرتے پھرتے تھک گیا پھر بھی سب کمرے اوس کے نہ دیکھ سکا، طیور خوش رنگ و خوش آہنگ اس کثرت سے پلے ہوے تھے کہ تین سو آدمی اُن کی خدمت کے لیئے مقرر تھے، مرغان آبی کے لیے میٹھے اور کھاری پانی کے بڑے بڑے تالاب تھے، اور اُن تالابون مین مچھلیان تھین، طائران شکاری مثل شاہین و شاہباز وغیرہ کے اس قدر تھے کہ پان سو تر کی مرغیان اُن کے طعمہ مین روزانہ دی جاتی تھین، سباع و دواب کا جانور خانہ الگ تھا، انواع و اقسام کے سانپ اور چیتے اور سیکڑون زہریلے حشرات الارض الگ پلے ہوے تھے، یہان تک کہ عجیب الخلقہ انسان بھی کتنے ہی وہان موجود تھے، ایک باغ خاص اوویہ کا تھا کہ اُن حشائش وعقاقیر کے خواص و تاثیر سے وہان کے اطبا باخبر تھے یہ دارالامارہ بہت بلند تو نہ تھا لیکن بڑے بڑے دالان وسیع کمرے نفیس نفیس پردے عود سوز اور مجمرون کی خوشبوون سے سب بسے ہوے تھے۔

آج کی ملاقات مین اس اندلسی نے زبان کی طاقت سے بہت کام لیا، اور یہ چاہا کہ مونٹی زوما پر ثابت کردے کہ ذریعہ نجات صلیب کے سوا اور کچھ نہین، اور تثلیث و توحید کا خلط مبحث اچھی طرح اُس کے ذہن مین اُتار دے، اس نے استدلال و احتجاج کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، اور اس کی عورت مرینا بھی ایک ہی علامہ نکلی ان حقایق و دقایق کے سمجھانے مین بھی ترجمانی کرتی رہی، مگر یہ باتین جب عیسائی لوگ خود ہی نہین سمجھ سکتے اور اس کے معترف بھی ہین کہ نہین سمجھ سکتے پھر بھلا کسی کو کیا سمجھائینگے،

اس اندلسی نے دعوت مذہب مین تقلید مسلمانون کی تو کی مگر یہ نہ سمجھا کہ کجا توحید و کجا
تثلیث، یہ بھی کہتے ہین کہ آقانیم ثلاثہ کا ایک ہوجانا سمجھ مین نہین آسکتا اور یہ بھی دعوے
کرتے ہین کہ ہم کو اس پر یقین حاصل ہی، جو بات سمجھ مین نہ آئے اُس پر یقین کیونکر حاصل
ہوسکتا ہے، قضیہ جب تک متصور نہو اُس سے اذعان کب متعلق ہوسکتا ہے، جب
اُن سے یہ کہو کہ مبدء عالم ایک بھی ہو اور تین بھی ہو یہ ہونہین سکتا عقل انسانی جو حجۃ
خدا ہے یہان ادراک بطلان کرتی ہی، تو وہ یہ استدلال کرتے ہین کہ دیکھو ایک چیونٹی کی
ماہیت کے سمجھنے مین بھی بطلان ادراک ہوتا ہے۔ غرض کہ ادراک بطلان و بطلان ادراک مین
کچھ فرق نہین کرتے، نہونے کی سمجھ اور سمجھ کا نہونا دونون مین وجود و عدم کا فاصلہ ہی

مونٹی زوما نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے جہان جہان تم لوگ گئے یہ بحثین بھی رہین
بیشک تمھارا خدا بہت اچھا ہی مگر ہمارے لیے ہمارے معبود بھی سب اچھے ہین، پھر مذہبی
بحث کو کاٹ کر کہنے لگا، کہ سنو مین جو تمھین اپنے یہان بلانے مین پس و پیش کرتا تھا، اُس
کا سبب یہ تھا کہ مین نے سنا تھا کہ لوگون پر تم بجلی گرا دیتے ہو، اور دیو زاد جو تمھاری
سواری مین ہین وہ انسانون کو نگل ڈالتے ہین، مگر اب مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ خبرین غلط
تھین، مین نے تم کو نہایت ملنسار اور خوش اخلاق پایا، اور تم نے بھی یہ خبر غلط سنی
تھی کہ مین سونے کے مکان مین رہا کرتا ہون، دیکھ لو میرا گھر تو پتھر کا بنا ہوا ہی، البتہ سونا
چاندی اور ملک وسیع میرے قبضہ مین ہی لیکن اب ان سب چیزون کا اصلی مالک
تمھارا ہی بادشاہ ہی جو سمندر کے اُس پار رہتا ہی، تم سب لوگ اُس بادشاہ جلیل القدر
کے سفیر ہو۔ اس ملک و مال مین سے حصہ لینے کا حق تم کو حاصل ہی، ابھی تھکے ہوے
ہو استراحت کرو، یہ گھر تمھارا گھر ہے، اسباب راحت سب مہیا رہینگے، اور جس طرح

میرا حکم چلتا ہی اسی طرح سے تمھارا حکم بھی چلیگا، کہتے تو یہ کہا لیکن موتی زر ماکے آنسو ٹپک پڑے، ابرخاست کرنے کے پہلے حسب معمول تمام اہل اندلس کو پھر زر وجوا ہر تقسیم کیا، کم سے کم ایک ایک شخص کے گلے مین موٹے موٹے طوق سونے کے ڈال دیے کہ بار احسان سے گردنین سب جھک گئین،

اب کورٹز کو یہ فکر ہوئی کہ یہان کے لوگون کا حال لشکر کی طاقت انتظام کی کیفیت خزانہ کا مقام راہون کا ہیر پھیر مفصل معلوم ہونا چاہیئے، ورنہ بغیر اسکے کوئی کام کر بیٹھنا ہرگز مناسب نہین، یہ سوچ کر پہلے اس نے شہر مین پھرنے کی اجازت راجہ سے مانگی اور بآسانی حاصل ہوگئی، شہر کی فصیل پانچ کوس کی مسافة تھی جس مین ساٹھ ہزار گھر تین لاکھ کی آبادی تھی، اکثر عمارتین نہایت عالیشان راہین وسیع اور آب پاشی اور صفائی کا خاطر خواہ انتظام تھا جھیل کی متعدد شاخین آبادی کے اندر آئی ہوئی تھین، اُن مین سیکڑون ناوین غلہ اور ترکاری اور میوہ سے لدی ہوئی دور دور سے آیا کرتی تھین، اور بازارون مین اوتار لی جاتی تھین ہر ہر بازار مین تحصیل کی کچہری بھی ایک ایک نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی ان آبنایون پر آدمیون کے اور کشتیون کے عبور و مرور کے لیے جابجا ایسے پل بندھے ہوے تھے جو کھل بھی جاتے تھے اور بندہ بھی جاتے تھے بازارون ناوون کا پھرنا گلی کوچون مین سے ناوون کا گزرنا شہر وینس کی کیفیت دکھاتا تھا، جھیل کا پانی کھاری تھا اس سبب سے ایک پہاڑ پر سے دو کوس کے فاصلہ سے میٹھا پانی مٹی کے نلون مین لائے تھے، مٹی کے نل اتنے اتنے بڑے کہ ایک آدمی کے ڈیل کے برابر ایک ایک نل تھا، پلون کے مقام پر نل کھلے ہوے تھے کہ کشتیون مین میٹھا پانی بھر سکین، شہر کا بڑا بازار دیکھنے یہ سب لوگ پہونچے اور وہ

بازار کا دن بھی تھا، شہروں کے تاجر و اہل حرفہ انواع و اقسام کا مال و متاع و نیز اہل
و امتعہ لیے ہوئے موجود تھے، سب تجار و دوکاندار چالیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے
رانگے کے پیسے اس بازار میں رائج تھے، اور اشرفیون کے بدلے سونے کے ٹکڑون کا
چلن تھا، تمام بازار مسقف تھا صد ہا ستون ہی ستون نظر آ رہے تھے، پھر بزازہ
الگ، جوہری بازار الگ، سنار زیور گڑھ رہے ہین، بڑھئی کرسیان جڑ رہے ہین
ادھر کی سمت مین عطار و بیطار اس جانب مصور و حجار ہین، کسی طرف گوشت بک
رہا ہے کسی طرف کھالین فروخت ہو رہی ہین، سونے چاندی کے عجیب و غریب کھلونے
ناچتے ہوے کودتے ہوئے، خرگوش کے بالون سے اور طیور کے پرون سے بنے ہوئے
نفیس نفیس تھان دیکھ کر ان یورپ والون کو یورپ کے ریشمی طاقے یاد آ گئے، تمام
زن و مرد کے پر تکلف لباس اور خوش نما وضع کو دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ جس قوم
مین ایسے اسباب تمدن موجود ہین اُن کو کون وحشی کہہ سکتا ہے، اور انصاف یہ ہے کہ
اس سلیقہ کا بازار یہ صفائی کا انتظام حفظ صحت مین یہ اہتمام اس طرح کے تھانے ایسی
کچہریان زندہ حیوانون کو اس طرح جمع کرنا ہر قسم کی جڑی بوٹی کا باغ لگانا یہ سب باتین
یورپ والون نے انھین اجل رسیدہ وحشیون سے سیکھین، ورنہ اب سے چار سو
برس پیشتر یورپ مین یہ روشنی کہان تھی۔ ہان آلات حرب اُن لوگون کے پاس
نہ تھے اس سبب سے بکریون کی طرح ذبح ہو گئے، بازار کو دیکھ چکے تو بڑے بتخانہ
کا درشن کرنے کو سب کے سب روانہ ہوے، یہ نہایت بلند عمارت تھی، جو لولاکے
بتکدہ سے شان و شوکت مین یہ بھی کم نہ تھی، یہ سب لوگ اُس کی بدنی پر چڑھے
ہوے چلے گئے، بنظر عاقبت اندیشی راجہ وہان پہلے سے موجود تھا کہ ایسا نہو یہ لوگ

کچھ بے ادبی کر بیٹھین، اس بلندی پر سے تمام شہر کا نقشہ عمارتون کا دور تک سلسلہ
سڑکون کا اور نہرون کا تقاطع جھیل مین ناوون کا ہجوم سب صاف معلوم ہوتا تھا۔
سانپ کی کھال سے منڈھا ہوا ایک نقارہ اس بتکدہ مین رکھا ہوا تھا کہ ہنگام مصیبت
مین اُسے بجاتے تھے، بت اُن کے نہایت مہیب شکل کے تھے مگر زر و جواہر مین سب
لدے ہوے، انسانون کے تین دل ایک بت کے سامنے پڑے ہوے پھڑک رہے
تھے، معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت تین آدمیون کو بھنیٹ دیا ہے، اس معبد کے سامنے
ایک بڑا انبار کھوپریون کا تھا یہ سب وہ اجل رسیدہ تھے جن کی قربانی اس معبد
مین ہوئی ہی، دو اندلسی سپاہیون نے وہ سب کھوپریان گنین، کہتے ہین ایک لاکھ
چھتیس ہزار تھین، ایسے مذہب کا تلوار کے سوا کچھ علاج نہین ہوسکتا،

دنیا مین جہان جہان بت پرستی تھی عرب یا ہندوستان فنشیا یا یونان سب جگہ انسانی
قربانی ضرور تھی، بیٹیون کو زندہ گاڑنا عورتون کو زندہ جلانا بچون کو بھینٹ دیدینا
اور اسی طرح کے صدہا وبال اس فرقہ کے نامہ اعمال مین ہمیشہ سے چلے آتے ہین اور اسمین شک
نہین کہ جو لوگ ان جرائم کے مرتکب ہون وہ تمام عالم کے نزدیک واجب القتل ہوچکے
لیکن جو لوگ خود بت پرست ہین وہ کیا سمجھ کر اون کو ہدایت کرنے چلے کورٹز راجہ سے
مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ تمھارے معبود سب کے سب شیطان ہین، اگر تم اجازت دو تو
ان کی جگہہ پر مریم و مسیح کی مورتون کو ہم نصب کرین، راجہ یہ سن کر آزردہ ہوا اور یہ
جواب دیا کہ اگر مین جانتا کہ تم ایسی گستاخی کروگے تو اس معبد مین آنے کی اجازت ہی تم
کو نہ دیتا، راجہ کے آزردہ ہوجانے سے کورٹز کچھ شرمندہ ہوکر رخصت ہوا، وجس
مکان مین اوترا ہوا تھا اُسمین کا ایک بڑا دالان گرجا بنانے کے لیے تجویز کیا، راجہ نے

اجازت بھی دیدی یہ بات مشہور تھی کہ اوس مکان مین بہت بڑا خزانہ ہے، اگرجا بنانے کے لیے جو اُسے جھاڑنا صاف کرنا شروع کیا تو ایک جگہہ سے کچھ استرکاری جھڑگئی اسکے نیچے چھُپا ہوا ایک دروازہ نکلا، کورٹنز کو خبر ہوئی، اُس نے چپکے چپکے ساری استرکاری تڑوا ڈالی، دروازہ کو کھول کر دیکھا تو سونے چاندی کا انبار اور جواہر کی کھڑکا ڈھیر لگا ہوا ہے، بے انتہا دولت اور لاتعد ولاتحصےٰ زر وزیور اُس خزانہ مین بھرا ہوا ہی قارون کا خزانہ جو ایشیا مین دہنس گیا تھا سیدھا امریکہ مین آکر نکلا، کورٹنز نے اُسیوقت پھر دروازہ بند کرکے چُنوا دیا اس سے مونٹی زوما کے سیرچشم وصاف باطن ہونے کا پتہ لگتا ہے، کہ اُس مکان مین ان حریفون کو اُتارا، اُس کو یہ گمان بد ان لوگون کی طرف سے نہین گزرا کہ خزانہ دبا بیٹھین گے۔ غرض تین دن مین گرجا تیار ہوگیا، مریم ومسیح کی تصویر وصلیب شہ نشین پر نصب کرکے عیسائیون نے بڑی دہوم سے اپنے رسوم مذہبی کو ادا کیا، (باقی آیندہ) رقم

علی حیدر طباطبائی

رباعیاتِ رشید

ہر چند بہت ملول ودلگیر ہوں میں کیا فائدہ کیوں بیاں کروں پیر ہوں میں
دیکھو مجھے پوچھنے سے کیا حاصل پیری وہ ہے کہ جس کی تصویر ہوں میں

ولہٗ

شاہی کی گئی فصل فقیری آئی نوبت بہ عصا ودستگیری آئی
رخصت کا کیا ہمسے جوانی نے سوال طاقت نے دیا جواب پیری آئی

غزل

بتکدہ میں کیا کہیں کیا سیر کی
بچ گئے زندہ خدا نے خیر کی

قابلِ عبرت ہے یہ اے بیوفا
میرے غم میں نوحہ خوانی غیر کی

جب نہیں دیکھا مرا ویران گھر
تونے اے سیاح پھر کیا سیر کی

جستجو اتنی تری بڑھتی گئی
جسقدر دنیا کی ہمنے سیر کی

راتدن پھرتی ہیں آنکھوں میں عزیز
صورتیں وہ ساکنانِ دیر کی

مرزا محمد ہادی عزیز

غزل

کدورتِ دلِ معشوق کا عذار ہو نہیں
ہوا اڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہو نہیں

ہجومِ داغِ محبت سے لالہ زار ہوں میں
خزاں کا خوف نہیں جسکو وہ بہار ہوں میں

یہ ان سے پوچھ کے آتا ہے مجھپہ تیرِ مژہ
دو سار قلب میں ہوں یا جگر کے پار ہوں میں

ابھی میں بیٹھا ہوں گردِ ملال کی صورت
اٹھوں تو خاطرِ رنجور کا غبار ہوں میں

دکھاؤں کیا دمِ پیری امنگ اے ساقی
کسی کی چشم کا اترا ہوا خمار ہوں میں

مجھے یہ دیتا ہے تسکین وصل کا ارماں
کہ ان کی آنکھوں میں اب نیند کا خمار ہوں میں

طفیلِ آلِ محمد نجات ہوگی نجیب
سیاہکار اگر اور گنہگار ہوں میں

ابوالخیر محمد نجیب اللہ لکھنوی

حرمت نسوان

(مشرق و مغرب کے خیالات، ایشیا کی پرانی تہذیب کا خاکہ، اسلامی تمدن کے برکات نسوان ہند کی حالت، جدید تہذیب کا خیر مقدم، ایک دلچسپ مکالمہ)

مکان کی بالائی منزل کا ایک خوبصورت کمرہ انگریزی وضع کے قیمتی فرنیچر سے مشرقی انداز پر سجا ہوا ہی اشرقی و غربی، دیوارون مین خوشنما پردون سے آراستہ دروازے دوسرے کمرون مین شامل ہین اور اس کمرے کی شمالی دیوار مین چھوٹی دو کھڑکیان ہین جنمین آہنی سلاخین لگی ہوئی ہین یہ کھڑکیان روشنی اور ہوا کے گذرگاہ کا کام دیتی ہین اور اسوقت مختلف عمارتون اور درختون پر دوپہر کی دھوپ چھاؤن کا بیرونی منظران کھڑکیون سے صاف نظر آرہا ہی، جانب مقابل یعنی کمرے کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی مخملی کوچ پر ایک بیگم صاحبہ تکیہ لگائے لیٹی ہین بظاہر انکی عمر تو بہت زیادہ نہین معلوم ہوتی دبلا پتلا جسم اور رنگت صاف ہی مگر چہرے پر نقاہت اور کسیقدر زردی نمایان ہے، اسی کوچ کے قریب ایک ہلکی سی آرام کرسی پر انکی دوست لیڈی ڈاکٹر فرو کش ہین جنکو اس کمرے مین آئے ہوے غالبًا ابھی چند منٹ سے زیادہ نہین گذرے ہین اسلیے کہ ان دونون مہذب خواتین مین حسب ذیل گفتگو ہو رہی ہے۔

بیگم۔ آپ کی عنایت سے مزاج تو اچھا ہی مگر مین نے آپکو یونہی تکلیف دی تھی کہ اسوقت آپکی باتون سے ذرا خفقان بہل جائے گا اور تھوڑی دیر وقت دلچسپی سے گذریگا، کیا یہان آنے سے اسوقت آپکا کوئی ہرج تو نہین ہوا؟

لیڈی۔ جی نہین میرا کوئی ہرج نہ تھا اور مین تو آپکے ہمسایہ مین رہتی ہون جسوقت بھی چاہے بلا بھیجا کیجیے بلکہ اکثر مین خود ہی بے تکلفانہ چلی آتی ہون یہ آپکی نوازش کا سبب ہے

اور آپکی زبانی اسوقت یہ سنکے مجھے مسرت ہوئی کہ ماشاءاللہ مزاج بحال ہی لیکن بیگم صاحب
مین نے آپ سے اکثر اصرار کیا ہے کہ آپکی صحت کے لیے تازہ ہوا کھانا نہایت ضروری ہے،
مین چاہتا ہون کہ روزانہ ہوا خوری کی علاوہ ابکی سال آپ کوہ نیلگری یا کسی اور پہاڑ کی سیر کا
ضرور انتظام فرمائیے گا، میرے خیال مین نیلگری کے پہاڑون کی آب وہوا نہایت ہی فرحت
انگیز اور مفید صحت ہی خصوصًا، گرمیون کے موسم مین وہان کے مناظر عجیب دلکش اور
پر فضا ہوتے ہین۔

بیگم۔ مین آپکی عنایت کی بہت مشکور ہون اور آپ کے مشورے کے موافق سالگذشتہ
پہاڑ کی سیر کا ارادہ کر چکی تھی مگر طبیعت کی کسل مندی نے معذور رکھا اور سچ تو یہ ہے
کہ میم صاحب باغ دنیا کے سیر تماشے آپ ہی کو مبارک رہین آپ جانتی ہین کہ ہم لوگ تو باغ
جنت کی ہوائین کھانے کے زیادہ مشتاق رہتے ہین۔

لیڈی۔ یہ آپ نے کیا کہا؟ باغ جنت تو سنا ہے کہ نیک لوگون کا گھر ہے اور ہم لوگ
جو بنی نوع انسان کے ساتھ نیکی و بھلائی کی اس قدر کوشش کرتے ہین کہ آپکے خیال مین
نجات کے مستحق نہین ہو سکتے۔

بیگم۔ جی نہین میرا یہ مطلب نہ تھا مین نے، ایک بات دلگی کے طور پر کہے تھے ورنہ
مین خود جانتی ہون کہ فقط قبلہ رخ کھڑے ہو جانا یا خالی نماز کی دو ٹکرین لگا لینا نیکی نہین ہی،
بلکہ نیک کام کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی اُسکو نیکی کا پھل ضرور ملے گا، خصوصًا عیسائی
تو اہل کتاب ہین اور اُنکے ساتھ دوستی و اتحاد پیدا کرنے کی ہماری مذہبی تعلیمات مین سطر
تاکید کی گئی ہی کہ "انمین رہبان اور قسیسین ہین جو بڑے نیک لوگ ہوتے ہین" آپ یہ ہرگز
نہ خیال کیجئے گا کہ جنت کا ذکر مین نے کسی تعصب یا نفرت کی نظر سے کیا ہی یہ محض ایک دلگی کی

بات تھی۔

لیڈی آپ نے مسلمانون اور عیسائیون کے ساتھ دوستی واتحاد کی تاکید کا جن الفاظ مین ذکر فرمایا ہے یہ مین نے کبھی پہلے نہین سنے تھے اور مین جانتی ہون کہ آپ اُن عورتون مین نہین ہین جو بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہوتی ہین، لیکن معاف کیجئے گا مین یہ سمجھی تھی کہ شاید آپ نے تاریخی کتابون مین صلیبی لڑائیون کے حالات کثرت سے دیکھے ہون گے اس لئے ہم لوگون کی طرف سے آپکا دل صاف نہین رہا۔

بیگم۔ اگر آپ کو اسوقت میری کسی بات سے ملال ہوا تو مجھے افسوس ہے لیکن جیسا مین کہہ چکی ہون تعصب و باہمی منافرت کو مین خود پسند نہین کرتی، صلیبی لڑائیون کے حالات جسقدر میری نظر سے گذرے ہین مین تو سمجھتی ہون کہ مذہب کی حمایت کے علاوہ اُنکا زیادہ حصہ ملکی مصالح پر مبنی تھا اور اس زمانہ کی عام وحشت و جہالت کا اندازہ کرتی ہوئی کسی فریق کی شکایت فضول ہے لیکن اسی زمانے کا یہ مشہور واقعہ شاید آپنے سنا ہوگا کہ ایک عیسائی شہزادی جو لشکر اسلام مین گرفتار ہوکے آئی جب وہ اپنے باپ کے پاس عزت و آبرو کے ساتھ واپس بھیجدی گئی ہے تو فوج مخالف مین اس شریفانہ طرز عمل کی تعریفون کا غلغلہ پڑگیا، مگر ممکن ہے کہ انگریزی کتابونمین مسلمانون کے ساتھ نفرت دلانے والی قصہ کہانیان مشہور ہون جو میری رائے مین قابل اعتبار نہین ہین

لیڈی، بیشک اس قسم کے بعض واقعات مین نے بھی سنے ہین مگر آپ خفا نہون تو مین کہون گی کہ مسلمانون کی عظیم الشان ملک گیری کیا اسبات کا ثبوت نہین ہے کہ اس قوم کو قتل و غارت کا شوق بہت تھا، خصوصاً صنف نازک کے حقوق جسقدر آپ کے یہان پامال کیئے گئے ہین اس کا اثر اب تک باقی ہے مثلاً رسم پردہ کی ایجاد، کیا آپ اسکو داخل تہذیب سمجھتی ہین۔

بیگم۔ دوستانہ باتون مین خفگی کا اندیشہ نہ کیجئے تبادلۂ خیالات سے بہت سی غلط فہمیان

دور ہوجاتی ہین ، مسلمانون پر قتل وخونریزی وغیرہ کے الزامات کچھ نئے نہین ہین اور اسمین صرف مسلمانون کی کیا خصوصیت ہی غور کیجئے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ جنگ وپیکار کے واقعات سے خالی نہین ہی بابل ونینوا کے آثار ظلم وستم کے مدفن ہین سکندر، سیزر، قسطنطین اور نپولین تک جسقدر بڑے بڑے نامور گذرے ہین اور جن کے نامون کیساتھ اعظم کا لقب دیا جاتا ہی ان سبکی لشکرکشی کے حالات سے اوراق تاریخ رنگین ہین ، فارس کی داستان پاستان رزمیہ فسانون سے بھری ہوئی ہے اور خود ہندوستان جسکو گئو ماتا کے پوجاریون نے بھارت ورش ، یعنے دار الحرب بنا رکھا ہی یہان کے اصلی باشندون کے ساتھ قدیم حملہ آورون نے جیسی سفاکی وبیرحمی کے سلوک کیے ہین اوسکی زندہ تاریخ آجتک جنوبی ہند کے پہاڑون اور جنگلون مین کچھ کچھ موجود ہی ، اصل یہ ہی کہ جس زمانے مین ترقی وتہذیب کا دارومدار جسمانی طاقت اور زور آزمائی پر تھا اوسوقت صنف نازک کے حقوق خواہ مخواہ تلف ہوجانا ممکن تھا مگر مسلمانون نے جہان علم وعمل کی نورانی شعاعون سے تمام عالم کو منور کردیا ، عدل وانصاف ، صداقت وصلح جوئی کا علم سفید بلند کیا ، آزادی ومساوات حقوق کی بنیادین قایم کین ویسے ہی عورتون کوبھی وہ درجہ عطا کیا جو اون سے پیشتر کسی قوم نے نہین دیا تھا ، ایسی حالت مین قوم اسلام پر یہ الزام کہ وہ عورتون کی ذلت وتحقیر کا باعث ہی ، کسقدر غلط اور انصاف سے دور ہے ، پردےکی رسم کو شاید آپ مسلمانون کی ایجاد سمجھتے ہین مگر یہ صحیح نہین ہی بلکہ شام وایران کی تقلید سے — مسلمانون کی ... ہی بلکہ شام وایران کی تحتیابیون سے پیشتر مسلمانون کی عورتین رزم وبزم مین اپنے مردون کے ساتھ برابر شریک حال رہی ہین اور اکثر لڑائیون مین اپنی قوم کو فصیح وبلیغ اور پرزور لکچرون سے جرأت وہمت دلاتی رہی ہین اسیطرح کی چند فصیح وبلیغ اور پرجوش عربی عورتون کے حالات ہم نے ایک رسالے مین دیکھے ہین کہ وہ ایک معرکہ مین حضرت امیر معاویہ کی مخالف

بنکر تیغِ زبان کے جوہر دکھا رہی تھیں، مگر جب حضرت معاویہ نے دمشق مین شاندار حکومت اسلامیہ کی بنا ڈالی تو اپنے حضور مین اُنہین سے بعض عورتون کو طلب کیا انکی فصاحت وجوش صداقت کی تعریفین کین اور بھرے دربار مین اُنکو آزادانہ تقریرین کرنیکا موقع دیا اور پھر عزت واحترام کے ساتھ اُن سب عورتون کو درجہ بدرجہ معقول تحفے و انعامات دیکے رخصت کیا، اسلیئے کہ امیر کا قول تھا کہ "عورتین شریفون پر غالب ہو جاتی ہین اور کمینون سے مغلوب رہتی ہین"۔

اسطرح کے واقعات جو اسلامی شعاروں سے متعلق ہین آپ چاہین تو اسلامی تاریخ مین بکثرت مل سکتے ہین۔

لیڈی۔ آپ یہ سچ کہتی ہین کہ ہر قوم کی تاریخ مین جنگ وجدل کے واقعات نظر آتے ہین، بلکہ یورپ مین بعض قومین مثل ونڈال اور گاتھ وغیرہ ایسی جنگجو اور خونخوار گذری ہین جنکی وحشیانہ طرز عمل کے مقابلہ مین مسلمانون کے یادگار تمدن کو برا بھلا کہنا گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔ مگر مسلمانون مین عیش پسندی کا مرض ایسا عام ہے جس کی وجہ سے عورتون کی حالت بہایم سے بدتر بنادی گئی اور وہ تمام علمی وعقلی آزادی سے محروم کردی گئین ہین۔ اسلامی تہذیب پر اہل یورپ کو نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہے۔

بیگم۔ ایک انگریزی مصنف کا یہ مقولہ بالکل سچ ہے کہ "ہر قوم کی تہذیب کا اندازہ اسکی فرقہ نسوان کی حالت سے ہو سکتا ہے" اور یورپ کا موجودہ تمدن نسوانی توقیر کے لحاظ سے جسقدر ناز کرے بجا ہے، مگر آپ نے اسپین مین مسلمانون کی ترقیات کے حالات ضرور دیکھے ہون گے کہ جس زمانے مین یورپ عام وحشت اور تاریکی مین مبتلا تھا اُسوقت قرطبہ اور غرناطہ کے متعدد مدرسے اور شفاخانے عالمہ وفاضلہ عورتون کے زیر اہتمام مشہور عالم ہو رہے تھے،

غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں کی بھی عزت و توقیر کے اصلی اسباب اشاعت تعلیم، شایستگی، ہمدردی انسانی اور حُریت کے اوصاف ہین اس لحاظ سے جب آپ دیکھتی ہین کہ اکثر مسلمان مستورات تعلیم و تہذیب ہمدردی و نیک نفسی مین نادرۂ روزگار گذری ہین تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانون کا وحشی اور غیر مہذب قومون مین شمار کیا جاے، مسلمانون کے آنے سے پیشتر اسپین کے گاتھک فرمانروا انکے ظلم و ستم کیا زمانے سے مخفی رہے ہین درحقیقت وہ مسلمان ہی تھے جن کی بدولت آج یورپ کو تہذیب و شایستگی مین بلند نامی کا افتخار حاصل ہوا ہے۔

لیڈی۔ بیشک مین تسلیم کرتی ہون کہ یورپ نے بہت سے اوصاف مسلمانون سے میل جول حاصل ہونے سے سیکھے ہین مگر مجھے سخت تعجب ہے کہ مسلمانون کی شریف اور شایستہ قوم مین کثیر الازدواجی اور غلامی کی مذموم عادتین کیونکر پسندیدہ سمجھی گئین بلکہ جہان تک مجھے معلوم ہے انسداد غلامی کی یورپ نے جیسی زبردست کوششین کین ہین ان سب کے باوجود شاید بعض اسلامی سلطنتون مین ابتک عورتون اور بچون کو زبردستی غلام بنا لینے کی ظالمانہ کاروائیان جاری ہین اور ارمن و گرجستان انسانی خرید و فروخت کی عمدہ بازارین سمجھی جاتی ہین اسکے متعلق آپکے خیالات کیا ہین؟

بیگم۔ آپ نے ایسے اہم مسائل چھیڑے ہین جنپر کسی اور وقت پر تفصیل سے بحث ہو سکتی ہے مگر مسلمانون کے زیر اثر ممالک مین ایسے حالات کے وجود ثابت کرنے مین زیادہ تر تعصبات کو بھی دخل ہے اور امراے اسلام کے غلامون کی حالت کا اندازہ آپ یونان اور روما کے غلامون کی دردناک حالات سے نکیجیے بلکہ ارمن و گرجستان کے سبزہ زارون اور چراگاہون سے غریب مگر وحشی اور جاہل دہقانون کی حسین اور تربیت پذیر لڑکیان جو محل سلطانی مین زبردستی

نہین بلکہ برضا و رغبت داخل ہوتی تھین اور ایوان خلافت مین آنے کے بعد عمدہ تعلیم و تربیت کے بدولت موسیقی اور فنون لطیفہ وغیرہ مین کمال حاصل کرتی تھین، یہ عزت ایسی تھی کہ اُن گنوار دہقانون کے کبھی پیشتر خواب و خیال مین بھی نہین آئی تھی، اسکے علاوہ اُنکی اولاد کے حقوق مین بھی کوئی کمی نہین کی گئی، شجرۃ الدرر اور سلطانہ رضیہ کے نام آپنے سنے ہونگے جو غلامی سے شاہی کے درجہ تک پہونچگئین، اسیطرح ہندوستان مین بھی مسلمانون نے دیسی رانیونکی جیسی عزت افزائیان فرمائی ہین وہ خود اس ملک کے نکتۂ خیال کی بہ نسبت بہت بلند ہین، قوانین منوجی کی رو سے مخلوط نسلون کو شودر کے طبقے سے زیادہ کبھی ترقی نہین مل سکتی مگر مسلمانون کے عہد مین خسرو بن جہانگیر اور شاہزادہ کام بخش وغیرہ وارث تخت و تاج سمجھے گئے، اور معاف کیجئے گا ایسی فیاضی کا برتاؤ تو ابھی تک آپ لوگون مین بھی نہین پایا جاتا کیا ویسی عیسائی عورتین خاص ولایت زا لیڈیز کی سوسائٹی مین شامل ہوسکتی ہین؟

لیڈی۔ اکثر انگریزی سفرنامون مین مین نے مشرقی حرمسرا کے دلچسپ حالات دیکھے ہین، اور اسمین شک نہین کہ ان مستورات کے عیش و آرام کی زندگی ایک حد تک قابل رشک ضرور ہے، مگر مین آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہون کہ لارڈ کرزن بہادر نے اپنے حالات سفر مین لکھا ہے کہ بعض ممالک اسلامیہ کے حدود مین کچھ عورتین عارضی طور پر نکاح کر لینے کا پیشہ رکھتی ہین جو بالکل جائز سمجھ لیا گیا ہے، کیا آپ کی رائے مین ایسے امور خلاف تہذیب نہین ہین؟

بیگم۔ یہ ایک حکایت نفس الامری ہے مگر عوام کے حرکات ناشائستہ سے کسی قوم کی تہذیب یا طبعی میلانات کا اندازہ کرنا صحیح نہین ہے، اسکو یون سمجھیے جیسے بنگالہ و دکن وغیرہ مین جوان لڑکیونکو دیوتاون کی نذر کر دینے کا شرمناک دستور جاری ہے مگر ان باتون سے ہندوستان کی مسلمہ تہذیب پر حرف نہین آسکتا۔

سلہ خیابان فارس مترجمہ ظفر علیخان

ٹن ٹن ٹن ۔ کمرے کے کلاک نے دن کے تین بجائے اور بیگم کے اشارے سے مدراسی قوم کی حبیت وچالاک آیلنے فی الفور چائے کی کشتی ایک گول سنگ مرمر کی تپائی پر لا کے رکھی، دونوں لیڈیوں میں چائے نوشی سے فراغت کے بعد یہ سلسلہ کلام یوں شروع ہو گیا'

لیڈی ۔ اسوقت آپکی تقریر کو مین نے نہایت دلچسپی سے سنا بلکہ میری خیالات مین ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا ہی اور مین افسوس کے ساتھ دیکھتی ہون کہ مسلمانون کی نمایان ترقی دریا کی ایک سیلاب تھی کہ آئی اور نکل گئی خشک زمینین سیراب ہو گئین، کھیتیان لہلہانے لگین، ویرانے آباد اور جنگل گلزار بن گئے، علوم کی شاخون مین آلجبرا اور الکمیا کے نئے نئے ثمر پیدا کئے مکانکس مین کار آمد ایجادین کین، علم ہیئت کو زیادہ روشن بنادیا ساری دنیا کا جغرافیہ تیار کیا آدب و تاریخ کو معنی خیز بنایا فنون لطیفہ مین سادگی وضع کی نئی دنیا کی تلاش جاری کی حکمت یونان پر اعتراض کیئے اصول قانون کے موجد ہوئے جمہوریت کے طرفدار رہے عورتون کو علم و فن کا شوق دلایا اور انمین صفات انسانی پیدا کئے، مگر مسلمانون کی دوسری آبادیون سے بحث نہین صرف اسی ملک کی حالت موجودہ کو دیکھتے مجھے تو یقین ہوتا ہے کہ یہ ہندوستان ہی کی آب و ہوا کا نتیجہ ہی کہ یہان کے مسلمان بھی اپنی شریف اور نیک صفات بیبیون کو جہالت و غلامی کی زنجیرون مین جکڑ بند کر دینے پر فخر کرتی ہین، اگر اپنے اسلاف کیطرح اس قوم نے علوم و فنون کے شوق کو عام کر دیا ہوتا تو شاید بعد کی نسلین خراب تربیت و تعلیم کے مہلک اثر سے محفوظ رہکے آج دنیا کی شایستہ قومون کے برابر نظر آتین ۔

بیگم ۔ اسمین شک نہین کہ ہم لوگون نے اپنے اس دیرینہ اصول کا خیال چھوڑ دیا کہ "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکسان فرض ہے" اور ممکن ہے کہ آپکے بیان مین کسیقدر درد انگیز سچائی ہو جیسے ہمارے قومی شاعر خواجہ حالی فرماتے ہین ؎

وہ ڈوبا دیا نے مین گنگا کے آکر ~~~~~~~~ بے پے سیر جسنے ساتون سمندر

لیکن میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ یہ سب مشیت کے کرشمے ہین شاید اسکو آپ نہ مانین تو اسلیے
مین کہہ سکتی ہون کہ ہر وقت اور ہر زمانے کا ایک اقتضا ہوا کرتا ہے اور جو خیالات
ایک وقت مین مفید و مناسب سمجھے جاتے ہین، واقعات کے بدل جانے سے انھین خیالات
مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو جاتا ہے مسلمانون نے ہندوستان مین آکر بہت سی برانی رسوم
و عادات مین اصلاح کی کوششین جاری رکھین، جبراً ستی بنانے کے رسم کو توڑا، عقد بیوگان
کی اجازت دی، تو ہمات کی تفریقون کو مٹانا چاہا، یہانکی نیم وحشی خلقت کو طریقہ خور و نوش
اور آداب معاشرت سکھائے، تجارت اور صنعت کو ایسا فروغ دیا کہ دور اسلامی کی یادگارون
مین ایک عمارت "روضۂ تاج محل" ہے جو ہفت عجائبات عالم مین شمار ہوتی ہے، مگر
باوجود ان تمام ترقیات کے مسلمانون کو بھی مجبوراً ملکی خصوصیات کے لحاظ سے یہان کے اکثر
مضر رسم و رواج مین مبتلا ہونا پڑا، دنیا کی وہ کون قوم ہے جو تہذیب و تمدن کی منزلین
طے کرنے مین غلط راستے اختیار کر لینے سے محفوظ رہی ہو، اسی وجہ سے خود ہندو نیز غفلت
و وحشت کے ہم الزام نہین دیسکتے، آخر اسی ملک کے بڑے بڑے رشی اور برہمنون نے
اسطرح کے آئین و قوانین جاری کیے تھے جو مدتون ہندوستان کی کسقدر دولتمندی و خوشحالی
کا باعث ہوتے رہے ہین گو وسایل آمدنی اُس زمانے مین آجکل کے ایسے نہ تھے اخلاقی
پاکیزگی کا خیال اُن لوگون مین بیحد تھا اور شاید ایسی ہی تعلیمات کا اثر ہے کہ ہندوستانی
عورتین اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے دور دور مشہور ہین۔

لیڈی، دور دور مشہور ہو جانا اور بات ہے مگر مثل ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے، اس
ملک مین رہنے سہنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی عورتون سے زیادہ خراب و خستہ

حالت وحشی سے وحشی اقوام مین بھی مشکل سے نظر آئے گی۔

غنیمت ہی کہ مسلمانون اور انگریزون کے طفیل مین ستی کی ظالمانہ رسم کا بظاہر انسداد
ہو گیا ہے، مگر درحقیقت ہندو بیواؤن کے سر منڈوا دینے کی نا معقول[1] رسم کے علاوہ بیچاریان
زندہ درگور کردی جاتی ہین اور بیوگی کی حالت کو جانے دیجیے سہاگ والیون کا حال زار
کیا کم افسوس ناک ہے انکی جسمانی و دماغی صحت کا لحاظ نہونا ایک طرف رہا، سر سے پاؤن تک
بھاری بھاری زیور کا بوجھ لدا ہوتا ہے انکے ہاتھون اور گالون پر نیل کے پھول بوٹے بنائے جاتے
ہین اور اکثر کمسن عورتون کو دیوداسیان بنا کے انکی پیشانیون پر گرم گرم پیسے سے داغ دئے جاتے
ہین کیا تہذیب و شائستگی اسی کا نام ہے؟

بیگم! آپ نے جن باتون کو بیان کیا ہے تقریباً یہ سب ایسی ہین جن کی طرف آجکل کے
سوشل ریفارمر خود توجہ کرتے جاتے ہین مین ابھی آپ سے کہہ چکی ہون کہ واقعات کے بدلنے کے
خیالات بھی بدل جایا کرتے ہین اس کی مثال یہ ہی کہ جاپان جو آجکل صبح ایشیا کا ستارہ بنکر چمک
رہا ہے گو جاپانیون کی اخلاقی حالت زیادہ اچھی نہین سمجھی جاتی ہے لیکن جاپانی عورتون
نے ابھی حال مین میدان جنگ کے سپاہیون کے لیے جیسی مصیبتین اور رنج جو کم اٹھائی
ہی اس کے لحاظ سے وہ بہت زیادہ قابل تعریف سمجھی جاتی ہین بہ نسبت اُن ہزارہا ہندو
بیواؤن کے جو شوہر کی چتا پر جلکر خاک ہو جانا تمام ملکی و قومی خدمات سے بڑھکر مفید و مبارک
سمجھتی رہی ہین، اسی سے آپ قیاس کرسکتی ہین کہ زمانے کے انقلاب کے ساتھ خیالات
مین کسقدر فرق آتا جاتا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ ہندو لوگ بھی کچھ ایسے ویسے نہ تھے آسمان
کے تارے توڑ لائے، پاتال کا پتہ لگا لیا، علم ادب اور فنون لطیفہ مین گویا جان ڈالدی
پتھرون کو موم کی طرح نرم بنالیا، بندرون کی وحشی نسل کو رام کرلیا۔ چشم زدن مین سمندر پاٹ گئے

[1] نواح دکن کے ہندون مین یہ تمام رسوم بالفعل جاری ہین

ہوا پر تخت اُڑائے، بجلی کی طرح کے تیر برسائے، پند و نصیحت کے دریا بہا دیئے کلیلہ و دمنہ کی
بولیان سنائین، گیتا کی گرانمایہ فلاسفی کو ایک گنجینہ سربمہر بنایا اور عورتون مین نیکی و شرافت
کے جوہر نمایان کیئے، تمام دنیا مین عموماً عورت ذات چونکہ اچھے یا بُرے جذبات سے جلد متاثر
ہو جاتی ہین اسی خیال سے یہان کے برہمنون اور پنڈتون نے ان کے واسطے کچھ ایسے اصول
قرار دیئے تھے جن کی وجہ سے ہندوستانی عورتین حیا و عفت کی دیویان کہلاتی ہین، اگلے
وقتون کے برہمن کہتے ہین کہ وہی عورت سب سے زیادہ قابل عزت ہی جو "عصمت کی خاطر
سے باعصمت ہو"

لیڈی "اس نہایت ہی لطیف جملے کے معنی تو میری سمجھ مین نہین آئے مگر مجھے معلوم
ہی کہ اس ملک مین شاعرانہ بلند پروازیان اور خیالی باتین بے مثل ہوتی ہین، اسی وجہ سے
آجکل یہان کا قدیمی فلسفہ چند اوہام کا مجموعہ سمجھا جاتا ہی ممکن ہی کہ کچھ ایسے ہی اصول خاص عورتون
کے لیئے بنالیئے گئے ہون جنکی مثالین تو عملی دایرے مین بالکل عنقا ہین یعنی یہان کی تاریخی مکملون
دلچسپ فسانون اور مذہبی روایتون مین عورتون کی جیسی بحرمتی روا رکھی گئی ہی اُسکی نظیر
شاید دنیا بھر مین نہین ملے گی، شکنتلا کا مشہور ناٹک کیا سرتا پا فحش مضامین سے بھرا ہوا نہین
ہی؟ اس طرح کی مایہ ناز تصنیفات کے علاوہ جابجا مختلف دیویون اور آستھانون مین جیسی تصویرین
نظر آتی ہین اور اندرونی حالات جو آئے دن سنے جاتے ہین وہ کسقدر شرم سوز ہوتے ہین
ابھی چند سال ہوئے ہین کہ بمبئی ہائی کورٹ مین ایک[1] دلچسپ مقدمہ گجراتی مہاراجہ کی خلاف
دایر ہوا تھا، مسٹر مالاباری لکھتے ہین کہ یہ سوامی صاحبان جو اس زمانے مین کرشن بھگوان کے
اوتار سمجھے جاتے ہین انکے پاس بیٹھنے اور گال کھانے کے لیئے عہ یا عہ روپیہ صرف
درشن کے لئے صہ اور ان کے ساتھ شب باش ہونے کی فیس ۱۱ سے صہ تک مقرر ہے

[1] اقوام ہند مرتبہ مشنری سوسائٹی مدراس صفحہ ۱۰۸

اس قسم کے نازیبا حرکات جو بدقسمتی سے اس ملک کی آب و گل مین پائے جاتے ہین کس قدر قابل نفرت ہین آپ ہی فرمائیے کہ مردون کی صرف خواہشات پر عورتین اپنے تن من دہن فدا کرنے کے لیئے مجبور کر دیجائین اس سے زیادہ عورت ذات کی ذلت و خواری اور کیا ہوسکتی ہی؟

بیگم، مین دیکھتی ہون کہ اسوقت اپنی تقریر مین آپ مبالغے سے کام لے رہی ہین ورنہ چند منفرد واقعات کی بنا پر کسی قوم کی ساری عظمت کو خاک مین ملا دینا جائز نہین ہے۔ جیسے کہ رومتہ الکبرے کا عظیم الشان تمدن محض اس وجہ سے قابل ملامت نہین ہوسکتا کہ رومیون کے بعض عورتون کے نامۂ اعمال باوجود تقدس ظاہری کے سیاہ نظر آتے ہین یا روم و یونان کے قدیم صناعی کے نمونے اکثر ایسے (اسٹیچو) سنگی تصویرین ہین جو لندن اور پیرس کے عجائب خانون اور باغون مین نصب ہین اور قدر کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہین۔ اسی طرح رامائن اور شکنتلا وغیرہ کو شاہنامہ فردوسی اور الف لیلہ سے کمتر قرار دینا خلاف انصاف ہی ہندوستان مین عورت کی عزت کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ اس ملک مین جائنٹ اسٹاک سسٹم (خاندان مشترکہ) کے اصول مضبوطی سے قایم رہے ہین جسکے لحاظ سے عورتین آرام اور عزت کے ساتھ گھرون مین بٹھادیگئین تاکہ وہ بقاے نوعی کے فرایض ادا کرتی رہین اور ان کے واسطے سامان معیشت مہیا کرنے کا بار مردون نے اپنے سر اٹھا لیا تھا اسی وجہ سے کیا عجب ہی کہ اس ملک مین جل کے بجاے گائے کی عزت زیادہ کی جاتی ہی عورت ذات چونکہ خلقتاً کمزور ہوتی ہی لڑائی بھڑائی اور محنت و مشقت کے کام اُنسے نہین لیئے گئے بلکہ انکی حفاظت کے بھی ذمہ دار مرد ہی ہوا کرتے تھے یہ اصول اُس زمانے کے لیے مناسب سمجھے گئے جبکہ ہر طرف لوٹ مار اور دنگہ و فساد کی گرم بازاری رہتی تھی لیکن بحالت موجودہ برٹش راج کے پرامن دور امان زمانے مین اوسکی ضرورت محسوس نہین ہوسکتی، زمانہ ماضی کی حالت کا لحاظ کیجیے تو کیا اسوقت مرد ملکی

یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی محنتوں اور جانفشانیوں کے معاوضہ مین عورتون سے وفاکی امید رکھین لیکن محبت اور وفاداری کی امیدین طرفین کو ہونا چاہئے ہین لیکن آپ نے پُرانے زمانے کی حالت بیان کی ہے اِس تصویر کا دوسرا رُخ بالکل تاریک ہے کمزور اور جاہل عورت جسکے گرد وپیش ہمیشہ خود غرض مردون کی محدود سوسائٹی ہو اُس سے وفاداری کی امید حقی کیا ہوسکتی ہے اسی وجہ سے بیان کے لٹریچر مین عورتون کیطرف سے عام بدگمانی اور تریاچلتر کی جھوٹی سچی کہانیان بچے بچے کی زبان پر جاری ہین لیکن کمزوری اور جہالت قصور ہے رسم وعادت کا۔ یورپ اور امریکہ مین عورتین جائز وسائل سے روٹی کپڑا حاصل کرنے مین مردون کی محتاج نہین ہوتی ہین اور جسمانی لحاظ سے آپ ہی کی ہم قوم بہنین برھما۔ ملایا۔ جزایر جاوا وسماترا و جنوب افریقہ یعنے زنجبار وغیرہ مین آزادی کیساتھ فرائض تمدنی ادا کرنے مین اپنے مردون سے کسیطرح کم نہین ہین۔ بعض جانورون مین ہم دیکھتے ہین کہ مادہ انڈے بچے لیے نگہداشت مین مصروف رہتی ہے اور نر آزاد گھومتا پھرتا ہے۔ مگر اس امر کے غالباً تسلیم کرنے مین آپ کو بھی تامل نہو گا کہ انسان کی فضیلت وبزرگی محض دماغی قوتون کی وجہ سے ہے اور ساخت دماغی کے لحاظ سے مرد وعورت مین کوئی بین فرق نہین ہوتا لہذا کیا وجہ ہے کہ دنیا مین عورتین بھی مردون کے برابر عزت وحرمت کی مستحق نہ سمجھی جائین؟ اگر فرض کیجئے کہ عورت فقط افزایش نسل کی غرض سے پیدا کی گئی ہے تاہم اولاد کی پرورش۔ پرداخت۔ تربیت اور تعلیم کیلئے کیا عورتون مین دماغی وعقلی آزادی حاصل ہونیکی ضرورت مسلم نہ سمجھی جائیگی؟ ان وجوہ سے اب وہ وقت آگیا ہے کہ عورتون مین بھی اپنی حقیقی عزت کا احساس پیدا ہو۔

بیگم۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہین اور مین دیکھتی ہون کہ آجکل ہندوستان

مین پارسی لیڈیون کے علاوہ ہندو اور خصوصاً برہمو عورتین زمانے کے موافق ہوتی جاتی ہین اور زمانے کی رفتار اگر ہمیشہ ترقی کی جانب ہے تو ہم لوگون کا بھی اللہ والی ہی

لیڈی (گھڑی کی طرف دیکھکر) اوہ! چار بجنے مین صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہین آپکی نماز کا بھی وقت ہوگا اس لیے اجازت چاہتی ہون پھر کسیوقت حاضر ہونگی۔

بیگم جی ہان نماز کا وقت ہو گیا ہی لیکن مذہب تو دنیا مین ہی نوع انسانکی راحت اور آسایش کے لیے آیا ہے آپ میری نماز کے قضا ہوجانے کا خیال نکیجیے۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو اسوقت باغ مین چلیے ذرا دیر تفریح ہوگی،

دونون خاتونین ایک چھوٹے سے باغ مین اتر آئین جو اسی مکان سے ملحق، اور بلند احاطے سے گھرا ہوا ہے تھوڑی دیر مختلف روشون پر ٹہلنے کے بعد بیگم کے اصرار سے میم صاحبہ نے ہارمونیم کی سُریلی صدا مین اس طرز کی ایک راگنی چھیڑ دی ؎

سن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلقِ خدا غائبانہ کیا

بقلم ف، ک



تمباکوئے خوردنی

کا

قدیم معتبر اور مشہور کارخانہ

جہاں

اقسام ذیل کا خوشبودار، عمدہ، نفیس تمباکو تیار ہوتا ہے

زردہ تمباکو

قسم اول، مشکی فی سیر ...... عـه ر   قسم سوم، مشکی فی سیر .... مے ر

قسم دوم، " " ...... عـه ر   قسم چہارم، " " .... لعه ر

قسم پنجم، زعفرانی فی سیر .... عـه ر

قوام تمباکو   گولی تمباکو

قسم اول، مشکی فی تولہ .... عہ ر   قسم اول، مشکی طلائی، فی تولہ ..... عہ

قسم دوم، " " .... ۸ ر   قسم دوم، " نقرئی " ...... ۱۰ ر

قسم سوم، " " .... ۶ ر   قسم سوم، " " " " ...... ۸ ر

قسم چہارم، زعفرانی فی تولہ .... ۴ ر   قسم چہارم، " " " ...... ۶ ر

قسم پنجم، " " .... ۲ ر   قسم پنجم، " " " ...... ۴ ر

المشتہر

احمد حسین ولد ارحسین تاجر تمباکوئے خوردنی چوک۔ لکھنؤ

عطر! عطر!! عطر!!!

کارخانہ شیخ سخاوت حسین لکھنو

لکھنو ہندوستانی فیشن کا مرکز ہی۔ اور اس تباہی و بربادی کے زمانہ مین بھی خلاق وطرز معاشرت مین سارے ہندوستانکی رہبری کررہا ہی۔ اور تمام باتین درکنار خاص عطر کے بارےمین جو اعتدالی خرابی اور نقصانات دماغی کا سبب اور قومی بامزہ محافظ ہی اسمین بھی اسوقت تک کوئی شہر لکھنو کی ہمسری کا دعوے نہین کرسکا۔ لکھنو اپنے عطرونکے اعتبار سے آج تمام شہرون پر اپنا نمایان فخر ظاہر کررہا ہی۔ صرف یہ کہنے کیلئے بلکہ امتحاناً اس کارخانہ سے جو کہ عرصہ سے جاری ہی طلب فرمائیے۔ ناپسند ہو واپس کردیجئے۔ ہان محصولڈاک توآپسے لیا جائیگا۔ مگر پوری قیمت بعد واپسی فوراً روانہ ہوگی روپیہ نقد آنے پر یا بذریعہ ویلو پی ایبل تعمیل ہوسکتی ہی۔

عطر

نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ
عطر حنا	صہ، للعہ، سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر گل حنا	سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر مجموعہ	عصا/
عطر موتیا	صہ، للعہ، سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر مٹی	عہ، عہ، ۱۲/	عطر سہاگ	عگا، عہ، ۱۲/
عطر چمبیلی	صہ، للعہ، سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر گلاب	عہ، صہ، للعہ، سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر اگر لغنہ	للعہ عسہ ٥/
عطر کیوڑا	للعہ، سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر جوہی	عگا، عہ، ۱۲/	عطر اگر	سے، صہ/
عطر خس	سے، عگا، عہ، ۱۲/	عطر شنگترا	عگا، عہ، ۱۲/	عطر مخلوط اصفی	عہ/
عطر فتنہ	للعہ، عگا، عہ، ۱۲/	عطر سیوتی	سے، عگا، عہ/	عطر بہک ری	عگا/
عطر چمپا	عگا، عہ، ۱۲/	عطر شہناز	سے، عگا/	روح خس اصلی	سے، لعہ/
عطر کیسر نئی	عگا، عہ، ۱۲/	عطر عروس	عگا/	روح پانڑی اصلی	للعہ، سے/
عطر پانڑی	عگا، عہ، ۱۲/	عطر رگ حنا	عگا/	عطر کیسر اصلی	صہ، سے/
روح گلاب	ما، لـ٥، ٥/	عطر صد برگ	عگا/	عطر راحت جان	صہ، سے/

عمدہ اور خوشبودار تیل

غالباً آپکو بھی اسکی شکایت ہوگی کہ عمدہ اور خوشبودار تیل کم سے کم قیمت کا عام طور پر آپ نہین پاسکتے، آپ کی شکایت رفع کرنے کے واسطے اس کارخانے نے کوشش کی ہی۔ آپ ضرور منگوا کر استعمال کیجئے۔

فہرست

روغن چمبیلی۔ سے، للعہ، عگا سیر	روغن حنا۔ عہ، سے، للعہ، عگا سیر	گولیان تمباکو ورقدار فی روپیہ ۲ تولہ
روغن بیلہ۔ ″ ″ ″	عرق گلاب فی بوتل عگا، عہ، ۱۲، ۶/	گولیان تمباکو بلاورق فی روپیہ ۳ تولہ
روغن کیوڑا۔ عہ، سے، للعہ، عگا سیر	عرق کیوڑہ۔ فی بوتل سے، عگا، عہ، ۱۲/	قوام تمباکو فی روپیہ ۰۳ تولہ

المشتہر

شیخ سخاوت حسین مالک کارخانہ عطر چوک لکھنو

گولیان !! گولیان !! گولیان !!

لیجیئے! آپکو بقاءِ صحت و زندگی کیلئے اکسیر کی تلاش رہی

ہماری ایجاد کردہ آتنگ نگرہ گولیونکا نام شاید آپنے نہ سنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے
بھری ہین - بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون - ویدون اور حکیمون نے اسکا تجربہ کرکے اسکی تعریف
مین ہمکو خطوط لکھے ہین - ہزارون سندین اور سارٹیفکیٹ اسکے موجود ہین - سیکڑون فرمائشین ان
گولیونکی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے متواتر ہمارے شفاخانہ مین پہونچتی رہتی ہین - عصبی
کمزوری کو جڑ سے کھو دینا - مایوسیون کو سراپا امید بنانا - مادۂ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا -
ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا حافظ کو قوت دینا - جسم کو تندرست و توانا بنانا - مردہ دلون
مین تازی روح پھونکنا اس کا ادنی کرشمہ ہے - مرد ہون یا عورتین اونکے ہر قسم کے ضعف دور کرکے
عالم جوانی دکھانے مین - یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین - اگر آپ تندرست بھی کھائے تو بیشمار فائدے
اپنے جسم مین پائے - جن لوگون نے انھین استعمال کیا ہے اونسے دریافت کرکے اپنا اطمینان کر لیجئے
یا خود ایک بار تجربہ کر لیجئے - **قیمت فی بکس** جسمین ۳۲ گولیان ہوتی ہین عـہ ر علاوہ محصولڈاک ہے
اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب **کام شاستر مفت** منگوا لیجئے - جو اردو - انگریزی
ناگری - گجراتی - مرہٹی - بنگالی - تامل وغیرہ زبانون مین - ۱۵۰ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہین - اور ہم محصولڈاک
اپنے پاس سے لگا کر آپکو بھیجدین گے - ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کابیان ہم مفت تقسیم کر چکے ہین -
اس کتاب کے دیکھنے سے آپ کو بہت سے مزید مفید معلومات حاصل ہو جائینگی - ملنے
کا پتہ -

ویدشاستری منی شنکر گووندجی - آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر - ملک کاٹھیاوار

چوب چینی اور عشبہ کے اکتالیس مجربہ فوائد

جن کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

فائدہ (۱) جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کر کے کی ہے اور سرٹیفکیٹ دیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ جب کبھی آتشک و سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آ جائے۔ چہرہ اور جسم پر داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائیں گے۔

فائدہ (۲) جسکی تصدیق پینتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابی معدہ و خرابی جگر بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہو جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی کبھی قبض ہو جاتا تھا وہ سب اس مرکب کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ (۳) جسکی تصدیق دو سو مریض آزما کر کر رہے ہیں خون گندہ ہونے سے چہرے پر جھائیاں جسم پر دانے پھوڑے پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جسکی تصدیق تینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چمڑوں میں رہتا تھا اور ان سے سخت بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور بدن میں دن بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں اور آیندہ پیدا ہونا بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جسکی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں۔ غرضکہ ناسور اور جلد پر تیلی سی پھنسیاں جاری رہتی تھیں اس مرکب کو چند روزہ استعمال سے ناسور سوکھ گیا اور زخم بھی بھر گئے۔

فائدہ (۷) جسکی تصدیق ستائیس بیمار کرتے ہیں ان چنبل سے اٹھ کر درد تمام ران اور پنڈلیوں میں پہونچا کرتا تھا۔ جس سے ٹانگ ران بدن میں سوکھتی جاتی تھی اسکی ایک شیشی کے استعمال سے رگیں بادی دور ہو جاتی ہیں۔

فائدہ (۸) جسکی تصدیق چار سو عورتیں اسے استعمال کرنے کے بعد کرتی ہیں کہ انکی نلوں میں درد اور رحم سے بدبودار پانی جاری رہتا تھا اور ایام حیض میں کمر و سر میں درد سخت ہوا کرتا تھا۔ اسکے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے رحم کا پانی بند ہو گیا اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

الغرض یہ چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے اعلیٰ مصفی خون ہے

جہاں بہت سی عشبہ ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے شراب وغیرہ بنانے میں جس سے خون نہایت غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے۔ اس مرکب نے سریع العمل فائدے دکھلائے ہیں۔ اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر پیدا ہوتا ہے جس سے تمام چہرے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

ثبوت کیلیے اسکے استعمال سے پہلے اپنی بدن کو وزن کرو پھر ایک ماہ بعد وزن کرو۔ وزن ڈیوڑھا ہو جاویگا۔

نصف صدی سے یہ مرکب ملک کی ہر ایک حصہ میں تجربہ کیا گیا ہے آپ بھی تجربہ کر کے فائدہ حاصل کریں۔

قیمت

شیشی کلاں (ایک ماہ کے لیے کافی ہے) تین روپیہ (سے ر) شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ .... عہ ر

علاوہ ازین اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوائیں موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب افعہ نامردی (للعہ ر) (۲) طلائے نادر قیمت (للعہ ر) (۳) دوائی سوزاک نمبر ا (عہ ر) نمبر ۲ (لعہ ر) (۴) حب دافعہ جریان (۵) حب دافعہ بواسیر (عہ ر) (۶) حب دافعہ جریان و احتلام (عہ ر)۔ (۷) سرمہ میرا کرانی قیمت فی تولہ (عہ ر) (۸) جوہر عشبہ مصفی خون شیشی کلاں (سے ر) خورد (عہ ر) (۹) سنون مستحکم دندان (عہ ر)

نوٹ اگر آپ کسی مرض سے تنگ ہیں تو ہم سے فارم تشخیص امراض آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجکر منگائیں جس سے آپ کا مرض معلوم ہو جائیگا کہ مرض علاج کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کب تک صحت ہوگی۔

پتہ حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور۔ موچی دروازہ

کارخانہ چکن محمد عبد الرحمن و خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ



حضرات ہماری مہربان گورنمنٹ نے بسلسلہ حسن خدمات و عمدگی مال کارخانہ ہذا کو نمائش کا ۱۹۱۱ء مین تمغہ اور سارٹیفکٹ عطا فرما کر سودیشی اشیاء کی حمایت اور دیسی تاجرون کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر ہماری ملکی امراء و رؤسا کچھ بھی توجہ نہین فرماتے لہذا اگر آپکے دل مین کچھ بھی قومی درد ہے تو سب سے پہلے ملکی اشیاء کی خریداری مین سعی فرما کر صنعت و حرفت کی ترقی مین مدد دیجئے صرف ملکی اشیاء کی خریداری سے ہندوستان فارغ البال ہوسکتا ہے مختصر فہرست ہدیہ ناظرین ہے۔

تھان کامدانی بچی بیل بوٹیکی	ععہ سے ععہ تک
تھان کامدانی و چکن	ے ر سے عہ تک
تھان چکن بیل بوٹہ دار	ے ر سے عہ تک
دوپٹہ کامدانی بیل بوٹہکے	ے ر سے عہ تک
دوپٹہ چکن بیل بوٹہ دار	عہ سے صہ تک
ساری چکن بیل بوٹہ دار	عہ ر سے عہ تک
کرتے چکن ہر جسم کے لائق	۱۲ ر سے للعہ ر تک
کلاہ چکن دوپلڑی و گول و چوگوشیہ	۲ ر سے عہ ر تک
پلنگ پوشش پختہ	عہ ر سے صہ ر تک
لحاف پختہ چھپے ہوے	عہ ر سے صہ ر تک
فرد رضائی پختہ	عہ ر سے صہ ر تک

المشتہر محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن مقام لکھنؤ گلی پارچہ

پان مین کھانیوالی تمباکو کی مشکی گولیان و قوام و زردہ

نہایت خوشبودار خوش ذائقہ مقوی دماغ مفرح قلب جاذب رطوبات فضلیہ دافع درد دندان مصفی دہان وغیرہ وغیرہ مین اگر ہماری تحریر کے خلاف یا کسی وجہ سے ناپسند ہون تو بذریعہ پارسل واپس فرمائیے فوراً قیمت پھیر دیجائیگی

گولیان نقرئی جو ہو بہو مثل موتی کے ہین	فی روپیہ ڈھائی تولہ و پانچ تولہ
گولیان سادی بلا ورق کے	فی روپیہ چار تولہ و آٹھ تولہ
قوام مشکی جسکی گولیان بنتی ہین	فی روپیہ ۵ تولہ و دس تولہ
زردہ خشک مشک آمیز	فی سیر للعہ ر و عہ ر

المشتہر محمد عبد الرحمن و حافظ خلیل الرحمن تاجران مقام لکھنؤ گلی پارچہ

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن

رجسٹری شدہ

نشان تجارت



دماغی کمزوری۔ فالج۔ کمخوابی۔ ڈراونے خواب دیکھنا۔ قوی کا قبل از وقت انحطاط۔ نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہو جانے سے لاحق ہوں۔ ان امراض کے سب سے زیادہ قابل اعتماد علاج ہیں اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم کر رکھی ہے۔ فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی ذیل کی دوسری بیماریوں میں فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات کلیف حیرت انگیز سرعت سے دور ہو جاتے ہیں۔

اسکی قوت بخش تاثیرات پہلے ہی روز استعمال کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہیں عصبی اور دماغی قوتوں میں زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے دل میں عادات کی بالکل خلاف تقویت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاضمہ میں قوت آ جاتی ہے بھوک بڑھ جاتی اور قبض دفع ہو جاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے۔ یہ بھر جاتا ہے لب سرخ آنکھیں روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہو جاتی ہے بالوں میں مضبوطی آ جاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعصاب کی غذا کیسا عظیم [illegible] کرتی ہے دنیا کے تمام حصوں کے باشندوں اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہروں کی مستند شہادتوں سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہو گیا ہے کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا میں فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی شفا و صفت اور زمین کی قدردانی نصیب نہیں ہوئی۔

خبردار

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اسکی نقل رنگ میں یا کسی دوسری حیثیت سے فروخت کرنے والوں پر عدالتی چارہ جوئی کی جائیگی اس قسم اور کے نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع ۱۸۸۳ء میں اعلیٰ سند ملی تھی

ہندوستان بھر کے دواساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) ۱ روپیہ (کلان) ۲ روپیہ فروخت کرتے ہیں۔

صرف ڈاکٹر لالور کی

فاسفوڈائن لیبوریٹری "ہیمپ اسٹیڈ۔ لندن۔ انگلستان میں

بنایا جاتا ہے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھبیس برسوں سے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور ہر قسم کے علاج کرکے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجئے۔ اس دوا مین چند فائدے لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہے اسلیے اسکی چار یا پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہوجاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی ہے اور تلی کو گھٹاتی ہے

قیمت بڑی شیشی چودہ آنہ محصولڈاک ۶ دو شیشی ایک روپیہ آٹھ آنہ **قیمت** چھوٹی شیشی آٹھ آنہ محصولڈاک ۵ دو شیشی ایک روپیہ چھ آنہ

جناب مہراج گوپال بھاٹیہ ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول بیلا گاؤن کالیا بہار سے لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنے دوستون اور طالب علمون کو دیا کرتا ہون بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہین بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہے فصلی بخار کے غریب مریضون کے لیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہے جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ... ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے جناب لچھمن پرشاد اسسٹنٹ ماسٹر سکندرا راؤ علیگڈہ سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہین دو شیشی تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون مریض اچھے ہوگئے جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچگئی آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑے کی دوا جو مین نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے۔ دو تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پاگئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہے آپ ایسی نیکی کرنے والے کا از بسکہ شکرگزار ہون جناب کالی رام مندر برہمن بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے۔ ہم کہان تک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور سے لکھتے ہین مین آپکا از بسکہ شکر ادا کرتا ہون کہ میرے ... کا چوتھیا بخار علاوہ ... دوا سے جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ - ۶ تاراچند اسٹریٹ کلکتہ

الناظر پریس مین منشی سخاوت علی نے چھپوا کر شایع کیا

رجسٹری نمبر

جامِ مے است جہان نماے ہر صفحہ درین

النّاظر



فلسفی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ معاشرتی۔ ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۳ یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء جلد

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

فہرست مضامین

اَلنّاظِر

نمبر ۲۳ جلد ۴ یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ارتقاء

یورپ کے فلسفیون اور علوم تجربیہ کے ماہرون نے طرح طرح کے آلات ایجاد کیے اور عجائب غرائب انکشافات سے آیندہ نسلون کے لیے ترقی کا راستہ کھولا، طبقات[1] ارض کی تحقیقات اور آثار قدیمہ[2] کی شہادت سے نوع انسان کی بدایت اور حیوانات کی قدامت کا کھوج لگایا، حیوانات کے

---

[1] علم طبقات الارض (Geology) سے اُن کیفیات اور واقعات کا پتہ چلتا ہی جو ابتدا ہیولا سے لیکر ابتک واقع ہوے ہین، حیات ارضی کی مختلف مادی حالتین اسکی تفتیش کے ضمن مین آجاتی ہین غرض جسقدر تغیرات طبقات زمین پر آجتک واقع ہوئے ہین اُن سب کی کیفیت اس علم کا موضوع ہی آدمیوں اور جانورون کی ہڈیان، جسم کے ڈھانچے، کھوپریان، دانت، سنگی وفلزاتی ظروف، آلات حرب و ضرب، زمین کے طبقات سے برآمد ہوئی ہین، جنسے اس خاکدان عالم پر قدیم زمانہ مین بھی حیوانون اور انسانون کی ہستی کا سراغ ملتا ہی۔

[2] علم آثار قدیمہ (Archeology) سے زمین کی اُن اشیاء کا پتہ چلتا ہی جو ہر طبقہ والے اپنے آثار کے طور پر زمین کے طبقون مین چھوڑ گئے ہین۔ انسانی یادگار دیکھ (صفحہ ۲ ملاحظہ ہو)

ناظرین نوٹس کو توجہ سے ملاحظہ کریں

باہمی تعلقات پر گہری نظر ڈالی۔ مدتون کی سرکھپی اور مسلسل تحقیقات کے بعد بمصداق جوئندہ یابندہ آخر یہ عقدہ[۱] حل ہوا کہ حضرت انسان جو اپنی روحانی او رعقلی قابلیتون کی بدولت کائنات عالم پر ممتاز ہین بلکہ مسجود ملائکہ و اشرف المخلوقات ہونے کے مدعی ہین درحقیقت ادنی درجہ کے حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہین، اور بعضون کو یہان تک گمان ہے کہ بندر[۲] کی نسل سے ہین تدریجی ترقی سے اس منزلت پر پہونچے ہین کہ تمام بر و بحر پر قبضہ کرکے ساکنان ملا ءاعلیٰ سے راز و نیاز کا دم مارتے ہین اپنی پچھلی حالت کو بھولکر آج اپنے مفروضہ حسب و نسب پر نازان اور اپنے

بقیہ نوٹ صفحہ (۱) زمین کا بیشتر حصہ پڑا ہی، آثار قدیمہ کی سراغ رسانی اور طبقات کی چھان بان سے اب سے چار یا پانچ ہزار سال پیشتر کی یادگارین جابجا آبادیون کے کھنڈر تمکس عمارتین سنگی مورتین تصویرین نقش و نگار انسانی دستکاریون اور گذشتہ صناعیون کے نمونے سنگی ظروف، جنگی ہتیار اوزار و اوزار سنگی چٹانون پر کتبے پائے جاتے ہین جو زبان حال سے زبان قال کا کام دے رہی ہین، جنسے اسوقت کی معاشرت اور اگلی ترقیون کا پتا چلتا ہی اور انھین باقیات صالحات سے آج ایک بڑا سلسلہ تاریخ و علوم تجربیہ کا قائم ہوگیا ہی، ہرچند کہ یہ نتایج اکثر قیاسی ہین لیکن ویسے ہی قابل قبول ہین جیسے کسی قوم کے افعال و حرکات سے اُسکے عقل و معاشرت کا علم۔

[۱] اُنیسوین صدی کے وسط مین رابرٹ[عہ] چارلس ڈارون نی یہ نظریہ قایم کیا کہ آجکل کی مکمل زندہ اجسام انتخاب قدرت کے ذریعہ سے چند اجرام کی ارتقا کی نتایج ہین اس نظریہ کی مطابق ادنی قسم کی حیوان ترقی کرکے درجہ کمال پر پہونچے ہین انسان ایک ترقی کردہ حیوان ہی ڈارون اور اسکے مویدین خصوصًا پروفیسر ہکسلے (Huxley) نے بڑی دہوم دہام سے اس نظریہ کو ثابت کیا ہی اس نظریہ کا بین ثبوت عقلی ارتقا ہی، یورپ اور تمام شایستہ ممالک اسی کو تسلیم کررہی ہین -

[۲] ڈارون نے جو سلسلہ ترقی حیوانات قایم کیا ہی اسکے رو سے بندر تک سلسلہ پہونچا ہے، چونکہ بندر کے عادات و حرکات بہت سے انسان سے مشابہ ہین اسلیئے قیاس کیا جاتا ہی کہ جسطرح سلسلہ ترقی بندر تک پہونچا ہی ممکن ہی کہ بعض بندر عام بندرون سے زیادہ تربیت یافتہ اور شایستہ ہوگئے ہون اور آگے چلکر وہی بندر ترقی کرکے انسانیت تک پہونچے ہون، اگرچہ یہ سلسلہ تحقیقات ابھی ناقص ہی اور اسکی بہت سی درمیانی کڑیان ابھی ثبوت مزید کی محتاج ہین لیکن حامیان ارتقا کا یہ دعوی ہی کہ جسوقت سائنس مین اور ترقی ہوگی اور انسان کی تحقیقات مین مزید اضافہ ہوگا اسوقت وہ کڑیان بھی مزید ثبوت پاکر مضبوط ہوجائینگی۔

بھائی بندون (حیوانات) کو اپنا محکوم بناتے اور ذلیل الاصل سمجھتے ہین، ہر چند کہ اس مسئلہ مین ابھی
بہت سے اختلافات ہین مگر ان اختلافات سے قطع نظر کرکے ہم سردست تحقیقات جدیدہ کے مطابق
مختصرًا اس مبحث کو حوالہ قلم کرتے ہین -

وہو ھذا

حکماے یورپ نے مسئلہ ارتقا کے چار مستحکم قانون قرار دیے ہین جو اپنی جامعیت کے
لحاظ سے کائنات عالم پر جاری ہین -

اولاً - قانون تبائن
ثانیاً - قانون وراثت
ثالثاً - قانون تنازع البقا
رابعاً - قانون انتخاب

قانون تبائن اس امر کو ظاہر کرتا ہی کہ دنیا مین جتنی چیزین ہین سب ایک دوسرے
سے مختلف ہین موجودات عالم کا یہ فرق کبھی کم ہوتا ہی کبھی زیادہ مگر کم و بیش ہر شے مین یہ فرق پایا
ضرور جاتا ہے دنیا کی کوئی شے کبھی یکسان نہین مخلوق ہوئی موالید ثلاثہ مین سب پر یہ قانون موثر
ہی نباتات پر سب سے زیادہ حیوانات پر اوس سے کم جمادات پر سب سے کم نر اور مادہ کا اختلاف
بھی اسی قانون مین داخل ہی، اگر انواع کے تمام افراد بالکل ایک ہی صورت کے ہوتے تو انمین
باہم بڑا اشتباہ واقع ہوتا جس سے نظم عالم مین نزاع عظیم واقع ہوجاتا کوئی شخص نہ اپنی
بیوی کو پہچان سکتا نہ بیٹے کو، نہ باپ بیٹے ایک دوسرے سے تمیز کیے جاتے اسیطرح اپنی اور
پرائی ملک کی تفریق بھی محال ہوجاتی اپنے اور بیگانہ کے گھر، سواری اور لباس، غرض کسی
شے مین تمیز نہو سکتی اس سے معاملات مین جو خرابی آتی اور لوگون کو جسقدر حقوق تلف ہوتے

انکی حد بتانا غیر ممکن تھا، اگر ایک ہی جوڑے اور اُسی نر و مادہ کے دس بیس بچے ملا کر دیکھے جائین تو قد و قامت رنگ و صورت تیزی و قوت مین ایک دوسرے سے فرق ہوگا، اس قدر مشابہت کہ ایک پر دوسرے کا دہوکا ہو ان مین سے ایک مین بھی نہ پائی جائے گی، ایک ہی ماں باپ کی متعدد اولادین ملا کر دیکھی جائین تو شکل و شباہت مزاج و عادت مین بحیثیت مجموعی ایک دوسری کا سا نہو گا، ایک ہی بیج یا گٹھلی لیکر متعدد جگہ بوئی جاے تو زمین کے اقسام اور آب وہوا کے تغیر سے مختلف قطع اور رنگ کے پھل پھول پیدا ہون گے ؎

گلہاے رنگ رنگ سے ہی زینت چمن　　　اے ذوق اس جہان کو ہی زیب اختلاف ہے

قانون وراثت[1] کی رو سے فروع مین باوجود دوسری تبائنات یا جداگانہ خصوصیات اختیار کرنے کے اُن مین اصول کے تبائنات یا خصوصیتون کا منتقل ہوجانا ہی، جسکی وجہ سے مورث کے عیب و ہنر اُنکی نسلون مین پائے جاتے ہین، ہر چند کہ یہ لازمی نہین کہ ماں باپ کے تمام صفات اونکی نسلون مین بجنسہ پائے جائین لیکن کم و بیش نسبت اکثر پائی گئی ہے، ماں باپ دونون مین سے کسی سے بھی وراثتاً صفات حاصل کرنا اِس قانون کے تحت مین آتا ہے، ایک ہی جنس کے دو مختلف الصفات حیوانون کا جوڑا ملا کر جو بچے لیے جاتے ہین وہ قد و قامت رنگ و صورت تیزی و قوت مین ماں باپ دونون سے ملتے جلتے ہوتے ہین، اسی سے یہ قاعدہ لوگون نے نکالا ہے کہ دوغلے حیوانات کے بچے خصوصیات مین اپنے ماں باپ کے

[1] یہ قانون ورثہت نظریہ ارتقا کے تحت مین اب نئے سرے سے مدون کیا گیا ہی، مگر کئی ہزار سال سے آخر وراثت اور نسب کے علوم تھے ہی اور عیسائی یہودی ہند و بودھ تمام قومون مین بکثرت نسب محفوظ رکھے جاتے اور عالی نسبی پر تفاخر کیا جاتا تھا، یونان مین دیوتاؤن کی نسل سے ہونے پر تفاخر کیا جاتا تھا، یورپ مین عالی حسبی پر خیال کیا جاتا ہے، ہر چند آب ہوا کی عظیم الشان تغیرات اور معاشرتی و ملکی خصوصیات کی وجہ سے ہمارے یہان کے معیار نسب کے کل لوازمہ کا معیار نسب [illegible] ہوا ہی اقوام یورپ مرا اور ڈیوک کی نسل کی عزت کرتی ہین گو ہماری طرح مذہبی پیشواؤن اور سیدون کی نہین کرتے

ع اختلافات ۱۲

بین بین رہین گی بجز ان مستثنے صورتون کے جبکہ پرورش کے وقت کوئی جدید اثر مرتب ہو مثلاً غیر معمولی قوت کی غذا دی جائے یا ہوا یا پانی دہوپ وغیرہ سے خلاف معمول حفاظت عمل مین آئے، یا کسی قوی ملک کی آب وہوا میسر آجائے کیونکہ یہ انتظامات اُنکی اصلی توارا اور خوبیون کو کئی گنا بڑہا سکتے ہین، تجربہ شاہد ہے کہ ایک ہی والدین سے بہت سی اولادین ملکون ملکون پھیلکر ہزارون لاکھون تک پہونچ گئی ہین، اور کم وبیش اپنے اسلاف کی صفات بھی اپنے ہمراہ لگئی ہین مگر جسقدر نسلون میز بُعد اور واسطے ہوتے جاتے ہین اُسیقدر اُنکی صفات سے بھی بعد ہوتا جاتا ہی، پس اس قانون وراثت کا تخالف نہین پایا جاتا علم الحیوانات جانورون کی پرورش مین اُس قانون سے بڑی مدد ملتی ہے۔

قانون ۳ تنازع بقا ظاہر کرتا ہی کہ افراد نوع مین باہم زندگی بسر کرنے کے اسباب مین سبقت حاصل کرنے کے لیے منازعت ہوتی ہے ضعیف بباعث قوی کے غالب ہونے کے یا بسبب صدمات خارجی گرمی وسردی یا ناموافقت آب وہوا کے ہلاک ونابود ہوجاتے ہین اور جو قوی ومضبوط ہوتے ہین اور خارجی صدمات کو برداشت کرسکتے ہین وہ باقی رہجاتے ہین۔

کشاکش ہستی کے اس میدان مین قدرت کا عمل نباتات وحیوانات سب پر مؤثر ہے، موسمون کی سختی اجرام سے لیکر کمل اجسام تک اپنا اثر پہونچاتی ہے، اور تمازت آفتاب کی وجہ سے بعض گرم ممالک مین کوسون سبزہ نہین نظر آتا، بعض شمالی ملکون مین شدت سے برف پڑتی ہی اور اس قدر سردی ہوتی ہی کہ انسانون جانورون کی زندگی اور نباتات کا نمو نہین قائم رہ سکتا، اسی طرح قسم قسم کی وبائین اور بیماریان گھرانے کے گھرانے ویران اور بستیان کی بستیان سنسان کردیتی ہین، بعض زمانون مین ایسی بیماریان پھیلتی ہین کہ کثرت سے چھوٹے چھوٹے میدانون اور طیور کا صفایا ہوجاتا ہی، بعض معتدل ممالک مین انسان وحیوان اسقدر ذکی الحس ہوتے ہین کہ

معمول سے زیادہ گرمی و سردی اور کسی موسم کی سختی نہین برداشت کرسکتے ہین، قدرت اُنکی
توارخناقاً ایسے رکھتی ہے جو صرف معتدل ہی ممالک کی اعتدالی آب وہوا سے نشو ونما پاتے
اور اُسی کے متحمل ہوتے ہین اپنے ملک کے سوا اور ملکون کی سردی اور گرمی کی بالکل برداشت
نہین کرسکتے، اسی طرح بعض قسم کے پودے، چڑیان اور دوسرے ذی روح نہایت نازک ہوتی
ہین جب کبھی موسم کی سختی اعتدال سے زیادہ بڑھ جاتی ہو تو اُن کی جان کے لالے پڑجاتے ہین -
سیکڑون نذر اجل ہوجاتے ہین، بعض سسکتے رہتے ہین، ہر ایسے انقلاب زمین کے بعد جانورون
کے رنگ، سیرت، قوت، عادت مین ایک طرح کا تغیر ہوجاتا ہو گویا از سرنو زندگی بسر کرنا پڑتی ہو
یا کبھی پانی کا زور ہوجاتا ہو تو بستیان کی بستیان اور شہر کے شہر تباہ و برباد ہوجاتی ہین کبھی مینہ مین
حد سے زیادہ حدت بڑھ جاتی ہو تو نالاب جھیلین خشک ہوجاتے ہین دریاؤن کے پاٹ گھٹکر نالے
سے رہجاتے ہین -

کشاکش حیات کی جنگ کا اثر حیوانات مین نباتات سے بھی زیادہ ہو، اگر حیوانات کی
کثرت اس طریقہ سے قدرت کم نہ کرے تو زمین کی سطح پر تل رکھنے بھر کو جگہ نہ ملے اور بہت سے
کارآمد جانورون کی نمود تک بھی نہ رہے، حیوانات کی کشاکش حیات کی تین شکلین ہین:

(۱) ایک ہی قسم کے حیوانات کی باہمی جنگ وجدل

(۲) ایک ہی قسم کے حیوانون کا دوسرے اقسام کے حیوانات سے مقابلہ وجنگ -

(۳) حیوانات کے گرد وپیش کی جسمانی کیفیات سے کشمکش -

ہر قسم کے جاندارون کے اجرام اور توالد وتناسل کے بارہ مین قدرت جس فیاضی سے
کام لیتی ہو اسیطرح نہایت بیدردی سے ان سب کا قلع قمع بھی ہوجاتا ہے ایک ایک مچھلی کئی
کئی لاکھ انڈے دیتی ہو اگر اُن سب کے بچے ہوتے اور وہ باقی رہ جاتے تو سمندر کے سمندر ان مچھلیون سے

پٹ جاتے، اسیطرح بڑے اور بعض قسم کے حشرات الارض جس کثرت سے پیدا ہوتے ہین اگر اسی کثرت سے ضایع نہو جاوین تو کسی نبات کا وجود پردہ عالم پر باقی رہجائے، اسیطرح بعض طیور اس کثرت سے پیدا ہوتے ہین کہ اگر انکے انڈے برباد اور بعض جانورون کی خوراک نہو جائیں تو زمین پر پاؤن رکھنے کی جگہ نہ ملے۔ اسی تنازع بقا کا نتیجہ ہے کہ درندے چرندون کو شکار کرتے ہین پرندے پرندون کو کھا جاتے ہین، بڑی مچھلیان چھوٹی مچھلیون کو نگل جاتی ہین، بجوگدادر تمام حشرات الارض بڑے بڑے جانورون کے گوشت پوست کھاکر ہڈیون کا ڈہانچہ ہی ڈہانچہ چھوڑ دیتے ہین۔

انسان کی کشاکش ہستی کے ظلم وستم بھی کوئی نئے نہین تاریخ کے صفحات ان بیرحمانہ واقعات سے پرہین، فطرت کے مطالعہ سے یہ امر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے ذیحیات کو اعتدال پر قائم رکھنا چاہتی ہے اور کشاکش ہستی کے واقعات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو مضبوط و قوی ہون انکو قائم رکھنا چاہیئے، اور جو حد سے زیادہ ناتوان وضعیف ہون انکی بقا کی حاجت نہین اس لیئے کہ یا تو وہ اورون کو وبال دوش ہوجاتے ہین یا انکی حیات سے کائنات عالم کو جسقدر فوائد پہونچنے چاہئین وہ نہین پہونچتے،

ملہ ایک ہی قطع کے ہڈیون کے ڈہانچے جو طبقات ارض سے برآمد ہوئے ہین انہون نے علمائے تشریح کی تفتیش کو اس جانب رجوع کیا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بعض مختلف طبایع اور عادات کے جانورون میں ہڈیون کا ڈہانچہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے اور ان سب کا عصبی نظام بھی ایک ہی قطعہ کا ہوتا ہے جزوی فرق جو پایا گیا وہ چندان قابل التفات نہین، اسیطرح تمام ذی حیات کا وجود بھی ایک بھی ایک چھوٹے سے مادی ذرے کا نتیجہ ہے، خوردبین کے دیکھنے سے بھی اس ذرے اور آیندہ بننے والی شئ میں کوئی تشابہ نہین پایا جاتا، یہ ذرہ یا مادہ جرم کہلاتا ہے جسمین حیات کے نشو ونما کی مخفی قابلیت رکھی گئی ہے ابھی یہ محقق نہیں ہوا کہ یہ جرم بجائے خود بھی زندہ ہوتا ہے یا نہیں،

قانون انتخاب طبعی - کی بدولت فطرت کا کامل اور بہتر شے کو انتخاب کرکے حفاظت کرنا مراد ہے یہ قانون انتخاب گویا نتیجہ ہی اور تینون قانونون کا ۔ انسان، حیوان۔ نبات سب مین یہ قاعدہ مشترک ہی۔

انتخاب از دواج کا قاعدہ بھی اسی چوتھے قانون کی تحت مین آتا ہی یعنی نر اور مادہ دونون کے انتخاب کے بعد جوڑا ملاکر جو بچے لیے جاتے ہین وہ پہلے سے بدرجہا عمدہ اور قوی ہوتے ہین -

نظریہ ارتقا کی تحقیقات سے عموماً سائنس مین جو قابل قدر اضافہ ہوا وہ محتاج بیان نہین علم الحیوانات کو بھی اس سے بہت تقویت پہونچی جسقدر سائنس کی تحقیقات بڑھتی جاینگی یکسانیت بڑھتی جاینگی یہانتک کہ تمام جاندار چیزین ایک ہی طرح کی معلوم ہونگی اور ایک ہی اصل کی سب فروع ثابت ہون گی ۔

دنیاے سائنس کے آفتاب (ڈارون) کی کرنون سے تمام عالم جگمگا اُٹھا اسکی تابش نے نظرونکو خیرہ کردیا نوعون کے فرق کو مٹادیا درجے شکست ہوگئے، عالم کائنات ایک عظیم الشان سلسلہ اور یکسان وحدت کا سمان دکھلانے لگا ؎

ندارد راز وحدت اختلافے درمیان اینجا　　بود یک حرف ہمچون بوے گل برصد زبان اینجا

سلہ جس زمانہ مین ڈارون پالو جانورون کی خو بو پر غور کر رہا تھا تو اُسنے دیکھا کہ سب سے عمدہ اور قوی جانورون کو رکھوالے چھانٹ لیتے ہین اور اُنکی غور و پرداخت نہایت توجہ سے کرتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس منتخب نسل کی وہ خوبیان (جو باعث انتخاب ہوئی ہین) آیندہ نسلون مین بہت نمایان اور مستحکم ہوجاتی ہین اور کبھی کبھی منتخب شدہ نسل کے بچون کی تعداد بھی آیندہ نسلون مین پہلون سے بافراط میسر آنے لگتی ہے اور روز بروز آیندہ نسلون کی خوبیان پچھلون سے ترقی کرتی جاتی ہین، پالو جانورون پر یہ انتخاب منحصر نہین جنگل کے وحشی جانورون مین بھی (جہان انسان کے دانشمندانہ انتخاب کا کوئی اثر نہین پڑا) کم وبیش یہی انتخابی عمل درآمد جاری ہی۔

اسپین اور اسلام

جزیرہ نمائے اسپین یورپ کے جنوب و مغرب میں واقع ہے، اس کی تاریخ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام نے اُسکے تمدن میں بہت بڑا حصّہ لیا ہے اور یہ حصہ ایسا نہیں جو آسانی سے فروگذاشت ہو جائے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام ہی نے اسپین کے باشندوں کو وحشی سے مہذّب اور جاہل سے عالِم بنایا، اسلام ہی کی بدولت اسپین نے اتنی ترقیاں کیں جنکا آج تک ایک عالم میں شہرہ ہے۔

اسپین کی حالت اسلامی حملہ سے پیشتر پانچویں صدی عیسوی میں اسپین گوتھ لوگوں کی زیرِ حکومت تھا یہ قوم مثل اُن وحشی قوموں کے تھی جو سلطنت روم کے ایامِ زوال میں تمام ملک پر قابض ہو گئی تھیں یہ لوگ پیشتر تو نہایت جری تھے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے تموّل و اطمینان نے اُنھیں کاہل اور عیاش بنا دیا اور چند ہی پشتوں کے بعد بہادر سپاہی کے لقب سے پکارے جانے کے قابل نہ رہے ان لوگوں میں تین طبقے تھے، اوّل اُمراء، دوم رؤسا، سوم غلام۔

طریقۂ سلطنت امراء کو اچھے کھانے، اچھے پہننے، تعیش اور قماربازی کے سوا مہمات سلطنت سے مطلق سروکار نہ تھا، یہ لوگ طرح طرح کے لہو و لعب میں اپنی عمرِ عزیز اس طرح ضایع کرتے تھے کہ گویا انھیں دنیا میں کوئی کام کرنا ہی نہ تھا۔

دوسرے طبقہ کے لوگ بیچارے سخت دقتوں میں تھے، سلطنت کی حفاظت کے ذمہ دار بھی تھے، ٹکس بھی ادا کرتے تھے، تمام عدالتوں کے کام بھی انجام دیتے تھے اور اپنے امراء کی قماربازی اور فضول خرچیوں کے لئے روپیہ بھی فراہم کرتے تھے۔

تیسرا طبقہ غلاموں کا تھا ان بیچاروں کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہی کہ انکے سپرد خدمتگاری کا کام تھا، یہ لوگ نہایت ذلیل حالت سے زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ انکو نہ تو اپنی آبائی زمین چھوڑنے کی اجازت تھی اور نہ بغیر آقا کی اجازت کے کسی سے شادی کرنے کا اختیار تھا گویا بیزبان حیوان تھے جو زبردست جابروں کے قابو میں تھے۔

مذہب اخلاق گو تھ لوگ مذہب عیسوی رکھتے تھے، یہ لوگ نیکیوں کو گناہ کا بدل سمجھتے تھے، بڑے سے بڑا گناہ کرکے یہ لوگ توبہ کرلیتے تھے اور پھر نئے سرے سے اسی گناہ یا اس سے بھی بدتر گناہ کے مرتکب ہوتے تھے یا یوں کہیے کہ انھوں نے غالب کے اس شعر کو اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا ؎

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کرلی   رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اپنے اس قول کے ثبوت میں ایک تاریخی مثال میں پیش کرتا ہوں جو کہ اس زمانہ میں عام تھی اور جسکا دستور قریب قریب تمام ملک میں تھا ارباب بصیرت کے لیے غالباً یہ مثال کافی ہوگی۔

اس زمانہ کے دستور کے موافق کاونٹ جولین نے اپنی چہیتی بیٹی فلارڈا کو دربار شاہی میں شاہی آداب و دستور کی تعلیم پانیکے لیے بھیجا، اس لڑکی کے حسن کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور بڑے بڑے امراء اسکے ساتھ شادی کرنے کی تمنا اور آرزو رکھتے تھے، کاونٹ جولین نے اس وقت تک اسکی شادی بوجہ کم عمری کے نہ کی تھی کیونکہ فلارڈا نے ابھی پندرہ برس کے سولھویں سال میں قدم رکھا تھا جو وہاں کے دستور کے موافق کم عمری کا زمانہ تھا مگر یہ عمر بھی اسکے اظہار حسن کیلئے کچھ کم نہ تھی بقول میر حسن ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن   جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

جب فلارڈا دربار شاہی میں پہنچی تو بلا کسی مزاحمت کے حرم شاہی میں تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجدی گئی، اتفاقاً ایکدن بادشاہ وقت کی نظر اُس حُسن کی دیوی پر پڑ گئی اور وہ اسیر ہزار جان سے فریفتہ ہوگئے، مگر افسوس کہ بجائے اسکے کہ اس نازنین کے دلپر قبضہ حاصل کرنے کیلیے کوئی جائز طریقہ اختیار کیا جاتا بے رحم بادشاہ نے اُس بیچاری کے شیشۂ عصمت کو سنگ جفا سے چکنا چور کیا، اگر بادشاہ سلامت کاونٹ جولین سے اپنی درخواست شادی کے بارے میں کرتے تو وہ اسکو اپنا فخر سمجھکر نہایت خوشی سے منظور کرلیتا مگر یہہ ظالم تو جائز طریقہ کے استعمال کے مطلق خوگر نہ تھے، اس لیے اُنھوں نے یہ شرمناک طریقہ اختیار کیا۔

اس مثال سے ناظرین پر یہ بات صاف ظاہر ہوگئی ہوگی کہ اسلامی حملے کے زمانہ میں اسپین کی کیسی ابتر اور ردی حالت تھی اور پاکیزہ اخلاق اور نیک چلنی اُن لوگوں میں کس حد تک موجود تھی۔

اسلامی حملہ | پہلے پہل مسلمان لوگ چند مہینے طارق کی سپہ سالاری میں اسپین کی ملکی اور سوشل حالت دریافت کرنے کی غرض سے آئے اور چند مہینے قیام کرکے ۷۱۰ء میں افریقہ واپس گئے، ان لوگوں نے اہل اسپین کے مذہب، اخلاق، تمدن، معاشرت، اور ملک کی عام بدامنی کے چشم دید واقعات موسیٰ سے (جو اسوقت عربوں کی طرف سے شمالی افریقہ کا گورنر تھا) بیان کیے، چنانچہ موسیٰ نے اسپین کو فتح کرنے کی غرض سے اسلامی فوج ۷۱۱ء میں طارق کی سپہ سالاری میں روانہ کی، اب یہ لوگ دوسری مرتبہ پھر ملک اسپین میں آئے۔

جس مقام پر سپاہ اسلام اُتری وہ مقام اب تک اُنکے سپہ سالار طارق کے

نام سے مشہور ہے اور جبل الطارق یا جبرالٹر کہلاتا ہے۔

اسپین کی فوج مسلمان حملہ آوروں کے مقابلہ کیلئے نکلی اور گریڈ ولیٹ میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، پہلے تو اہل اسپین کی کثیر التعداد فوج دیکھکر مسلمان گھبرا گئے اور ارادہ کیا کہ اسوقت لوٹ جائیں اور دوبارہ اچھی طرح سازوسامان حرب سے آراستہ ہوکر اور جرار فوج لیکر چڑھائی کریں مگر طارق نے اُنکو سمجھایا کہ اگر اسوقت پلٹنے کا قصد کروگے تو یہ لوگ فوراً حملہ کردیں گے اور پھر تمھارے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے گی کیونکہ ایک طرف تو یہ عظیم الشان فوج ہوگی اور دوسری طرف سے سمندر حائل ہوگا ایسی حالت میں دل کے حوصلے دل ہی میں رہجائیں گے اور ہم سب یہیں کھیت رہیں گے، تجربہ کار سپہ سالار کی صلاح سب نے گوش دل سے سُنی، آخرکار مسلمان نبرد آزما تن بہ تقدیر لڑنے اور مرنے پر طیار ہوگئے دوسرے ہی دن لڑائی شروع ہوگئی، علی الصباح غازیان اسلام نعرۂ اللہ اکبر کرکے اس کڑک دھمک کے ساتھ قلب لشکر اسپین پر گرے کہ حریف کسیطرح تاب مقابلہ نہ لاسکا، زوال آفتاب کے ساتھ سپاہ اسپین کا بھی زوال ہوا، چندہی حملوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے، تلوار کی آنچ کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کے مُنہ پھر پھر گئے، اہل اسپین نے شکست فاش کھائی، شام ہوتے ہوتے فتح ونصرت کا پھریرا لشکر اسلام میں لہرانے لگا۔

اسلامی فتحمندی کی بابت اہل اسپین ایک نہایت دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں جسکا اس مقام پر نقل کرنا لطف سے خالی نہوگا۔

مشہور ہے کہ ہرقل نے (جو ایک نہایت ہی مشہور بادشاہ گزرا ہی) بحر قلزم میں ایک مینار بنایا تھا جسکو اُس نے مقفل کردیا تھا اور مرتے وقت یہ وصیت کی

تھی کہ اُسکا ہر جانشین ایک قفل مینار کے دروازے میں اضافہ کرتا جائے اور جو ایسا نکریگا یا اُسکے اسرار دریافت کرنے کی کوشش کریگا وہ تباہ و برباد ہوگا، آفت کچھ کہہ کے تھوڑے آتی ہے باایںہمہ ممانعت راڈرک[۱] نے (جو بادشاہ اسپین تھا) مینار کے اندر جانے ور اُسکا راز دریافت کرنے کی کوشش کی، دربار کے نمک حلال معتمدین اور بڑے بوڑھے سب مانع آئے مگر تقدیری بات تھی کسی کی پیش رفت نہ گئی، بڑی شکلوں سے جب راڈرک مینار کے اندر گیا تو اُسکو پہلے کوئی چیز نظر نہ آئی، آخر تلاش کے بعد ایک کمرے میں ایک صندوق ملا جسپر یہ لکھا تھا کہ "پوشیدہ راز اسمیں ہے" اُس نے فوراً صندوق کو کھولا لیکن سوا ایک صفحۂ کاغذ کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا، اس کاغذ پر عرب کے بہادر جنگ آزماؤں کی تصویریں کھنچی ہوئی تھیں اور اُسکی پیشانی پر بقلم جلی یہ الفاظ لکھے ہوے تھے "یہی لوگ تجھے برباد کرینگے اور تیری سلطنت چھین لیں گے"

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمانوں نے حملہ کیا، جسکا ذکر ہمنے اوپر کیا ہی بہرحال قصہ اور کہانی کچھ ہی بیان کریں اور اُنمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہو مگر حاصل سبکا ایک ہی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے اسپین کو فتح کر لیا۔

گریڈولیٹ[۲] کی لڑائی کے بعد اسلامی فوج ملک کے اُن حصّوں کو جنکے حاکم اب تک مخالف تھے زیر کرنے کیلئے روانہ کی آخرکار کیے بعد دیگرے سب حصۂ ملک پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا

مسلمانوں کا برتاؤ اپنے مفتوحوں کے ساتھ

ایک خاص بات اور قابل غور جو ان مقامات پر تسلط کرنے میں عمل میں لائی گئی وہ یہ ہے کہ قریب قریب تمام حصص ملک بغیر کسی ظلم و تعدی کے قبضہ میں

[۱] Roderick [۲] Gradulate

لائے گئے اور باشندوں کو نقصان سے بچانے کی بہت کوشش کی گئی درآنحالیکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فاتح قوم اتنا ظلم کرتی ہے کہ بیان سے باہر ہے، مسلمانوں کے عمدہ برتاؤ کی بہت سی مثالیں ہیں، لیکن اُنمیں سے چند اس جگہ بیان کیجاتی ہیں -

یہودی لوگ جو قرطبہ میں عرصہ تک مسلمانوں کی مخالفت کرتے رہے اور آخر کار شکست کھائی مگر اُسکے ساتھ ہی اُنکو کسی قسم کا نقصان نہیں پونہچایا گیا، بلکہ برخلاف اسکے وہ مسلمانوں کے رازدار بنگئے اور ایک عرصہ تک اپنے فاتحوں کے کریمانہ و فیاضانہ سلوک و عنایات سے سرفراز ہوتے رہے -

عام دستور کے خلاف مسلمانوں نے تمام جاگیریں اور ریاستیں اُن ہی امرا اور رؤسا کے پاس رہنے دیں جنکے پاس وہ اس فتح سے قبل تھیں - البتہ جو لوگ اس جنگ میں مارے گئے یا بھاگ گئے تھے اُنکی جاگیریں ضبط کرلی گئی تھیں اور یہ ہرگز ظلم کی بات نہیں، مسلمانوں نے ملک اسپین پر فتح پانیکے بعد تمام غلاموں کو آزاد کردیا اور اُنکو زمین کی کاشت سے (جسکے وہ بیچارے ہمیشہ سے پابند تھے) مستثنٰے کردیا اور اگر مسلمان اس ملک کو فتح نکرتے تو اُن بیچاروں کو ہمیشہ پابند رہنا پڑتا، اسکے علاوہ مسلمانوں نے اُنکی اخلاقی حالت کیسی درست کی، اور اُنکو بہت کچھ آزادی دیدی، یہ لوگ بغیر اپنے آقا کی اجازت کے پہلے کسی سے شادی نہیں کرسکتے تھے مگر مسلمانوں نے اس قسم کے سخت اور بے رحمی کے برتاؤ سے بالکل کنارہ کشی کی اور غلاموں کو بالکل آزاد کردیا،

سب سے بڑا احسان جو مسلمانوں نے اپنے مفتوحوں پر کیا وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اُنکو تبدیل مذہب پر بالکل مجبور نہیں کیا اور اُنکو اس معاملہ میں بالکل آزادی دی کہ جس کی چاہیں پرستش کریں - (دیکھو تاریخ اسپین انگریزی مصنفہ مسٹر لین پول)

یہ ہرگز نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے ملک اسپین کو فتح کرکے تباہ و برباد کردیا، بلکہ برخلاف اسکے اسپین والوں کو کبھی اتنی آزادی اور اتنے آسان قواعد نہیں برتنے پڑتے تھے جتنے مسلمانوں کے زمانہ حکومت میں اُن لوگوں کو ملے ۔

مسلمانوں نے اس وحشی اور غیر منتظم سلطنت کو اتنا زرخیز اور شایستہ بنا دیا تھا کہ جس کا بیان کامل طور سے دشوار ہے، اور اُسکی تہذیب میں اتنی ترقی کردی تھی کہ لوگ اُسوقت حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آج بھی تعجب کرتے ہیں، اسپین کو علم و صنعت میں اسقدر ترقی مسلمانوں نے دی کہ آج تمام شایستہ یورپ اسکی شاگردی کا ممنون ہے، جس زمانہ میں اسپین ترقی کے اعلیٰ مرتبوں پر پہنچ چکا تھا اُسوقت تمام یورپ وحشت اور جہالت کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا،

القصہ اس آزادی کے برتاؤ کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام اسپین کے عیسائی یہودی، اور دوسرے مذہب کے لوگ صاف صاف الفاظ میں مسلمانوں کے مذہب، طرز حکومت، اخلاق اور شریفانہ برتاؤ کے دل سے ممنون اور مداح ہوگئے اور دعائیں مانگنے لگے کہ خدا کرے ان کی حکومت ہمیشہ قائم رہے ۔

۷۵۵ء میں ایک شخص مسمّٰی بہ عبدالرحمٰن اسپین کا بادشاہ ہوگیا، یہ شخص بنی اُمیہ کے خاندان سے تھا جو عرب کا ایک بہت بڑا اور مشہور خاندان ہے، یہ شخص فطرتًا نہایت نیک مزاج اور رحمدل تھا، اگرچہ بہت بڑا سلطان ہوگیا تھا مگر مفلسوں اور بیماروں کے مکانوں پر خود جاتا تھا اور حتی الوسع اُنکی مدد کرتا تھا اُس خاندان کے ایسے ایسے لوگ اسپین کے تخت پر جلوہ افروز ہوے کہ اپنی مثال نہیں رکھتے، اس خاندان نے تقریبًا آٹھ سو برس حکومت کی اور اسی زمانہ میں اسپین کے علم و صنعت شایستگی اور تمدن کا ایسا بہترین

نمونہ بنا دیا کہ دنیا کی تاریخ آج اُسکی مثال سے خالی ہے۔

مسٹر لین پول نے اپنی ایک تالیف میں مسلمانوں کی حکومت اسپین کا حال دکھلایا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمان جو کسی زمانہ میں لاثانی تھے اب نہایت ذلیل ہو گئے ہیں، ہر چند کسی ترجمہ میں مصنف کا زور تحریر اور حسن بیان کبھی قائم نہیں رہتا اسلیے جیسا حق چاہیے میں اُسے ناظرین پر ظاہر کرنے سے قاصر ہوں مگر بمقتضاے مالا یدرک کلہ اُنکی ایک مختصر تحریر کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں وہ بیان کرتے ہیں کہ

"قریب ۸۰۰ برس کے اسپین نے اپنے مسلمان سلاطین کی زیر حکومت تعلیم و تہذیب کا ایک عمدہ نمونہ تمام یورپ کے واسطے قائم کیا تھا اُسکے شہر اپنے اسلامی فاتحوں کے عمدگی اصول زراعت کی وجہ سے دوگنی پیداوار دیتے تھے، وادی الکبیر اور غرناطہ کے زرخیز وادیوں میں بے شمار شہر آباد ہو گئے تھے، جنکے نام اور صرف نام ہی نام اسوقت تک اپنی گذشتہ عظمت اور شان کی خبر دے رہے ہیں، دستکاری، علم، اور سائنس نے اُس زمانہ میں اتنی ترقی کی تھی جتنی کہ تمام یورپ میں کہیں نہیں تھی، فرانس، جرمنی اور انگلستان سے سلطنت اسپین میں طلبا جمع ہوتے تھے تاکہ اُس تعلیمی چشمہ سے فیض حاصل کریں جو سوائے اسپین کے اور کہیں نہیں بہتا تھا، اسپین کے اطبا اور حکما اپنے زمانہ میں بے مثل و بے نظیر تھے، عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیجاتی تھی اور لیڈی ڈاکٹر اُسوقت اسپین میں بکثرت موجود تھے، ریاضی، نجوم، علم زراعت، تواریخ، جغرافیہ، فلسفہ اور قانون اور بہت سے اسی قسم کے علوم صرف اسپین ہی میں تعلیم دیے جاتے تھے اور

اور کہیں اُنکا چرچا نہ تھا، کاشت، آب پاشی، قلعہ بندی، جہاز سازی، نداقی، کندہ گری لوہاری، ظروف سازی اور معماری وغیرہ میں اسپین نے اسلامی حکومت کے زمانہ میں کمال دکھلا دیا تھا جسطرح اہل اسپین دستکاری میں کامل تھے اُسیطرح جنگی کاموں میں بھی لاثانی تھے، چنانچہ انکے بیڑے تمام بحر قلزم پر حکمرانی کرتے تھے اور اُنکی فوج عیسائیوں کو لڑائی میں تباہ و برباد کردیتی تھی القصہ جو کچھ کہ سلطنت کو شاندار اور دولتمند بنانے کیواسطے ضروری ہے، اور جو کچھ کہ تہذیب و عقل سکھلاتی ہے سب اسپین میں اسلامی حکومت کے زمانہ میں پایا جاتا تھا"

اب اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایک غیر قوم والا شخص اُس سلطنت کی اتنی تعریف کرے تو وہ دراصل کتنی اعلیٰ درجہ کی اور قابل تعریف سلطنت ہوگی۔

سب سے عادل اور لائق بادشاہ جو تخت اسپین پر متمکن ہوا عبدالرحمن ثالث تھا، یہ شخص خاندان بنی اُمیہ کا آٹھواں بادشاہ تھا، اسکے عہد میں اسپین نہایت خوشحال رہا اور بہت ترقیاں کیں، اس سے قبل کبھی اسپین اتنا خوشحال، اتنا تعلیم یافتہ، اتنا زرخیز اور اتنا مطیع نہیں ہوا تھا جتنا اُس عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوا۔ کبھی قوانین اتنی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گئے جتنے عبدالرحمن ثالث کے زمانہ سلطنت میں اُنکی عزت کی گئی اور کسی بادشاہ کے ساتھ نمک حلالی اور خیر خواہی کا برتاؤ نہیں کیا گیا جتنا اس عادل بادشاہ کے ساتھ کیا گیا، عبدالرحمن ثالث کے عہد حکومت میں فرانس، جرمن، اٹلی، اور قسطنطنیہ کے سفیر آتے تھے، اور حسب حیثیت دربار شاہی میں بار پاتے تھے، اُسکی طاقت، عقلمندی اور دولت تمام یورپ اور افریقہ میں ضرب المثل تھی، یہ سلطان عالیشان نہایت عالی ہمت خوش مزاج، عدل گستر، اور رحمدل تھا، غرضکہ جہانتک اس بادشاہ اور اس سلطنت کی تعریف کیجائے بجا ہے مگر لحاظ طوالت یہ کہدینا کافی ہے کہ یہ سلطان دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا سب سے بڑا اور اچھا بادشاہ تھا

راقم ابرار حسین (باقی آئندہ)

نظم عبرت و حسرت

ہم ہیں اور جامِ گردشِ قسمت — ہم ہیں اور جرعۂ غم و محنت

ہم ہیں اور تیرگیِ روزِ سیاہ — ہم ہیں اور شامِ غم کی ہی ظلمت

ہم ہیں اور چرخِ تفرقہ انداز — ہم ہیں اور افتراقِ جمعیّت

ہم ہیں اور بختِ بیسروساماں — ہم ہیں اور گردِ وادیِ غُربت

ہم ہیں اور بارِ خانہ بردوشی — ہم ہیں اور یہ متاعِ بےقیمت

ہم ہیں اور نارواییِ بازار — ہم ہیں اور نارسائیِ قسمت

ہم ہیں اور جسم وتابِ بیجاں — ہم ہیں اور دست پائے بےحرکت

ہم ہیں اور اتفاق سے دُوری — ہم ہیں اور افتراق سے قربت

ہم ہیں اور نقدِ ناسَرہ درست — ہم ہیں اور خونِ آرزو کی دِیت

ہم ہیں اور لاکھ سعیِ لاحاصل — اور بےسود کوشش و زحمت

ہم ہیں اور حرصِ اوجِ رفعت کی — ریسماں بازِ عنکبوت صفت

ہم ہیں اور ناقۂ سیَہ بختی — اور بیابانِ آفت و نکبت

ہم ہیں اور ہر قدم پہ ہے موجود — ہفتخوانِ مصیبت و آفت

ہم ہیں اور یادگارِ عہدِ سلف — ادب آموزِ عبرت و حسرت

ہم ہیں اور رفتگاں کا نقشِ قدم — اور آئینہ داریِ حسرت

ہم ہیں اور ایک اپنا حالِ تباہ — اہلِ عالم کو مایۂ عبرت

ایک کو ایک کا نہیں کچھ درد — ایک کو ایک سے نہیں اُلفت

ایک فرقہ سے ایک کو ہے لاگ — ایک فرقہ سے ایک کو نفرت

مٹ چکی ہیں یونہیں بہت قومیں تھیں جو عالم میں صاحبِ ثروت
اس طرح منہ کے بل گرے ہیں ہم کہ سنبھلنے کی اب نہیں طاقت
اپنا شیرازہ ہو چکا برہم اب ہے امرِ محال جمعیت
اڑتے پھرتے ہیں ہر طرف اوراق ہے خزاں دیدہ برگ کی حالت
گھر سے نکلے نہ جو کبھی، وہ ہیں گام فرسائے وادیٔ غربت،
شرم عائق ہو گر وطن میں رہیں فقر لاحق ہو گر کریں ہجرت
زندگی کا نہ کچھ سہارا ہے نہ معیشت کی ہے کوئی صورت
ساکھ اپنی نہ اعتبار اپنا نہ تجارت نہ صنعت و حرفت
آسماں دور ہے زمیں ہے سخت پہنچی ہے اضطراب کی نوبت
دوڑتے ہیں تو ایسی راہوں میں جس میں ہر ہر قدم پہ ہے نکبت
جیسے پیچھے سراب کے دوڑے پیاس سے جس کی غیر ہو حالت
ان کے ہے اضطراب کی وہ شکل جیسے بسمل کی آخری حرکت
اور ملکوں میں گر یہ سوچ کے جائیں دن گزارینگے کر کے کچھ محنت
تو وہاں سے نکالے جاتے ہیں اور ذلت پہ ہوتی ہے ذلت
اپنے سایہ سے ہے حذر سب کو اپنی صورت سے سب کو ہے نفرت
ہو کے ہندی ذلیل ہو گئے ہم کہ برستی ہے نام پر نکبت
نہیں ملکِ خدا میں جا اپنی اے تری شان اے تری قدرت
کیوں نظر میں جہان کی ہیں ذلیل ہم بھی تو آدمی کی ہیں صورت
خلق میں اک ہمیں ہیں بے بہرہ یا خدا یا نصیب یا قسمت
خود کوئی محتشم ہوا تو کیا قوم کی تو ذلیل ہے حالت

خاک چھانیں جب اپنے ہی امثال
خاک پھر اپنی رہ گئی عزت

بھیک مانگیں جب اپنے ہی اقراں
رہ گئی زندگی میں کیا لذت

ساتھ والے جو ایڑیاں رگڑیں
ہمکو منزل پہ ہوگی کیا راحت

ہوں پریشان قوم کے افراد
دل کو پھر کس طرح ہو جمعیّت

غیر قوموں کے ہوں وہ دست نگر
کیجیے غور کس کی ہے ذلت

مر گئے بند کر کے دروازہ
فاقے کر کر کے اپنے ہمصورت

نکلی اک اپنی آرزو تو کیا
ہو چکے سب تو کشتۂ حسرت

اب ہے یکساں شراب و خونِ جگر
اب برابر ہے زہر اور امرت

اپنے نزدیک جائے رشک نہیں
ہوں اگر غیر صاحبِ ثروت

کوشش اُن کی اگر ٹھکانے لگی
کیا گلہ اپنی اپنی ہے قسمت

سُوکھے ٹکڑوں سے پیٹ جب بھر جاے
پھر ہے بے فائدہ غم و حسرت

لیجئے پھر کسی کا کیوں احسان
کیجئے پھر کسی کی کیوں منت

نفس کو جس نے کر لیا ہموار
اُسکو یکساں ہے پستی و رفعت

قابل رشک ہے مگر بے شک
ہُنر و علم و دانش و حکمت

بے ہنر ہو کے خلق میں جینا
ہے بلا شبہہ باعثِ ذلّت

علم و فن میں کسی سے کم رہنا
ہے بلا شبہہ مایۂ حسرت

ہیں ہمارے حریفِ دَور وہی
علم و فن میں جو لے گئے سبقت

ہم نگاہوں میں اُن کی ہیں جاہل
اِسکی بے شبہہ چاہیئے غیرت

چاہیئے آدمی میں وہ جوہر
دوسروں کی نظر میں ہو عظمت

نہ کہ ہوں علم و فن سے ایسے دُور
کہ سمجھتے ہیں خارقِ عادت

آئی یورپ سے یہ صدا جب سے | کہ مذاہب ہیں موردِ آفت
ہے عقائد میں سب کے اُس دن سے | شبہہ و شک و لغزش و زلت
مگر آفت یہ ہے کہ بے سمجھے | چھوڑے دیتے ہیں مذہب و ملت
سب کے سب علم سے ہیں بے بہرہ | کس طرح دین کی کریں نصرت
اب نہ وہ طب رہی نہ طبعیات | اب نہ وہ فلسفہ نہ وہ ہیأت
جنکا ہے عالموں میں آج شمار | کچھ اُنھیں علم سے نہیں نسبت
زہد بے جا کو سمجھے ہیں تقوےٰ | ترکِ دُنیا کو سمجھے ہیں طاعت
جو نہ لے علمِ کائنات سے درس | نہ پڑھے جو صحیفۂ فطرت
فائدہ کیا اُسے کتابوں سے | ان میں رکھا ہی کیا بجز زحمت
اصطلاحاتِ محض کا طومار | احتمالات بحث کی کثرت
گتھیاں رہ گئی ہیں بے سلجھی | اُلجھنیں ایسی جنسے ہو نفرت
ہے غرض اک طلسمِ بوقلموں | فلسفہ کہیئے اِس کو یا حکمت
جسکے اثبات پر ہیں سو بُرہان | اُسکے ابطال پر بھی ہی حجت
کالجوں کی سند ہے جنکے پاس | حال اُنکا ہے قابلِ عبرت
کچھ نہیں آتا نوکری کے سوا | کچھ نہیں جانتے بجز خدمت
نہ تو ردّ و قدح کی تاب اُن میں | نہ تو ان میں ہے بحث کی طاقت
قوم کو ایسے چاہیئیں علما | کریں باطل جو خصم کی حجت
کہ سیاہی کو اُن کے خامہ کی | ہو مجاہد کے خون پر سبقت
زیست کا سب کی ایک وقفہ ہے | اسمیں پستی ہو یا کہ ہو رفعت

کاٹو یا اسکو جہل و نکبت میں سیکھو یا اس میں دانش و حکمت

اس میں اعلےٰ ہو کہ تم ادنیٰ اس میں ثروت ہو یا کہ ہو نکبت

جنکو اسباب کچھ فراہم ہیں اُن کو حاصل ہی علم اور دولت

درس گاہوں میں سیکھتے ہیں علوم کارخانوں میں صنعت و حرفت

کھلتے جاتے ہیں اُنپہ سب اسرار اُٹھتے جاتے ہیں پردۂ حیرت

ہوتے جاتے ہیں آشکار اُنپر سب رموزِ دقائقِ فطرت

اُنکے قابو میں برق کی ہی عنان لیتے ہیں آفتاب سے خدمت

سنگ و آہن میں اُنکو ہی محسوس انکے اجزائے فردہ کی حرکت

اور تپ آفتاب کے درجے اور نبضِ شعاع کی سُرعت

جو کہ ہم سے ہیں بیسروساماں نہیں اُنکو نصیب یہ دولت

درس گاہیں نہ کارخانے ہیں منبعِ علم و دانش و حکمت

ہمکو اسباب یہ کہاں ممکن کہ کریں سعی و کوشش و زحمت

سخت طوفاں ہے جہل و بیخبری ہے تلاطم میں کشتیِ اُمّت

ڈوبتے ہو تو ہاتھ پاؤں ہلاؤ ہے اُبھرنے کی اک یہی صورت

کام مِل کر باتفاق کرو سمجھو اب بھی ہی مغتنم فرصت

ہی عجب اتّحاد میں خوبی، ہے عجب اتفاق میں برکت

قوم کو اپنے غیر سمجھے ہیں جو اس زمانہ کے صاحب ثروت

یہ سبب ہے کہ دل نہیں دُکھتا دیکھتے ہیں کہ غیر ہے حالت

ہم چراغِ سرِ مزار نہیں ہم نہیں سبزۂ سرِ تربت

کہ بجھاوے نسیم کا جھونکا — یا سکھاوے تموز کی حدت

ہم جہاں میں ہیں یادگار سلف — ہمکو اُن کی سی چاہیئے ہمت

نام لیوا ہیں کچھ ابھی باقی — گو کہ وہ قوم ہو چکی رخصت عہ

جیسے سرتاج قوم آغا خاں — فخر اُمت سلالۂ عترت

مجمع خیر سید السادات — زیب بخش وسادۂ حشمت

اہل اسلام کا ہی ورد انہیں — کیوں نہو انکے جد کی ہی اُمت

ساتھ تھے موکب ہمایوں کے — فتح و اقبال و شوکت و نصرت

دیکے ہندوستاں کو فخر و شرف — ہوئی پنجاب کی طرف نہضت

دہلی و لکھنؤ الہ آباد — پٹنہ، کلکتہ، آگرہ، سورت

رکھا جس شہر میں انہوں نے قدم — ساتھ ساتھ آئی خیر اور برکت

ایسے محسن کا شکر ہے واجب — کئے احسان جس نے بے منت

کہ تمہارے لئے سلا نو، — کس سے ہو سکتی اسقدر زحمت

اُس نے پھیلا دیا ہے دست سوال — جسکے دست کرم کی ہے شہرت

جاوے ہر در پہ وہ تمہارے لئے — جسکا در خود ہے مامن دولت

سعی ان کی خدا کرے مشکور
اور دے تمکو دانش و حکمت

راقم
علی حیدر طباطبائی نظم

عہ قوم کو اپنی سمجھیں جو اپنا — ایسے لوگوں کو دے خدا دولت

تسلیم و رضا

مولانا ابو العلا سید سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی کی تالیفات سے پبلک بخوبی روشناس ہو اس لیے آپ کی جودت فکر اور قابلیت علمی کسی مزید معرفی کی محتاج نہیں، نہایت مسرت کا مقام ہے کہ آپ نے ہمارے الناظر کی طرف توجہ مائل فرمائی ہو جسکے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

ذیل میں ہم آپکا فصیح و بلیغ مضمون درج کرنے کی عزت حاصل کرتی ہیں جسکا عنوان نہایت دل آویز اور مضمون خیز شعر سے کیا گیا ہو، اور جو ایک تاریخی واقعہ کی وجہ سے خاصکر قابل ذکر ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا جب وقت آیا تو حسن اتفاق سے قوال یہی شعر گا رہا تھا، فنا و بقا کا تصور اور جذبۂ عشق نے اس شعر کے سنتے ہی آپ پر عجیب و غریب کیفیت وجدانی طاری کر دی، ہر چند کہ معتقدین اور گرد و پیش کے لوگ آپکے روکنے کی بہت کوشش کر رہے تھے مگر آپ کی کیفیت وجدانی کسی کے روکے کب رک سکتی تھی، ماشدت بیقراری میں مرغ بسمل کی طرح آپ تڑپنے لگے اور الا اللہ کی صدا آپکی ہر تڑپ کے ساتھ سامعین کے کانوں تک پہونچتی تھی، یہاں تک کہ آپکے طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کر کے گلزار رضوان میں آشیانہ کیا انا للہ و انا الیہ راجعون

اڈیٹر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

شعر کی بلاغت اور شاعر کے مقاصد کا دارومدار لفظ "تسلیم" پر ہے، اور کیوں نہوتا یہ لفظ ہی ایسا ہے کہ جو اسکو صرف کرنا جانتا ہو وہ اپنے جملے یا شعر سے معانی کا ایک ملک آباد کر سکتا ہے۔

تسلیم کے لغوی معنی مان لینا، یقین کر لینا، کہنے پر چلنا، سپرد کرنا، سلامت رکھنا اور کنایۃً سر جھکانا ہیں۔

اصطلاح صوفیہ میں تسلیم و رضا ایک لفظ مرکب ہے جسکے کُل معانی تو ایک جملے میں ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ صوفیہ میں یہ ایک اصول طریقت ہے اور اسکے بہت سے فروع ہیں منجملہ اُنکے یہ بھی ہے کہ جن اہل اللہ نے شدید مصائب برداشت کیے اور شکر کیا وہ عامل تسلیم و رضا تھے، اس شعر کا مصنف صوفی بھی ہے اور حُسنِ اتفاق سے شاعر کامل بھی لفظ "تسلیم" اس طریقہ سے نظم کیا ہے کہ اصطلاحی اور لغوی دونوں معنی اپنے اپنے جلوے دکھاتے ہیں اور بہت نازک و لطیف باتیں پیدا ہوتی ہیں، اوّل مفہوم شعر یہ ہے کہ معشوق حقیقی نے جن عاشقوں کو اُس خنجر ادا سے قتل کیا ہے جس سے اُسکا منشا یہ ہے کہ قتل ہو جانے پر بھی سلامت رہیں تو اُن عاشقوں کو غیب سے ایک دوسری جان دوبارہ قتل ہونیکے لیے ملتی ہے تاکہ معشوق کے دونوں متضاد خیال عالم ظہور میں آجائیں، کیونکہ اُسکے فعل کا منشا فنا ہے اور ذریعۂ فنا جو خنجر ہے اُسمیں بقا کی صفت ہے تو ان دونوں کا اظہار ہونا چاہیے، لہذا شاعر یہ کہتا ہے کہ ایسے کشتوں میں غیب سے ہمیشہ ایک نئی روح پھونک دیجاتی ہے تاکہ اُسوقت تک جب تک کہ معشوق دوٹوک فیصلہ نہ کردے یہ سلسلہ جاری رہے

یہ مطلب تو لغوی معنی کے لحاظ سے تھا، اب اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ ہوگا کہ تسلیم ورضا کے خنجر سے جو عشاق قتل ہوے ہیں اُنپر تسلیم ورضا کا اثر بھی مترتب ہونا چاہیئے اور تسلیم ورضا کا اثر یہ ہے کہ عامل اُس کا فنا کی طرف مائل نہو کیونکہ اگر قبل تکمیل تسلیم ورضا اس عالم سے جہاں اُسکو یہ منزل طے کرنا ہے روانہ ہوا تو یہ ایک ایسا امتحان ٹھہر گیا جسکا کورس کوئی شخص تمام ہی نہیں کرسکتا، لہذا اُسکو اسقدر ظرف دیا جائے کہ روح عمر طبعی سے پہلے اپنے قالب کو نہ چھوڑے یا اُسوقت چھوڑے جبکہ ممتحن کو یہ منظور ہو کہ مدتِ امتحان ختم ہونے سے پہلے ہی بسبب کمال قابلیت ترقی دے دیجائے تاکہ ابھی سے اُن زندوں میں شمار ہو جائے جو کہ زندۂ جاوید ہیں، بہرحال تسلیم ورضا حیات بخش ہے اور خنجر کشندہ اپنی ذاتی صفت سے طالبِ اجل ہی لہذا موت وحیات دونوں کی تعیین ہونی چاہیے۔ اور یہی مقصودِ شاعر ہے کہ مقتولِ خنجرِ تسلیم ورضا کو ہمیشہ غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

ہر ایک بلیغ شعر میں یہ سلسلہ ہوتا ہے کہ الفاظ میں معانی ہوتے ہیں، معانی میں مطلب یا مفہوم شعر ہوتا ہی اور اُس مفہوم میں شاعر کا مافی الضمیر ہوتا ہی۔

اس شعر کے الفاظ سے معنی اور معنی سے مطلب تو ناظرین نے معلوم کرلیا لیکن شاعر کا مافی الضمیر باقی ہے اور وہ بہت ہی لطیف ہے، یعنی یہ کہ اُسنے اخلاق کا ایک ایسا مسئلہ پیش کیا ہی جو سب سے زیادہ اہم اور مفید ہے،

شاعر کہتا ہے کہ جنلوگوں نے اپنی جان کو اس بات کے لیے وقف کر دیا کہ تو جو چاہے کرے، زندگی اور موت اُنکے اختیار میں ہوتی ہی، اور ہر جاندار اپنی بقا کو اپنی فنا پر ترجیح دیتا ہے اس لیے ایسا شخص کبھی نہیں مرتا، اور گذشتہ واقعات سے معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص ذاتی اغراض میں زندگی بسر کرتا ہے وہ جلد اور بُری حالت میں مرتا ہے

نفس جس درجہ کا خودغرض ہو اُسی حساب سے، مگر جو شخص دوسرے کیلیے اپنی زندگی گزاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا بلکہ بعد انتقال کے بھی اُسکی روح کو عالم حیات پر ویسا ہی اور اُس سے زیادہ تصرف رہتا ہی جیسا کہ انتقال سے پہلے تھا۔

انبیا، اولیا، اصفیا، اتقیا یا دیوتا (اخلاقی) فلسفی، ریفارمر، لیڈر، سخی، عشاق، وہ بہادر جنھوں نے قوم یا مُلک پر اپنی جانیں فدا کیں، وہ احباب پرست جنھوں نے دوستی کے پیچھے اپنے آپ کو مٹا دیا، وہ مصنفین جو تمام عمر علمی فوائد پہنچاتے رہے، ان سب میں سے ایک بھی مرنے کے بعد معدوم نہ ہوا، جو آثار روح کے جسم میں ہوتے ہیں وہ سب تاثیرات اب تک اس عالم میں اُنکے موجود ہیں اور ہمیشہ رہینگے لیکن چونکہ روح لطیف ہے اس لیے ہم اُسکا مشاہدہ نہیں کرسکتے۔ بخلاف اسکے جنھوں نے خود غرضی میں بسر کی ہی اُنکا نام و نشان صفحہ ہستی سے بالکل نیست و نابود ہوگیا ہے حیات جاودانی دو صورتیں رکھتی ہے ایک دینی دوسری دنیوی، ہر ایک مذہب کے اہل عقیدت کا یہ عقیدہ ہے کہ اُنکے پیشوا مرنیکے بعد بھی اس عالم پر متصرف ہیں مگر جو لوگ لا مذہب ہیں وہ جسمانی تصرف کو نہیں ملنتے وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا نام و نشان زندہ رہتا ہی بذات خود مع جسم کے اس عالم میں نہ آسکتے ہیں نہ کوئی کام کرسکتے ہیں اور یہ کلیہ ہی کہ جو شخص جس افاضہ کا منکر ہوگا وہ کبھی اُس سے مستفیض نہیں ہوسکتا اسوجہ سے کہ اُنکو اسکا تجربہ بھی نہیں ہوسکتا مگر نام و نشان اور تاثیرات کے زندہ رہنے کو تو وہ بھی دیکھتے ہیں بہر صورت زندگی جاوید کو شاعر نے اسطرح دکھایا ہی کہ تسلیم و رضا اختیار کرنیوالے کبھی فنا نہیں ہوتے لامذہب اسکو صرف اتنا ہی سمجھ لیں کہ نام و نشان اور اثر کبھی فنا نہ ہوگا، اور اہل مذاہب یوں تسلیم کریں کہ جو تصرفات زندگی میں تھے وہ سب بعد موت

بھی باقی رہیں گے بلکہ اُس سے بھی زیادہ، گویا شاعر نے حیاتِ غیر فانی کا طریقہ تعلیم کیا ہے اور اس تعلیم کا تصرف یہ ہے کہ جو شخص تسلیم کو جسطرح سمجھتا ہے اور حیاتِ جاودانی جسقدر قوی جانتا ہے اُتنا ہی فائدہ وہ اس سبق سے حاصل کرسکتا ہے مثلاً تم اگر تسلیم کے صرف یہی معنی سمجھ سکتے ہو کہ حکم پر گردن جھکانا، اور حکم بھی معشوق مجازی کا تو تمکو عاشقوں کی دُنیا میں حیات جاودانی ملے گی اور ویسی ہی حیات ملیگی جیسی تمھاری عقل اس عالم کیلیے قبول کرتی ہے، اور اگر تسلیم سے مراد تسلیم ورضا لیتے ہو یعنی معشوق حقیقی کی مرضی پر مجبوری سے نہیں بلکہ خوشی سے چلنا خواہ کیسی ہی تکلیف اُٹھانا پڑے تو تمکو اپنی ساری زندگی اس تسلیم ورضا پر وقف کردینے کے بعد وہی حیات ملیگی جسپر تمھیں اختیار ہوگا کہ چاہے اِس عالم میں اُس سے کام لو چاہے عالمِ آخرت میں ہمیشہ تفریح حاصل کرتے رہو، اور اگر تسلیم کرنے کے معنی تم سپرد کرنا لیتے ہو، اپنے ذات کو اپنے ملک یا اپنی قوم کے سپرد کرتے ہو اور اُسی کے پیچھے جان دے دوگے تو تمھارے ملک اور تمھاری قوم میں تمکو وہی حیات جاودانی ملیگی جسکے تم قائل ہو۔

اسی طرح جتنے معانی تسلیم کے ہیں اور جتنی صورتیں حیات کی ہیں ان دونوں کی علیحدہ علیحدہ تعداد کو ایک دوسرے سے ضرب دینے پر جسقدر حاصل ضرب ہو اُسیقدر معانی اس شعر سے پیدا ہوتے ہیں مثال میں صرف تین معانی بیان کردیئے ایک عشق مجازی سے دوسرے عشق حقیقی سے متعلق ہیں تیسرے اخلاقی۔

ہم یہ بحث کرنا نہیں چاہتے کہ کونسے معنی اصح اور قابل ترجیح ہیں مگر اتنی بات کہدینا کچھ نامناسب نہیں کہ جسقدر اہمیت تسلیم میں تسلیم کیجائیگی اُسیقدر قوت حیات جاودانی میں مسلّم ہوگی، مثلاً اہل اسلام کا عقیدہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فلسفۂ اسلام کا یہ مسئلہ ہے

کہ بزرگان اسلام سب کے سب تسلیم ورضا کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ حصے پر بھی عمل کرتے تھے تو انکو انکی حیات جاودانی میں صرف روحانی قوت نہیں ہے بلکہ جسم بھی اُنکے اختیار میں ہے جب چاہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں ایک سکنڈ میں تشریف لاتے ہیں اور جو انھیں دل سے یاد کرتا ہے اُسکی مصیبت کے وقت دستگیری کرتے ہیں، اور یہ شعر اُن پر اپنی پوری مطابقت کے ساتھ صادق آتا ہے۔

دوسرا لفظ اس شعر میں اگر کوئی بلیغ اور معنی خیز ہے تو وہ "غیب" ہے، غیب کے معانی یہ ہیں کہ کوئی شے یا واقعہ یا حالت جو عالم ظاہر میں یا خارج میں موجود نہو، جیسے جوہر، عقل، روح مطلق، اشیا ہیں اور واقعات ہیں وہ واقعۂ آیندہ جسکا کوئی اثر بھی ظاہر نہ ہو، اسوجہ سے عالم کے دو حصے کردیے گئے ہیں، عالم غیب اور عالم شہادۃ یہ دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہیں، غیب کا علم کلیتہً بدون تعلیم محال ہے، اور تعلیم سے جو علم عالم غیب کا ہو خواہ وہ کلی ہو یا جزئی اُسے علم لدنی کہتے ہیں۔

گو روح ونفس اور جان یہ سب اشیا ساکنان عالم غیب ہیں، ان کی تاثیرات وکیفیات اور مظاہر عالم شہادۃ میں ضرور ہیں اور جان کے اسباب عالم شہادۃ سے متعلق ہیں کیونکہ عناصر کی ترکیب مناسب سے جو جوہر یا جو قوت بعد ایک مدت مناسب کے جسم میں پیدا ہوتی ہے اُسکو عربی میں نفس، فارسی میں جان، اور ہندی میں جی کہتے ہیں، مگر جان بالذات ظاہر نہیں ہوتی اسوجہ سے اسکو عالم غیب ہی سے کہتے ہیں، شاعر نے اسی بات کو کہا ہے کہ یہ جان جو کہ صاحب تسلیم ورضا کو ملتی ہے عالم شہادت سے نہ ملیگی جسکے اسباب عناصر اور اُسکی مناسب ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ عالم غیب سے عنایت ہوگی، یعنی اُسکے اسباب عالم غیب کے اشیا ہوں گے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ عالم غیب کی ہر چیز

باقی اور غیر متغیر ہے اور عالم شہادۃ کی ہر چیز متغیر و فانی اور غیر مستقل ہے تو حیات دنیوی فانی ہے اور وہ جان جو کہ عناصر کی ترکیب سے پیدا ہو اور جسکے اسباب عالم شہادت میں سے ہیں غیر مستقل ہیں اسیوجہ سے جب عالم شہادۃ کے یہ اسباب (جان) فنا ہو جاتے ہیں تو جان بھی معدوم ہو جاتی ہے، مگر شاعر کہتا ہے کہ عاشق صاحب تسلیم و رضا کو وہ جان ملتی ہے جو بذات خود بھی عالم غیب کی ایک نعمت ہے اور اسباب بھی اُسکے وہیں کے ہیں البتہ اُسکی تاثیرات عالم شہادۃ میں ضرور ہونگی، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے جان کو جس صفت سے متصف کیا ہے وہ روح کے ہم معنی ہے، مگر لفظ "دیگر" سے روح منسوب نہیں ہو سکتی کیونکہ روح تو فنا نہیں ہوتی جان فنا ہو جاتی ہے، لہذا جان کا ہر مرتبہ نکلجانا اور پیدا ہو جانا محال عقلی نہیں ہے، اب رہا یہ امر کہ وہ کون سے اسباب غیب ہیں جو کہ جان کو ہر مرتبہ پیدا کر دیتے ہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ جب روح پر تصرف حاصل ہو تو اُسکے تمام اختیارات اور قوتوں اور خواہشوں سے کام لیا جا سکتا ہے جان میں اور اس سے زیادہ کیا ہوگا؟ کیا وہ عشاق جو تسلیم و رضا میں اپنی جان دیدیں حشرات الارض سے بھی بدتر ہیں، مگر ہاں جو عاشق نہیں ہے معشوق حقیقی کا نہ اپنی قوم یا مُلک یا تمام مخلوق کا بلکہ خود غرض ہے اور کُتے کی طرح صرف اپنا پیٹ بھر لینے کی فکر رکھتا ہے وہ حشرات الارض سے بھی کمتر ہے کہ جب مر جائیگا تو پھر نہ خود باقی رہیگا نہ اُسکا کوئی اثر، اور جب تک زندہ رہا جب بھی مُردوں سے بدتر رہا۔

مضمون تنقید کی مقدار ذہنی ختم ہو چلی اور معانی سے فرصت نہیں ہوئی شعر کے لطائف بالائے طاق۔

شعر میں صرف یہی نہیں کہ عشق کا مذاق اعلیٰ پیمانے پر ہے جسکے لیے شعرائے حال کو توجہ دلائی جاتی ہے بلکہ علاوہ عشق مطلق کے تمام اخلاقی و علمی اور ملکی ہمدردی کو یہ شعر فیضان

عام کی طرح محیط ہی، اس مضمون پر اگر یہ ایراد ہو کہ قوت تنقیدی نے اسکے معنوی احاطے کو وسیع کیا ہی تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ ہمارا یہ منشا نہیں ہی کہ شاعر نے نظم کے وقت ان تمام خیالات کو پیش نظر کر لیا تھا، بلکہ سب سے اعلےٰ مفہوم کو تجویز کر کے ایسے الفاظ کا اُسے لباس پنھا دیا کہ ترکیب مناسب اور الفاظ معنی خیز سے سیکڑوں معانی اور لطائف پیدا ہو گئے اور یہ شعر گوئی نہیں بلکہ جاں آفرینی ہے۔

اس مضمون کو اور شعرا نے بھی نظم کیا ہی مگر اُنھوں نے ایسے الفاظ اور یہ ترکیب نہیں اختیار کی اسوجہ سے صرف ایک ہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے قوت تنقیدی اُسمیں اتنی جانیں نہیں پیدا کر سکتی۔

غالب۔ ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے ۔۔۔ بے نیازی تری عادت ہی سہی

نظامی۔ مرا زندہ پندار چوں خویشتن ۔۔۔ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

اسی طرح اکثر اشعار اُردو فارسی میں ایسے ہیں جو اس شعر کے جسکی تنقید ہمنے کی ہر ایک جزو ہیں، مگر مولانا حافظ نے ایک شعر ایسا کہا ہی جسکا مفہوم نوعیت اور مرتبے میں اس شعر سے کم نہیں، گویا مغربی نے جس حسین کو اپنا تجویز کیا ہوا لباس دیا ہے اُسی کو شیرازی نے دوسرے لباس سے مزین کیا ہے۔

حافظ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۔۔۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ابوالعلاء، الناطق لکھنوی



گھر کی چڑیا

منشی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی جنکی ایک لطیف اور دلچسپ نظم درج ذیل کیجاتی ہی زبان اُردو کے اُن بہی خواہوں میں سے ہیں جنکے دل آویز مضامین نظم و نثر ہندوستان کے اُردو رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں، ہمارے الناظر کے قدیم معاون جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

ناظرین کو یہ معلوم کرکے غالباً بہت مسرت ہوگی کہ آپ بھی الناظر کے آنرئیل اسٹاف میں شامل کیے گئے ہیں، لہذا اب حضرات ناظرین و ناظرات کو آپکے بہترین کلام سے محظوظ ہونے کا اکثر موقع ملتا رہیگا، اور مجھے بھی آپ کی ذات سے ہر وقت مدد ملنے کی توقع ہے۔

اڈیٹر

او ننھی مُنی چڑیا تو رونقِ جہاں ہے — تو زینتِ شجر ہی، تو زینتِ مکاں ہے
او گلشنِ جہاں میں گلگشت کرنیوالی — دم اُلفتِ بشر کا ہر وقت بھرنیوالی
ہر سقف میں مکیں تو، ہر گھر ترا مکاں ہی — دیوار و در میں مسکن، پیڑونپہ آشیاں ہی
رہتی ہی تو گھروں میں، بستی ہی بستیوں میں — پرواز اوج پر ہی، رفتار پستیوں میں
او خوشنما پرندے! او میرے گھر کی رونق!! — ہی تیرا آشیانہ شاخِ شجر کی رونق
تو حُسن کی ہی پُتلی، کیا دلفریب ہے تو — اِن خوشنما پروں سے کیا جامہ زیب ہے تو
تیرے پرونپہ ہیں یہ نقش و نگار دلکش — باغ بدن میں آئی کیسی بہار دلکش
اس حُسن قدرتی پر یہ سادگی کا عالَم — تو بھولے پن کی گویا تصویر ہی مجسّم

رنگت پروں کی ہلکی، صورتیں دلربائی — اس حُسن پر متانت قدرت سے تو نے پائی

اعضا تمام تیرے جس طرح مختصر ہیں — یوں ہی ترے بدن پر تھوڑے سے بال و پر ہیں

وہ نرم نرم بازو، وہ رنگ ملگجا سا — وہ چونچ کالی کالی، وہ رنگ ہلکا پھُلکا

گو صنعتِ خدا کی خود بن گئی شہادت — تیرے ہر ایک پر سے ظاہر ہے شانِ قدرت

بلّی جو تجھکو پائے گردن تری مروڑے — صیّاد تاک میں ہے دیکھے تو پھر نہ چھوڑے

پیاسی وہ خون کی ہے، دشمن یہ جانکاہ ہے — بس اب خدا ہی حافظ تجھ بیزبان کا ہے

ہے اک پرند لیکن طرزِ وفا ہے تجھ میں — خُلقِ بشر کی خو بو بے انتہا ہے تجھ میں

سیرت ہے نیک تیری، صورت ہے پیاری پیاری — بچپن میں اپنی ماں کی تو تھی بہت دُلاری

ماں تیری تجھکو بیحد شفقت سے پالتی تھی — تیرے دہن میں دانے لا لا کے ڈالتی تھی

تو نے بھی سیکھ لی ہے شفقت وہ اپنی ماں سے — بچوں کا پیٹ بھرنا لا کر یہاں وہاں سے

ہمت ہے تیری عالی گو دھان پان ہے تو — کس تندہی سے بچوں پر مہربان ہے تو

ہوتے ہیں خواب میں ہم کرتی ہے ذکرِ رب تو — بہتر ہے آدمی کی خو سے کہیں تری خُو

تو اے حسین چڑیا! لیتی ہے جب بسیرا — اُس وقت کا ترانہ ہوتا ہے خوب تیرا

نغمے سنا سنا کر چوں چوں کے پیارے پیارے — آواز سے کیے ہیں قابو میں دل ہمارے

میرے مکاں میں اپنا تو آشیاں بنا لے — یہ گھر پڑا ہے جتنی تو چاہتی ہو جا لے

جانا نہ پھر یہاں سے دونگا میں آب و دانہ — ہر روز تاکہ تیرا سنتا رہوں ترانہ

امید ہے کہ کہنا محوی کا مان لے گی
الفت سے تو گھر اپنا اس گھر کو جان لے گی۔

محمد حسین۔ محوی۔ لکھنوی

کچھ اُردو کے بارے میں خیالات

جن اصحاب کو ملکی واقعات پر غور اور معلومات وسیع کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے اُن کی باخبر نگاہوں سے اُردو اور ناگری کے ناگوار قضیہ کی اہمیت پوشیدہ نہیں ہے، ہمیں اسوقت اس سلسلے کے کسی خاص امر سے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے لیکن یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ مسلمانوں کو اُردو کے ساتھ ایک خاص قسم کی دل بستگی ہے، خواہ یہ اسوجہ سے ہو کہ یہ زبان اُنھیں شاہان اسلام کے بابرکت عہد کی یادگار کے طور پر ورثتاً ملی ہے۔ یا اِس لئے کہ اُردو بذات خود اپنی متعدد خوبیوں کے بدولت اُنھیں اپنا فریفتہ بنائے ہوے ہے، ہم ذاتی طور پر برادران ہنود کی اُن مساعی جمیلہ کے اعتراف کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں جو وہ عملی طور پر اُردو کی بہتری کے لئے کیا کرتے ہیں، ماسوا اسکے ہم اپنے خیال کے مطابق اُنکی سرپرستی کا حقدار اُردو کو بوجہ احسن سمجھتے ہیں، مشکل سے کوئی انصاف پسند سنسکرت اور بھاشا کے اُن اثرات سے چشم پوشی کرنے کی جرأت کرے گا جو بالواسطہ و بلا واسطہ اُردو پر ساری رہ چکے ہیں اور اب بھی ہیں، گویا کہ عربی فارسی کی طرح سنسکرت کو بھی اُردو پر حق مادری حاصل ہے اس صورت میں وہ اصحاب ہنود کی ہمدردی و معاونت کی مستحق بہر صورت ہو سکتی ہے۔

ہندوستان میں متعدد مثالیں اُن روشن خیال ہندوؤں کی مل سکتی ہیں جو اُردو کی خدمت کے لئے ایک عرصہ سے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں، لیکن رونا تو اسبات کا ہے کہ مسلمان جو ہندوؤں کو اُردو کا مخالف بھی بتاتے ہیں اور اِس مخالفت کو بُرا بھی جانتے ہیں اس زبان کیلئے جسے وہ اپنا قومی ترکہ خیال کر رہے ہیں سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کچھ نہیں کرتے۔

ہم اس خیال کو نہایت مفر سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو کسی بارے میں جوش دلا کر اُنکے ادنے جذبات کو اُبھارا جائے ، کیونکہ اس سے ایک حد تک کام ضرور نکلتا ہو لیکن چونکہ جوش خود غیر مستقل اور ضد اور رقابت کا نتیجہ ہوتا ہو اس سبب سے سارے ولولے تھوڑے ہی دنوں میں سرد پڑ جاتے ہیں ، تاہم یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اُردو کے لئے اگرچہ ایک عرصہ سے اسی قسم کا جوش پھیلا ہُوا ہو لیکن عملی طور پر اس جوش سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا گیا ، عوام کو جانے دیجئے وہ اس نازک مسئلہ کے سمجھنے سے یُوں ہی قاصر ہیں خواص نے بھی لفظی ہمدردی کے سوا اور اب تک کیا کیا ہو -

ناگری پرچارنی سبھا کو وجود میں آئے ہوے ابھی کتنے دن ہوے مگر وہ اس ننھی سی عمر میں بھی آپ کو اپنے بیش قیمت کارناموں اور اپنے ممبروں کے ایثار نفس کی دلچسپ کیفیت سُنا سکتی ہے ، ہم اُسکے کاموں کو نگاہ حسد سے دیکھنا اخلاقی حیثیت سے گناہ کبیرہ جانتے ہیں ، لیکن امتثالِ امر کے طور پر اگر اُن کا مقابلہ مُسلمانوں کے ان کاموں سے کیا جائے جو اُنھوں نے اُردو کی خاطر کرنے چاہے تھے لیکن کسی وجہ سے پورے نہیں ہُو سکے تو شرم و حجاب سے سر جُھکا لینے کے سوا اور کیا چارہ ہوگا -

علیگڈھ میں انجمن ترقی اُردو قائم ہوئی جسکو مولانا شبلی ایسے ذی فضل انشا پرداز کی سکریٹری شپ کا امتیاز حاصل تھا ، حیدرآباد میں انجمن اُردو قائم ہوئی جسے سنتے ہیں کہ حضور نظام اور دیگر امرائے دکن کی سرپرستی کا فخر عطا ہوا ، قلمی معاونین میں مولوی عبدالحق صاحب ایسے اہل قلم بزرگوں کے نام نامی حوصلہ افزائی کا یقین دلاتے تھے لیکن کئی سال کی مدت چُپ چپاتے گذر گئی اور اخباروں میں اِن انجمنوں کے ابتدائی اشتہار کے علاوہ پھر کچھ نہ دیکھا ، کہ کیا ہوئیں یا کیا کر رہی ہیں ، علیگڈھ کی انجمن مولوی شبلی کے بعد مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کی نگرانی میں آئی اور اب سنتے ہیں کہ مولوی عزیز مرزا صاحب ایسے سرمایۂ ناز بزرگ کے ظل عاطفت میں اُسے پناہ ملی ہے ،

مولوی صاحب ممدوح عملی آدمی ہیں، آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری کی حیثیت سے لکھنو ایسے مقام میں جو اُردو زبان کا مسلمہ مرکز ہو فروکش ہیں، ممکن ہو کہ علیگڈھ کی آب و ہوا سے باہر ہو کر اب شاید انجمن ترقی اُردو اپنی کچھ کارگذاریاں دکھلاسکے، لیکن تاوقتیکہ اسکا تشفی بخش ثبوت ہم نہ پہونچے اطمینان کی صورت نہیں نکل سکتی۔

شیخ عبدالقادر بی۔ اے۔ اڈیٹر مخزن ایسے واقف کار اور وسیع النظر اصحاب کے ہاتھوں اُردو کی بہتری کی اصولی تدابیر ممکن تہیں لیکن افسوس ہو کہ آپ نے صرف اُردو سبھا کا خاکہ کھینچکر پھر ایسی خاموشی اختیار کی کہ تمام ملک آجتک متعجب ہے۔

بدایوں کی آل انڈیا اُردو کانفرنس قریب قریب اُنھیں اصول پر قائم کی گئی ہے جنپر اُردو سبھا کی عمارت کھڑی کیجانے والی تھی، کانفرنس میں ہندو ممبروں کی شرکت نہایت مفید چیز ہو اس سے نہ صرف اُردو کو نفع پہونچنے کی صورت پیدا ہوتی ہو بلکہ ہندوؤں پر اُردو کی عام مخالفت کا الزام قطعاً رد ہو جاتا ہو اور اس طرح باہمی میل جول اور ہمدردی کے سہل الحصول ذرائع ہاتھ آسکتے ہیں۔

ان بڑی بڑی انجمنوں سے قطع نظر کرکے دیکھیئے تو مقامی مجالس حامی اُردو کی تفصیل بہت زیادہ نظر آئے گی لیکن کام صفر، ایسی حالت میں اُردو کی بہتری کی امید خاک ہوسکتی ہو۔

اس جگہ یہ سوال قائم ہوسکتا ہو کہ نفس الامر میں اُردو کی ترقی کے لیے کوشش ضرور ہو یا نہیں، جو لوگ زبان کو ملکی اتفاق و ہمدردی کا آسان راستہ سمجھ چکے ہیں وہ اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتے، اس ضرورت کے تسلیم کرنے کے بعد اہم کام یہ رہجاتا ہو کہ آیا کون سے طریقے مفید مطلب ہوسکتے ہیں، اسکا جواب بھی معمولی ہو کہ تصنیف و تالیف و تراجم کے ذریعہ سے اُردو کے خزانہ کو مالامال کرنا چاہئے، لیکن اس اہم مقصد کی تکمیل آسان نہیں اسکے لیئے اُردو سبھا ایسے آرگنیزیشن کی ضرورت ہوگی، نام سے کوئی غرض نہیں اُردو سبھا نہ سہی انجمن ترقی اُردو سہی کام

ہونا چاہیے، لیکن کام نہایت وسیع پیمانے پر ہو، موجودہ رفتار ضرورت کے لحاظ سے بالکل غیر مکتفی ہے، اس مشن کو پورا کرنے کے لئے ایک مرکزی ایسوسی ایشن کا قیام بہت سود مند ہوگا اسکے چلانیوالے ایسے ہوں جو صرف ترقی اُردو کے مسئلے سے دلچسپی لیں اور سمجھ رکھیں کہ اِسکے سوا دُنیا میں اُنھیں اور کام نہیں ہے۔

انجمن کی طرف سے ملک کے ہر حصہ میں فراہمی چندہ کی غرض سے وفد روانہ کیے جائیں وہ حامیان اُردو سے مالی امداد حاصل کرنیکے علاوہ اُن لوگوں کا پتہ بھی چلائیں، جو باوجود اپنے علم و فضل کے تقدیر کے ہاتھوں ذلت کے ساتھ زندگی کاٹ رہے ہیں، ایسے لوگ کھوج لگانے سے ہندوستان میں بہت نکلیں گے اور اِن سے انجمن کو بیش قرار فائدہ پہونچ سکتا ہے، اور اُن کی خدمات بہت قلیل رقمی معاوضہ کے ذریعہ سے مل سکتی ہیں۔

انجمن کو اپنے اخراجات کیلئے ایک کثیر فنڈ درکار ہوگا تاکہ وہ ملک کے انشا پردازوں کی خدمت اس طرح کرسکے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے دوسرے شغل میں مصروف نہوں اور ذاتی افکار سے علٰحدہ ہو کر ملک کو اپنی دماغی و ذہنی قابلیت کے نتائج سے بہرہ اندوز کرتے رہیں۔ یورپ و امریکہ میں آدمی اخباروں و رسالوں میں مضامین لکھکر معقول آمدنی پیدا کرسکتا ہے۔ مالکانِ مطابع صاحبان تصانیف کو سیکڑوں اور ہزاروں پونڈ حق الخدمت دیتے ہیں اور وہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل کا سلسلہ تا زندگی جاری رکھتے ہیں، ہندوستان میں بھی بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو اپنی عمر علمی کاموں میں صرف کردینے کو آمادہ ہیں لیکن سہ

چہ خورد بامداد فرزندم

کے مصداق خانگی جھگڑے اور دنیاوی مصیبتیں اُنھیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتیں کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے شغل کو جاری رکھ سکیں اور وہ بہ مجبوری ملازمت کے پھندے میں

میں پھنس کر اپنے دلولوں کا خون کر ڈالتے ہیں، اگر انجمن اُردو اس قسم کے لوگوں کو فکروں کے دام سے نجات دلا کر انھیں تفکرات دنیاوی سے فارغ البال کر دینے کا سامان مہیا کرے تو ملک میں بہت جلد قابل ہموطنوں کا ایک کار آمد گروہ پیدا ہو سکتا ہے۔

جو لوگ کام نہیں کرتے اور زبان سے اردو کا نوحہ سنایا کرتے ہیں اُنھیں اب ادائے فرض کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے، اس وجہ سے نہیں کہ ناگری کے مقابلہ میں اُردو کی فتح رہے، یا ہندوؤں کی نامنہاد مخالفت اُسے گزند نہ پہونچا سکے بلکہ اس لیئے کہ اُن کی ملکی زبان ادبی و علمی جواہرات کے خزانوں سے مالامال ہو جائے اور اُسے معاصر زبانوں کے دربار میں شہ نشین پر جگہ مل سکے،

کسی ملک کا علم ادب اُسکے تہذیب و تمدن کے لئے آئینہ کا حکم رکھتا ہے، جب ہماری زبان ترقی یافتہ ہوگی تو تمام ملک کا ترقی یافتہ ہو جانا لازمی امر ہے۔

راقم سید محمد فاروق

غزل

زفضائے باغ و بستاں چہ بگوید او خبرہا مُرغے کہ در اسیری بر کرد بال و پرہا

ایں مشو ستمگر! کا ہم اثر نہ دارد سیداں یقیں کہ روزے پیدا کند اثرہا

دلِ نازکش مبادا، ز و سوز شے پذیرد مدہ آہ آتشیں را یارب چنیں اثرہا

بخدا کہ جلوۂ او بگرفت عالمے را دلِ بے خبر اخدارا، کن چارسو نظرہا

بوے صبا! ز زلفش بمشامِ عاشقاں بر برساں صبا ز کویش بر بیدلاں خبرہا

بہ نگاہ شرم آگیں خوں کردۂ جہانے گر باودت نباشد، اینک دل و جگرہا

فہمی غمے نہ دارد ز درازی و ز ظلمت شبہائے ہجر را م روزے بود سحرہا

دیانت حسین فہمی صدیقی،

کلامِ نادر

جی بھر آیا پچھلا سامانِ اسیری دیکھکر
رُو دیا میں اپنا زنداں خالی دیکھکر

رحم آجائے گا اُنکو شکل میری دیکھکر
میری حالت دیکھکر میری غریبی دیکھکر

ساحلِ جو لانگہِ امواج پر شکلِ حباب
دم بخود بیٹھا ہوا ہوں اپنی ہستی دیکھکر

مفت بھی خواہاں نہیں وہ دلکے، کیونکر آدمی؟
بیضرورت چیز لے لیتا ہے سستی دیکھکر

اب کہاں وہ نوجوانی اور کہاں جذباتِ عشق
پیار بھی آتا نہیں اب شکل پیاری دیکھکر

دشتِ غربت سے چلا ناحق میں بستی کیطرف
کون پوچھیگا مجھے میری غریبی دیکھکر

لاکھ میں اُنکو بھلاتا، ضبط کرتا ہوں مگر
دل بھر آتا ہے پہلو اپنا خالی دیکھکر

کھنچگیا نقشہ نظر میں ہستیِ موہوم کا
بنگیا تصویر میں تصویر اپنی دیکھکر

عشق کا نادر کہاں سے تُو لگا لایا یہ روگ
رونا آتا ہے ہمیں تیری جوانی دیکھکر

"رباعی"

مانا نغمہ مرا خوش آیند نہیں
اور پردگیانِ عشق خورسند نہیں

لیکن یہ خروشِ دل ہے یہ ہیں جذبات
جذبات کبھی ادب کے پابند نہیں

از نادر کاکوروی

ماہیتِ شکر

ماہرین حقائق اشیا و متلاشیان اسرار کبریا نے کیفیتِ شکر کی اصلیت کے دریافت کرنے میں بہت تگ و دو کی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے قوائے عقلی و بساط کے موافق کچھ نہ کچھ علمی معلومات میں اضافہ بھی کیا ہے، مگر ذیل کی رائے کے تقابل میں جب اور رائیں پیش کیجاتی ہیں تو معیارِ عقل پر پوری نہیں اُترتیں اسلیئے اُنکا ذکر عبث ہے۔

جہاں اور قواعد حقیقت دریافت کرنے کے متعلق مستنبط کیئے گئے ہیں یہ بھی ضابطہ مانا گیا ہے کہ جب کسی شئی کی ماہیت دریافت کرنیمیں مشکلات حائل ہوں تو اُسکے تحلیل کرنے سے اجزا معلوم ہوجاتے ہیں گو یہ قاعدہ اشیاء خارجی کیلیئے ایجاد کیا گیا ہے لیکن جب شکر کی ماہیت معلوم کرنیکے لیئے اسکو بھی خارج میں فرض کرکے تحلیل کرتے ہیں تو اُسکے تین اجزا (جو فی الحقیقت اسکے عنصر ہیں) نکلتے ہیں، علم، حال، عمل۔

علم نسبت اپنے متقابلین کے زیادہ اہم ہے بلکہ باعتبار اضافتِ حدوثی ترتیباً ایک دوسرے کی فرع ہیں، اسلیئے کہ علم کے بعد حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے بعد عمل۔

"علمِ شکر" خدا کی نعمتوں کو اس طرح سے پہچاننے کا نام ہے کہ انکا مبدأ ذات واجب ہے، اور اُسی کے فیضان سے یہ ہم تک پہونچی ہیں۔

حال سے مراد دل کا وہ سُرور ہے جو نعمتوں کے ملنے پر حاصل ہوتا ہے۔

عمل سے مقصود یہ ہے کہ شکر کا مصرف وہی قرار دیا جائے جسے فیاض ازل نے پسند کیا ہو۔

علم شکر میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ منعم علیہ کو حصول نعمت کے ساتھ اس سے بھی واقف

ہونے کی ضرورت ہی کہ نعمت محصلہ حقیقت میں فیاض ازل کی دی ہوئی ہی اور کسی دوسرے کو اسمیں کسی قسم کا دخل نہیں ہی، تم کہوگے باران رحمت کیلئے ابر، رزق کیلئے کشت زار حصول منافع کیلئے علم تجربات حسیات اور علم کیلئے علما و فضلا، مال و دولت کیلئے خداوندان نعمت وجاہ مصدر فیض شمار کئے جاتے ہیں ۔ انسان کو جن جن چیزوں کی تمدن و معاشرت میں احتیاج ہی گو وہ سب خدا کے نادیدہ ہاتھوں سے ہمکو عطا کیجاتی ہوں لیکن ہمارا حس ہمپر اذعانی طور پر ثابت کر رہا ہی کہ انکے معطی اور ہمارے حوائج کے بالاستیعاب پورے کرنیوالے یہی خارجی اسباب ہیں جنکو ہم حواس خمسۂ ظاہری سے محسوس کرتے ہیں اور جو ذوق سلیم اور فہم مستقیم رکھتے ہیں وہ ان شاہدات کا انکار نہیں کر سکتے ، یہ اعتراض کچھ غور کرنیکے بعد اٹھ جاتا ہی، کیونکہ علم معانی میں فصل اسناد میں جہاں اور مسائل حقیقت و مجاز کے متعلق بتلائے گئے ہیں یہ قاعدہ بھی ذکر کیا ہی کہ مجاز و حقیقت کی تمیز دو طریقوں سے ہو سکتی ہے ۔

(۱) ظاہری کلام کو قائل کے اعتقاد سے کیا نسبت ہی، (۲) قرین قیاس کیا ہے ۔

اگر قائل ظاہری کلام کو مانتا ہی تو اُس کلام کی حقیقت وہی مفہوم ہی اور اگر وہ کسی اور چیز کا معتقد ہے لیکن کلام میں تاثیر کی نسبت اور اشیاء کے ساتھ کر رہا ہی تو مجاز ہے اسی طرح قرین قیاس جو امر ہو حقیقت و مجاز سے اختیار کیا جاتا ہی، اسی بناء پر کہا جاتا ہی کہ ایک فلسفی یا دہریہ کا یہ کہنا کہ سبزہ کو مینھ اُگاتا ہی یا پھلوں میں آفتاب کی وجہ سے پختگی اور قمر کی روشنی سے رنگت آتی ہے حقیقت ہی، اور کسی وحدت آشنا کا یہ مقولہ کہ گردش زمانہ نے ستا رکھا ہی" مجاز ہے، کیونکہ وہ مؤثر حقیقی خالق برحق کو جانتا ہی شعراء و فصحاء اپنے کلام میں زمانہ یا فلک کی شکایت کی ہی مگر اصل یہ ہی کہ انکے کلام کی رونق کو یہی مجازات دوبالا کر رہے ہیں ۔ علامہ یوسف بن ابی بکر سکاکی معتزلی المتوفی ۶۲۶ھ نے مجاز عقلی اور استعارہ بالکنایہ میں فرق نہیں کیا ہی وہ استعارہ بالکنایہ کی تعریف میں رقم طراز ہے استعارہ بالکنایہ اوس استعارہ کلام ہی جسمیں صرف مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ قرینۂ قیاس نسے دریافت کیا

جائے اور جسقدر مشبہ بہ کے لوازمات ہوں وہ مشبہ کیلئے ثابت کئے جائیں،، مجاز میں بعینہٖ یہی حالت
ہوتی ہے اس لئے سکاکی اس قول کو "فصل ربیع نے گھاس اُگائی ہے" استعارہ بالکنایہ لکھتا ہے،
خالق برحق اور اثبات فعل میں ربیع ایک صریحی واسطہ ہے جسکی جانب ترک تسلسل اور خوبی لطافت
کیوجہ سے کلام منسوب کردیا جاتا ہے لیکن کوتاہ بین خیال کرتے ہیں کہ یہ سارے کرشمے انہیں حسیات کے ہیں۔

علم شکر میں بھی منعم علیہ کے فوائد کا لحاظ ہوتا ہے اور اسی بنا پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اگر منعم علیہ کو کوئی
نعمت کسی وسیلہ سے حاصل ہوا اور اسکا اذعان غالب اسکا مقتضی ہو کہ اس حصول انعام میں کسی شخص
کی مساعی جمیلہ نے بھی حصہ لیا ہے تو اُسکا شکر خالص معطی کے لئے نہیں ہو سکتا، تفصیل اس اجمال کی
یہ ہے کہ فرض کرو زید کو کسی امیر نے خلعت دیا مگر زید خیال کرتا ہے کہ یہ خلعت امیر نے خود بخود مجھے
عنایت نہیں کیا ہے بلکہ وزیر کی مساعی جمیلہ صورت مرام کو جلوہ گاہ کامیابی میں لانیکی باعث ہوئی ہے،
پھر اگر زید حصول خلعت کا شکریہ ادا کرے تو وہ شکر صرف امیر کے لئے نہیں ہو سکتا بلکہ مشترکہ طور سے وزیر
اور امیر دونوں کے لئے ہوگا اور اگر بادشاہ اپنے حکم سے بذریعہ فرمان زید کو کچھ دلوائے تو زید کا شکریہ
بادشاہ کیلئے ہی پورا شکر ہوگا۔

بادی النظر میں دونوں مثالیں ایک درخت کی دو شاخیں معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت
دونوں جدا جدا ہیں صورت اول میں وزیر حصول خلعت کا ذریعہ تھا، اور دوسری نظیر میں بادشاہ کا زبانی
یا تحریری حکم یا خزانچی کامیابی کے ذرائع ہیں مگر اس خلعت کے وسیلہ بننے میں اُنکا وہ رتبہ نہیں ہے جو
صورت اول میں وزیر کو ہے کیونکہ قلم دوات کاغذ خازن تابع ہیں، خلعت مرحمت ہونیکے لئے سفارش
کرنیوالے، قلم بغیر کاتب کی تحریر کے حرکت نہیں کر سکتا خزانچی بلا اجازت پیسہ نہیں دے سکتا
خدا کی کارسازیوں کی کیفیت اس مثال سے جداگانہ نہیں ہے بلکہ دونوں کی تشابہ صوری نے
تمیز کی تکلیف وہ قید کو اُٹھا دیا ہے، مزید براں یہاں نظر آتا ہے کہ شاہان ذوی الاقتدار بھی خازن کی

طرح ہیں اصل منعم حقیقی منعم ہے۔

چونکہ ان مجازات کی ناواقفیت نے شکر کی حقیقت پہچاننے سے دور کر دیا ہے اور یہ خیال روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے کہ جن علل کو ہم بذریعہ حس مؤثر خیال کرتے ہیں وہ ہی اس بزمگاہ نظام عالم کے کارکن ہیں، اس لئے ذیل میں اسکا بھی انکشاف کر دیا جاتا ہے کہ دنیا میں ایک کو دوسرے سے جو نفع پہنچتا ہے اوسمیں نافع کون ہے اور مستحق شکر کون سی ذات ہوسکتی ہے۔

جب کوئی شخص کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو بظاہر اگرچہ معطی ایک خارجی ہے لیکن اوسکا حقیقی معطی فیاض ازل ہے اور یہ شخص موکل کیطرح ہے، یعنی اُس عطیہ میں اُس آدمی کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اسلئے کہ اگر وہ مختار فرض کر لیا جائے تو اُس سے چشم عطا رکھنا خلاف عقل ہے کیونکہ سخاوت میں مال اندوختہ ضائع ہوتا ہے اور ہر ذی فہم بلکہ نادان بھی اپنے نقصان کی دیدہ و دانستہ جرأت نہیں کر سکتا اور یہ بھی مقدمہ ہے کہ جو شخص اپنا ضرر کسی حالت میں بخوشی منظور نہیں کر سکتا ہے اُس سے کسی شے کے حصول کی تمنا بھی رکھنی فضول ہے۔ اور چونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر ایک شخص کا فیضان جاری ہے اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس پردہ میں کوئی اور ذات اپنی حیرت انگیز صناعیوں سے اس نگارخانہ کو زینت دے رہی ہے اور جن اسباب کو ہم بظاہر فیاض تصور کرتے ہیں وہ صرف وسیلہ ہیں پس معلوم ہوا کہ فیاض ظاہری کے دل میں قدرتی طور سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ سخاوت حصول مقاصد کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

صوفیۂ صافیہ کی اصطلاح میں نعمت کی خوشی حاصل کرنیکا نام حال ہے اور یہ خوشی تین قسم کی ہوتی ہے، اول وہ خوشی ہے جو کسی ضرورتمند کو کوئی چیز حاصل ہونیکے بعد ہوا کرتی ہے کہ اگر نا امیدی میں بھی کامیاب ہوتا تو اسیقدر خوشی ہوتی، دوسری وہ خوشی ہے جو کسی غیر ضرورتمند کو کسی ذی قدر سے نئی چیز دستیاب ہو اور وہ خوش ہو کر یہ ثابت کرنا چاہے کہ معطی ہمسے راضی ہے اور آیندہ بھی ہم اُسکی عنایت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، تیسری وہ مسرت ہے جو کسی غیر حاجتمند کو کسی چیز کے حاصل ہونے میں ہو کہ وہ

اظہار مسرت تو کرے مگر آئندہ منعم سے کسی اور شے کے حاصل کرنیکا امیدوار نہ رہے۔

پہلی خوشی شکر نہیں ہے اسلیئے کہ اظہار شادمانی کا سبب حصول شے ہوا، دوسری مسرت شکر ناقص ہے کیونکہ وہ اس خوشی کے ساتھ اور بھی مطالب کے حصول کی خواہش رکھتا ہے، تیسری خوشی صرف ذات منعم کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ منعم علیہ کی خوشی نہ حصول تمنا پر ہے نہ امید عنایت کے لئے بلکہ اپنے منعم کی خوشنودی درکار ہے، اور اسی خوشی کا نام کمال شکر ہے۔

اب اس مسئلۂ شکر کو غیر شکر کے مقابلہ میں اور کارخانہ قدرت کے اجزا سے ملحق کر کے تمیز کر لو، شکر کو حال کے بعض اقسام سے تعلق ہے لیکن چونکہ عام خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور کلی جزئی کے تحت میں ہوتی ہے اسی مناسبت سے مطلق حال کو حقیقت شکر میں داخل کر دیا ہے اسکے بعد عمل کا مرتبہ ہے کہ جسپر عمل کرنیوالا صوفی منش اور پابند شریعت ہو جاتا ہے۔

ملا حسین کاشفی نے اخلاق محسنی اور امام غزالی رحمۃ اللہ نے کیمیائے سعادت میں عمل کی تصریح کی ہے کہ شکر جوارح اور قلب اور اعضا سے ہوتا ہے، دل کا شکر یہ ہے کہ منعم حقیقی کو پہچانے زبان کا شکر الحمد للہ کہنا ہے، جوارح کا شکر یہ ہے کہ وہ انہیں کاموں میں مصروف کیئے جائیں جنکے لیئے صانع حقیقی نے انکو مخصوص کر دیا ہے چنانچہ آنکھ کی اطاعت حوادثات زمانہ سے عبرت حاصل کرنا، اور علما و صلحا کو عزت اور غربا و ضعفا کو شفقت کی نظر سے دیکھنا ہے اور مناظر قدرت پر محققانہ نگاہ ڈال کر توحید باری کو تسلیم کرنا، قرآن شریف احادیث اور اکابرین کے قصص اور وعظ و نصائح کو سننا، کان کا شکر ہے، ہاتھ کا شکر یہ ہے کہ محتاجوں پر احسان اور کرم کرے، اور پاؤں کا شکر معابد و مزارات فقرا و درویشان بے طمع کی زیارت اور حصول علم کیلئے مختلف بلاد کی سیاحت کرنا ہے،

شکر دو سبب سے کیا جاتا ہے (۱) نعمت عظمیٰ کی دوامی پر (۲) حصول زیادتی کیلئے، دوام نعمت پر شکر اس لیے کہ شکر سے نعمت باقی رہتی ہے اور شکر نہ کرنیسے خدا کی نعمتیں

کم ہو جاتی ہیں بلکہ بقولے آیۂ کریمہ "فکفرت[1] بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانو یصنعون" تمام نعمتیں اُس سے واپس لے لیجاتی ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نعمت وحشی جانور کے مانند ہے جب وہ رہائی پاتا ہے تو صحرا میں چلا جاتا ہے اور جب تک بقید رکھا جاتا ہے تو قبضہ میں رہتا ہے ایسے ہی نعمت ہے تم اُسے شکر کی زنجیروں میں جکڑ دو۔

اگر نعمت درخت تصور کیا جائے اور شکر پانی تو دوام نعمت اور ازدیاد نعمت کی تمثیل بہت مدد ملتی ہے کیونکہ پانی دینے سے درخت بار آور ہوتا ہے اور شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے

امام غزالی رح نے شجر نعمت کو دو فرعوں پر تقسیم کیا ہے نعمت دنیوی، نعمت دینی اور اسی طرح ان دونوں کے فروع بھی بتائے ہیں۔



نعمت نفع کے یہ معنی ہیں کہ مصالح اور منافع میں کامیابی ہو خواہ وہ عافیت و سلامتی سے متعلق ہو یا اسباب شرب و اکل و مناکحت وغیرہ سے۔

نعمت دفع وہ نعمت ہے جس میں مفاسد اور ضرر رساں اشیاء سے حفاظت مقصود ہو۔

نعمت توفیق اُس توفیق کا نام ہے جو اللہ تعالی نے اسلام اور اتباع سنت اور اطاعت کیلئے یکے بعد دیگرے عطا فرمائی ہے۔

نعمت عصمت سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالی گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عباد کو محفوظ رکھے،

[1] ترجمہ: ناشکری کی انھوں نے خدا کی نعمتوں کی پس چکھایا اللہ تعالیٰ نے انھیں عذاب بھوک اور خوف کا اُس کے عوض میں جو کچھ وہ انھوں نے کیا تھا۔

مَالَابُدَّ مِنْہُ لِلشَّاعِرْ

فی زماننا شاعری کی دنیا اس قدر وسیع ہورہی ہو کہ ہر گلی کوچہ مین "دمن شاعرم شاعرم" کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہو ، اثرے تو بڑے ہی ہین بچونکے سر ذہین بھی اسکا سودا بیطرح سمایا ہوا ہو ، کل کی بات ہو کہ مدرسے کی گلیون مین بغلون مین کتابین دبائے دوڑے پھرتے تھے ابھی ابھی سن بلوغ کی نشاط افزا سرحد مین قدم رکھا ہو ، اور آج دیکھئے تو شاعری کی گئی منزلین طے کرچکے ، اتنا ہی نہین بلکہ کہنہ مشقی ، قادر الکلامی ، اوراُستادی کے وساوس دلونمین پیدا ہوگئے

مجھے اسوقت اس سے بحث نہین کہ اسطرح کی شاعری اور یہ خبط ، اخلاق اور آیندہ حسنِ معاشرت کے لیے کہان تک مضر ہو ، مگر جب اُن نواسیران دام شاعری کی طرف مین اونکا ہمراز و دمساز ہوکر دیکھتا ہون تو اونھین اوس راہرو کا ثانی پاتا ہون جو ایک لق و دق چٹیل میدان مین قدم مارتا چلا جارہا ہے مگر اوس بیچارے کو یہ خبر نہین ہے کہ مین کہان جارہا ہون ، اور مجھے کہان تک جانا ہے ، نہ کوئی دستگیر ہے نہ کوئی رہنما ہے ، اتنا ہی نہین بلکہ ایک قسم کی بیخودی بھی طاری ہے جس کی وجہ سے اُس بیچارے کو ٹھوکرون کے صدمات کا احساس وادراک بھی باقی نہین ، آہ یہ تنہائی ، اور اتنے دور دراز کا سفر ! یہ بیکسی ، اوران دشوار گزار گھاٹیون کی سیر ! اللہ ! اللہ !!

پیارے ناظرین ! ایک زمانہ وہ تھا کہ مین بھی انھین ازخود رفتگان کی طرح انھین خطرناک جنگلون مین سرگردان مارا پھرتا تھا کہ یکایک "آیَدْ نَاکْ بُوْ وِجہِ الْفُدَامِیْ" کی صدا گوش دل مین پہونچی ، اور تائید غیبی نے عین وقت پر مدد فرمائی ، پھر کیا تھا طبع سلیم جو ایک فطری شے ہے ، چونک اٹھی ، سر سے وہ ازخود رفتگی کا سودا جاتا رہا ، ہوش آیا ، اور مین رک گیا ، سوچنے لگا ، کہ آئین ! مین کہان ہون ؟ اور کہان جارہا ہون ! یہ تو ایک نہایت وحشتناک ...

جنگل ہی۔ اور میری منزلِ مقصود تو وہ جگہ ہے جسکی فضا غیرت بخش گلشنِ ارم ہی، ادھر اُدھر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی راہنما بھی ساتھ نہین، یا اللہ! کیا کرون، کسکو پکارون، بس دل تھام کر بیٹھ گیا،

کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے ہوے، آنکھین کھلین، جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور تحصیل فن کے لیے کمر ہمت پست باندھی، اور بہمہ تن مستعد ہو گیا فن شاعری کے متعلق عربی، فارسی، اُردو کی جتنی کتابین نہین بالاستیعاب دیکھ گیا ماہرین فن سے استفادہ و استفاضہ کا موقع حاصل کیا، ناواقفانِ فن کو جس امر کے سبب ٹھوکرین کھاتے دیکھا فوراً اوس امر سے خود بچ گیا، جسکا شاہد عادل میرا یہ شعر ہی۔

ہم نے ان کی ہی روش دیکھکے عبرت پکڑی گمرہون نے ہمین تبلائی ہے منزل کیسی

اب جب مین اس خوان پرالوان سے پوری طرح سیر ہو چکا، اور ابھی تک اس سے بہت کچھ لذتین اوٹھا رہا ہون، تو حمیت سے بعید اور مروّت سے کوسون دور ہی کہ تنہا خورون کیطرح اورون کو اس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہونے کا موقع ندون، اس لیے پہلے تو ایک مطوّل کتاب کی بنیاد ڈالی، جسمین علم عروض، قوافی، صنایع وبدایع، نکاتِ مشکلۂ علم ادب، اغلاط العوام وغیرہ کا میری وسعت استعداد بھر پوری طرح بیان ہوگا (انشاء اللہ تعالیٰ) چنانچہ یہ کتاب نصف تک پہونچ چکی ہی، باقی زیر تحریر ہی لیکن اتنی دیر بھی مجھے گوارا نہین۔

تا تو بمن میرسی من بخدا میرسم

جب تک میری کتاب تمام ہو کر شایع ہوگی، کتنونکی کوششون کا خون ہو جائیگا، اور اتنی مدت مین کتنے اوس وحشتناک وادی مین بے یار و آشنا تن تنہا مر جائینگے، اسلئے اپنی اوس کتاب کے مسوّدے ہی سے بعض فوائد منتخب کر کے ہدیہ ناظرین کرتا ہون، امید ہی کہ مبتدیون کے لیے

باعثِ بصیرت ہو اور منتہیون کے لیۓ موجب مسرت، صاحبان بینش سے امید ہی کہ محنت کی داد دینگے، اور معائب سی چشم پوشی فرماکر اصلاح کی کوشش فرمائینگے اور ہدف طعن وتشنیع نفرمائینگے

فداۓ ہمتِ آن ناظرین باکرمم   کہ یک صواب بہبیند وصد خطا پوشند

منتخب از "مُقَدَّمَہٗ اُوْلیٰ" کہ دربیان علم "عَرُوْض" است

واضح ہو کہ عروض بالفتح[1] ایک نہایت دلکش علم ہی جس سے شعرون کی بحرین دریافت کی جاتی ہین اور شعرون کی موزون اور ناموزون ہونیکا پتا چلتا ہی، وجہ تسمیہ اس مختصر منتخب کر لیۓ اتنا ہی کافی ہی کہ یہ علم خاص مکۂ معظمہ مین خلیل ابن احمد رحمۃ اللہ پر الہام ہوا تھا اور اسماے متبرکۂ مکہ معظمہ مین سے ایک نام عروض بالفتح بھی ہی اس لیے یہ علم تبرکًا اور تیمنًا اسی نام اقدس سے نامزد کیا گیا۔

باب اول اس باب مین اجزا اور ارکان کا ذکر اور مجمل طور پر بحرون کا بیان ہی۔

فصل اول دربیان اجزا۔ اور یہ تین ہین۔ سبب[1]۔ وتد[2]۔ فاصلہ[3]۔

سبب

(سبب خفیف)	(سبب متوسط)	(سبب ثقیل)
اوس دوحرفی لفظ کو کہتے ہین جس کا پہلا حرف متحرک ہو اور دوسرا ساکن جیسے	وہ سہ حرفی لفظ جسکا صرف پہلا حرف متحرک ہو اور دوسرا اور تیسرا حرف ساکن جیسے	اوس دوحرفی لفظ کو کہتے ہین جسکے دونون حروف متحرک ہون جیسے
دَرْ۔ سَرْ۔ زَرْ۔ خَرْ۔ وغیرہ	کام۔ شام۔ نام۔ دام وغیرہ	ہمہ[2]۔ دِرِہ۔ شدہ۔ وغیرہ

[1] عروض بالضم جیسا کہ عام مین مشہور ہی غلط ہی۔   [2] واضح رہی کہ ہاۓ مختفیہ علم عروض مین کوئی حرف مستقل کر طور پر معتبر نہین ہی بلکہ وہ حرکت سمجھی جاتی ہی اسکا مفصل بیان آیندہ کسی فصل مین آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

وتد

(وتد مجموع)

اوس سہ حرفی لفظ کو کہتے ہین جس کا پہلا اور دوسرا حرف متحرک ہو اور صرف تیسرا حرف ساکن

جیسے

چمن، سمن، ثمر، اثر، وغیرہ

(وتد کثرت)

اوس چار حرفی لفظ کو کہتے ہین جس کے پہلے اور دوسرے حروف متحرک ہون۔ اور تیسرے اور چوتھے حروف ساکن

جیسے

خمار، بہار، کمال، جمال، وغیرہ

(وتد مفروق)

وہ سہ حرفی لفظ جس کے اول و آخر حروف متحرک ہون اور حرف اوسط ساکن ہو۔

جیسے

نامہ، خامہ[1]، لالہ، ژالہ، وغیرہ

فاصلہ

(فاصلہ صُغرے)

وہ چار حرفی لفظ جس کے پہلے، دوسرے، تیسرے، حروف متحرک ہون اور صرف حرف آخر ساکن ہو جیسے صنما، گرمش وغیرہ

(فاصلہ کبرے)

وہ پنج حرفی لفظ جسکے پہلے، دوسرے تیسرے چوتھے، حروف متحرک ہون اور صرف حرف آخر یعنی پانچوان حرف ساکن ہو، جیسے شکنمش، نکنمت، وغیرہ

باقی آیندہ

الراقم تمنا عمادی پھلواروی

[1] یہان بھی "ہمہ" کیطرح ہای مختفیہ معتبر نہوگی بلکہ صرف حرکت فتحہ سمجھی جائیگی جسکی تفصیل آیندہ آئیگی۔

حمد باری تعالیٰ

اک امرِ کُن سے تونے سارا جہان بنایا ارض و سما بنائے کون و مکان بنایا

ابتک نہ یہ معاملہ ہو سکا کسی سے ہستی کو تونے کیسا رازِ نہان بنایا

الفت کی کلفتون مین صدگونہ راحتین ہین اس درد کو بھی تونے آرام جان بنایا

ایامِ گلُ بنائے دورِ خزان کے پیچھے ایامِ گل کے پیچھے دورِ خزان بنایا

خندہ زنان ہین غنچے شبنم ہی اشک ریزان شادی و غم کو تونے ہم داستان بنایا

رفتارِ عمر مین ہے تارِ نفس سے تیزی کشتی جو یہ بنائی وہ بادبان بنایا

ظرفِ قبول بخشا کیا بحر مین صدف کو نیسان کو آسمان پر کیا دُر فشان بنایا

لب مین سخن، سخن مین تاثیر تونے بخشی منھ مین زبان - زبان مین حسنِ بیان بنایا

ہی وقفِ شکرِ احسان ہر رونگٹا بدن کا ہر موے تن کو میرے تشکل زبان بنایا

رُخِ زرد عاشقون کے اُنپر لہو کے آنسو اس کشتِ زعفران مین کیا ارغوان بنایا

محوِ ثنا نہین ہین مرغانِ باغ تنہا ہر برگ ہر شجر کو تسبیح خوان بنایا

حُسنِ ازل جمالت زیبِ ابد کمالت

یکقطرہ دو عالم از قلزمِ نوالت

جنت سے ہی ظہورِ حسن و جمال تیرا دوزخ ہے عرصہ دارِ قہر و جلال تیرا

کیا ما سوا ہے جسکو اچھا بُرا کہون مین صوفی ہین حال تیرا، زاہد مین قال تیرا

مملو ریاضِ عالم ہی تیری صنعتون سے ہر برگ سے عیان ہے حسنِ کمال تیرا

دیر و حرم مین کیونکر نقش دوئی جماؤن وہ ہی تو چیز تیری، یہ ہے تو مال تیرا

دل کو کدھر لگاؤن، سر کو کدھر جھکاؤن غرب و جنوب تیرا، شرق و شمال تیرا

تیرے وجود سے ہی ہر اک وجود قائم ہر فرق مین نمایان ہے اتصال تیرا

ہیچون قمر، جہانے جویان بر ہگذ رہا

با این ظہور، ہستی پوشیدہ از نظر ہا

ملک محی الدین احمد قمر از جمون

دیوان فائز رحمۃ اللہ

میرے والد ماجد مولانا مولوی سید شاہ محمد نذیر الحق فائز عمادی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ خدا بخشے بڑے باکمال بزرگ تھے، درسی کتابون پہ پورا عبور حاصل تھا، فن طب مین معتد بہ دستگاہ رکھتے تھے، رمل، نجوم، جفر، حساب، ہندسہ، ریاضی، مین بھی مہارت تھی، صرف و نحو مین اپنے ہمعصر و ہمدیار علماسے کہین زیادہ سبقت لیگئے تھے، فارسی دانی مین محسود روزگار و مشہور اقطار و امصار تھے ایک مکمل قلمی دیوان خوراک کرم ہوگیا جس کا صدمہ میرے دل سے کبھی نہ جائے گا، دوسرا ناتمام دیوان قلمی دست خاص کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے، خدانے چاہا اور سامان بہم پہونچ گیا تو انشاء اللہ تعالے کبھی چھپکر باعث نزہت ناظرین ہو جائیگا۔ سردست اوس مین سے بعض بعض غزلین اس اچھوتے رسالے "الناظر" کے ذریعہ سے ہدیہ ناظرین کرتا رہون گا جو غالبًا ناظرین کیلیے ضرور باعث انبساط قلب ہونگی۔

الراقم محمد محی الدین تمنا عمادی پھلواروی

غزل از حضرت فائز عمادی پھلواروی رحمۃ اللہ

قدِ تو تازگی دہد نخلِ خزان رسیدہ را جان باز بہ تن دمد لبت روحِ ز تن رمیدہ را

اے دل زار ضبط کن نالۂ ناکشیدہ را حجلہ بہ است از انجمن شاہد آرمیدہ را

نفحۂ زلف تو صبا تا بدماغ ما رساند داد نوید زندگی جان بلب رسیدہ را

گرچہ ز سیلِ اشک من راہ دیار او نماند قاصد خویش کردہ ام رنگِ زرد پریدہ را

دل بحریم وصل راہ یافت بچہ خبر باد گفت عقل و تمیز و صبر و ہوش تاب و توان و دیدہ را

از پئے کشتنم زدی غارہ بروز خونِ من طرفہ نگار بستۂ نعش بخون طپیدہ را

چون بمراد دل از ین نالۂ نارسا رسم نیست بذوقِ لذتی میوۂ نارسیدہ را

از نگہے خراب کن نرگس نیم مست را آب ز خطِ سبزہ دہ سبزۂ نو دمیدہ را

پیر شدی دلا مزن دم چو جوان ز سرکشی قبلۂ حال خویش کن طاقِ قدِ خمیدہ را

عارضِ لالہ فامِ تو دیدم و خون گریستم ہست چمن در آستین چشمِ بہار دیدہ را

ملکِ عدم مکان بود بیخود کوئے عشق را جائے بلا مکان دہند از دو جہان بریدہ را

پائے شکستہ راکنم گرم رہ در رہ طلب توسن تیز تگ کنم خار پا خلیدہ را

نسبتِ حسن با تو ہست نسبت عشق با منست کا بہ آفریدگار ہست ہر آفریدہ را

فایز بوالہوس چرا نامہ سیاہ میکنی

خیز و بآبِ دیدہا پاک بشو جریدہ را

(باقی آیندہ)

جاپانی عورت

طلوع خورشید کی سرزمین یعنی جاپان میں آجکل زندگی کے ہر شعبے میں جیسی نمایاں ترقیات نظر آرہی ہیں، منجملہ اُنکے جاپانی عورتوں کی اصلاح حالت بھی بہت کچھ حیرت انگیز اور قابلِ تعریف ہے اب سے تقریباً نصف صدی پیشتر جاپان میں عموماً وحشت اور خانہ جنگیوں کا بازار ہر چہار طرف گرم رہتا تھا، اُس وقت سمورائی فرقے کی عورتیں نیزے و تلوار سے مسلح رہتی تھیں، بلکہ جنگ کے وقت اپنے حریف کو خاک و خوں میں لٹاتیں، اور ہمیشہ مثل مردوں کے دادِ شجاعت دیتی تھیں، مگر اب جبکہ یورپ و امریکہ کی شائستگی ایک عالم پر محیط ہو رہی ہے بالعموم عورتوں میں زمانہ قدیم کی سی وحشیانہ حرکات شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں۔

گذشتہ جنگ روس و جاپان کے وقت جاپانی عورتوں نے مغربی طرز پر ریڈ کراس سوسائٹیاں بنا کے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی وغیرہ میں نمایاں حصہ لیا،

اس زمانہ کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جاپانی ضعیفہ ماں نے صرف اس وجہ سے خودکشی کر لی کہ اُسکا اکلوتا بیٹا اپنی ماں کی خدمت گزاری سے سبکدوش ہو کر میدان جنگ میں جانیکے قابل ہو سکے، ۱۸۹۰ء میں جاپان و چین سے لڑائی ہوئی تھی، اُسوقت بحر اخضر کے ایک بحری معرکہ میں جہاز کا کمانڈر مارا گیا اُسکے مرنے کی خبر اُسکی سن رسیدہ ماں کو پہنچی تو اُس بڑھیا نے اس طرح ضبط اور خاموشی سے کام لیا جیسے کہ اسکے دل میں قلق اور افتخار کی کیفیات جمع ہیں اور بعد ازاں اُسنے آہستہ سے کہا "آپ کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا بیٹا کسی مفید کام میں مارا گیا ہے، اس واقعہ سے ناظرین کو جاپان کی نیک ماؤں کا اندازہ ہو گیا ہوگا، یہ واقعات اُس زمانہ کے ہیں جب پُرجوش جاپانیوں میں آتش جنگ مشتعل ہوتی ہے مگر روزمرہ زندگی میں جاپانی عورت امور خانہ داری کو

محنت اور سلیقے سے انجام دیتی ہے۔

جاپان میں شوہر اور اُسکے والدین کی خدمتگزاری بہوؤں کا مقدم فرض ہی، شوہر کے مہمانوں کی خاطر تواضع میں بھی جاپانی عورت حصہ لیتی ہی، مکان کی صفائی و آراستگی کے علاوہ بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں مصروفیت جاپانی عورت کا خاص شغلۂ زندگی ہی، وہ بچوں کو گود میں لینے کے بجاے عموماً پشت پر باندھ کر کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہیں،

جاپانی عورتوں میں انگریزی پوشاک کا شوق بھی روز افزوں ہی، گر وہ ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتی ہیں جو کمونو کہلاتا ہی گو بظاہر وہ قبول صورت اور نازک بدن ہوتی ہیں مگر انمیں زیبائش و آرایش حسب تقاضاے سن و سال ہوتی ہی اور خانہ داری کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ہی انکا اکثر وقت سوزن کاری اور مختلف دستکاریوں میں صرف ہوتا ہی، مغربی تہذیب کے آغاز کے بعد سے جاپانی عورتیں اکثر کارخانوں میں محنت و مزدوری کرنے کی عادی ہوتی جاتی ہیں،

سنہ ۱۹۰۲ء میں کارخانوں میں کام کرنیوالوں کا (۴۹۸۸۹۰) کُل شمار تھا جنمیں ۶۲ فیصدی عورتیں شریک ہیں، ضعیف الاعتقادی کے لحاظ سے جاپانی عورتیں بہت زیادہ پابند توہمات ہوا کرتی ہیں مگر روز بروز انکے خیالات روشن ہوتے جاتے ہیں اور وہ زیور تہذیب و شایستگی سے آراستہ ہو رہی ہیں۔

قدیم الایام سے جاپانیوں میں یہ عقیدہ تھا کہ اولاد نرینہ پیدا ہونا بہر نوع ضروری ہے اس لئے چند سال پیشتر جاپانی قوم میں عورتوں کا گیشا بنجانا زیادہ معیوب نہیں خیال کیا جاتا تھا مگر اب ایسی عورتوں اور حرموں کی تعداد قلیل ہوتی جاتی ہی۔

طلاق کا رواج جاپانیوں میں کثرت سے تھا، جسکا اختیار چند شرائط کے ساتھ صرف مرد کو حاصل تھا، مگر اب ایسے مقدمات کی سماعت باقاعدہ عدالتوں میں ہوتی ہی۔

شادی وغمی کے فضول مراسم جاپانی عورتوں میں بالکل بدلتے جاتے ہیں، اور تعلیم نسواں کی ضرورت شدومد سے محسوس کیجا رہی ہی بعض گھروں کے پُرانے خیال کی جاپانی عورتیں موجودہ نسل کی ترقی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہیں جس کے متعلق ایک امریکن میگزین کے مضمون کا اقتباس (جو ایک جاپانی عورت کے قلم سے نکلا ہی) درج ذیل ہی۔

جاپانی عورتوں کی آجکل کچھ عجب حالت ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے برابر خوش قسمت عورتیں ہمارے ملک میں کبھی بیشتر پیدا نہیں ہوئیں، مگر باوجود اس خیال کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری سی بدقسمت عورتیں بھی زمانہ میں کم نظر آئینگی، خوش نصیبی اس وجہ سے ہی کہ ہمکو عمدہ تعلیم ملتی ہی اور ہمکو کسی نہ کسی طرح اپنی خلقی لیاقتوں اور دماغی قابلیتوں کے اظہار کا کم وبیش موقع دیا جاتا ہی، جاپان کے مرد اب ہماری پوری وقعت سمجھنے لگے ہیں اور ہم سے اچھا برتاؤ کرنے پر آمادہ ہیں لیکن ہماری بدقسمتی کا یہ حال ہی کہ جاپانی عورتوں کی حالت موجودہ اس جہاز کے مشابہ ہو رہی ہی جو مخالف موجوں میں پڑکے تباہی کے قریب آلگا ہو، ایسا ہی سخت مرحلہ ہمکو درپیش ہی مثلاً ہم اسکول سے پڑھکر گھر آئے اسکول میں پانچ سات گھنٹے بیٹھے بیٹھے گذرنیکی وجہ سے تھک گئے اور گھر میں ذرا لیٹنا چاہا بس غضب ہوگیا ہماری بزرگ بیویاں چلانے لگیں کیا اسکول میں یہی تمیز سکھائی جاتی ہی کہ بڑے تو بیٹھے کام کیا کریں اور تم جاکر دراز ہو جاؤ، اسکول میں ہمکو ورزش اور کھیل کود میں انعام ملا، ہم خوش خوش گھر آکے اپنی ماں سے شاباش کے امیدوار ہوے مگر جواب میں یہ سنا کہ تم لڑکیاں ہو لڑکوں کی باتیں نہ سیکھو، جب تعلیم کا زمانہ ختم ہوا اب سے زیادہ مصیبت سسرال کا ناگوار برتاؤ ہوتا ہے، وہ لڑکی اپنے کو خوش نصیب سمجھتی ہی جو سسرال

میں اپنے شوہر کے ساتھ اکیلی گھر کی مالک بنانا : مہ ہو، لیکن ہملوگوں میں تعلیم کی وجہ سے ماماگیری اور خدمتگاری کی لیاقت جو قدیم خیال کے موافق ہر بہو بیٹی کے لئے ضروری ہی کم ہوتی جاتی ہی جسکا نتیجہ یہ ہی کہ اگر ہم کسی سے ملنے جُلنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور ساس نے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا کہنے لگیں کہ "تو اسیطرح دردر پھرتی رہیگی تو گھر باہر کا کام کاج کون کریگا،، کوئی کتاب ہاتھ میں لی تو گویا ہمنے عدم ادائے فرائض کا گناہ اپنے سرلیا، کچھ دنوں یہ جھگڑے قصے ضرور رہیں گے مگر ہم نہیں تو ہماری اولاد ضرور اس کشمکش سے نجات حاصل کریگی اور ہماری قسمت کا ستارہ چمکے گا،،

غرضکہ جاپانی عورتوں کی حالت میں عظیم الشان انقلاب ہو رہا ہی اور تعلیمی و معاشرتی پہلو سے اُنکی رفتار رو بہ ترقی نظر آتی ہی،

رسالۂ ادیب (حیدرآباد دکن) میں مولوی سید خورشید علیصاحب کا ایک مضمون جاپانی لڑکیوں کی عنواں سے شائع ہوا تھا جسکا مختصر انتخاب دلچسپی سے خالی نہیں ہی۔

" پھولوں اور شیشہ آلات وغیرہ کو سلیقے سے جمانے اور آراستگی کے ساتھ ترتیب دینے کا فن جاپانی لڑکیوں کی خانگی تعلیم کا خاص اور اہم جزو ہوتا ہی، جاپان کے کمروں میں ہر چیز نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ٹھکانے سے رکھی ہوئی ہوتی ہی، کمرہ کی سجاوٹ اور ساماں کی ترتیب میں بڑی ہوشیاری اور خبرداری سے کام لیا جاتا ہی، اسباب کے جمانے میں اُسکے باہمی تناسب کا بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہی، پھولوں کے ایک گُچھے کو کسی عمدہ چینی کے گُلدان میں جمانا بڑے غور و فکر کی بات ہی، بچوں کو نہایت پسندیدہ طرز پر بہت دلفریب صورت میں گلدستہ بنانے اور پھولوں کو جمانے کی

خاص طور پر تعلیم دیجاتی ہی، جاپان کے اکثر مکانوں میں اس قسم کی بہت سی کتابیں موجود ہوتی ہیں جنہیں ہنرمندی کے ساتھ مکان بننے اور آراستہ کرنیکے اصول وقاعدے اور نقشے وغیرہ درج ہیں، جاپان میں ایسی کتابوں کا بہت رواج ہی"

اسطرح کے حالات سے جاپانیوں میں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف عام رجحان کا کافی ثبوت ملتا ہی، ۱۸۹۵ء میں ۱۰۱ عورتیں یورپ و امریکہ سے اُستانیوں کے طور پر جاپان میں بلائی گئی تھیں اور ۱۹۰۰ء میں لڑکیوں کی پرائمری تعلیم کا انتظام منجانب گورنمنٹ مفت اور لازمی کر دیا گیا اسکے پیشتر یعنی ۱۸۹۸ء میں ایسے مدارس کی تعداد جنہیں لڑکیوں کو امور خانہ داری مثلاً سوزن کاری و کشیدہ کاری وغیرہ کی بھی تعلیم دیجاتی تھی، پانچ ہزار اسکول تک بتائی جاتی ہی، اسکے علاوہ مختلف ہائی اسکول اور ایک یونیورسٹی خاص عورتوں کے لئے علیحدہ ہی، لیکن ۱۸۹۰ء تک گورنمنٹ کی طرف سے کوئی انتظام تعلیم نسواں کیلئے نہیں کیا گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں جاپانی عورتوں کا وہ رُتبہ اور درجہ نہ تھا جو اَب اُنکو حاصل ہی، جس زمانہ میں تعلیم نسواں کا مسئلہ جاپان میں پیش ہوا تو اُسکے لئے سرکاری امداد کے علاوہ رقم کثیر بہت جلد فراہم کرلی گئی لیکن باوجود ان تمام کوششوں اور کثیر مصارف کے ابھی تک جاپان میں تعلیم نسواں کا انتظام قابل اطمینان اور معقول پیمانے پر نہیں سمجھا جاتا ہی۔

جاپان میں مَردوں کی تعلیم کا انتظام مقدم کیا گیا جس کے بعد تعلیم نسواں کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہوگیا، اسی طرح جو لوگ ہندوستان مین تعلیم نسواں کو رواج دینے کے ساعی رہتے ہیں اُنکو چاہیئے کہ پہلے اسلامی یونیورسٹی کی پیش پا اُفتادہ اور ضروری مسئلے کی طرف توجہ کریں۔

(باقی آئندہ)

از۔ خیراندیش

معذرت

جناب اڈیٹر صاحب الناظر

میرا ایک مضمون "حرمتِ نسواں" کے عنوان سے رسالۂ الناظر بابت اپریل سنہ رواں میں شائع ہوا ہے اور اُسکے متعلق آپ نے شاید سہواً یہ لکھدیا ہی کہ یہ مضمون منشی امیر احمد صاحب بی۔ اے۔ کے کسی مضمون کا جواب ہی" لیکن یہ ایک قیاس مع الفارق ہے اور ممکن ہی کہ آپ کے اس ریمارک سے بعض ناظرین کو غلط فہمی کا موقع ملے، لہذا سطور ذیل مرسل خدمت ہیں اُمید کہ اُسکی اشاعت میں آپ کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

الناظر بابت دسمبر سنہ گذشتہ میں "عورت کی عزت" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا تھا اُسکے ساتھ سابق اڈیٹر کے پُرزور قلم سے ایک نوٹ بھی تھا اور میرے خیال میں اس مضمون کا وہی کافی جواب ہی، میرا مضمون آپ کے دفتر میں فروری کے مہینے میں پہنچگیا ہوگا جسمیں پہلے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ظاہر کیا گیا، اسمیں شک نہیں کہ ان دونوں مضامین میں بعض امور مشترک پائے جاتے ہیں مگر یہ سب ایسی ہی باتیں ہیں جنکا اعادہ مختلف شانوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ ہو چکا ہی لہذا کسی مضمون کو دوسرے مضمون کا جواب کہدینا صحیح نہیں ہے، اسکے علاوہ یہ دونوں مضامین بہ چند وجوہ باہم کوئی علاقہ نہیں رکھتے ہیں مثلاً

(۱) مضمون سابق میں اسلامی تمدن کے برکات تمہیدی بیانات میں اور نہایت مجمل بیان ہوئے ہیں مگر دوسرے مضمون میں کسیقدر تفصیل سے اور ضمناً آگئے ہیں لہذا اسمیں کوئی

پہلو تعریف کا نہیں نکلتا۔

(۲) پہلے مضمون میں یہ فرض کر لیا گیا ہو کہ عورت کی علتِ غائی محض بقائے نسل ہو، اور اسی بنیاد پر وہ شاندار عمارت قائم کی گئی ہو، مگر دوسرے مضمون میں عورت کا مقصد حیات تعلیم و تہذیب تسلیم کیا گیا ہو جو بالکل جداگانہ بحث ہو۔

(۳) پہلے مضمون میں مختلف اقوام عالم کی تہذیب کا موازنہ ہو اور مسلمانوں یا ہندوں کے طرز معاشرت کی کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی، مگر مضمون ثانی میں ایشیا کی صرف دو بڑی قوموں کے سوشل حالات کے ساتھ ہی یہ دکھانیکی کوشش کی گئی ہو کہ مسلمان زیادہ تر اس ملک کے رسم و رواج سے متاثر ہو گئے ہیں۔

(۴) مضمون سابقہ میں منشی امیر احمد صاحب نے عورتوں کے یہ چند مظالم تجویز کئے ہیں جو گویا اُنکے ذاتی خیالات ہیں، مگر دوسرے مضمون میں اتفاق سے اُسی طرح کے بعض وحشیانہ حرکات کا ذکر آگیا ہو جو اکثر اقوام ہند میں جاری ہیں اور جنکی طرف حال کے سوشل ریفارمر متوجہ ہو رہے ہیں یعنی عورتونکا سر منڈا دینا وغیرہ مگر یہ دراصل اکیطرحکا توارد ہو، ورنہ مضمون اول کے خیالات سے اسکو کیا تعلق ہو سکتا ہو۔

(۵) اول مضمون میں مذہب کو انسان کیلئے صفات ملکوتی پیدا کرنیکا محرک بتایا ہے اور اسیوجہ سے عورتوں کو بھی مافوق العادت کمالات کی تاکید کی گئی ہو، مگر مضمون ثانی میں مذہب اسی دنیا میں راحت کا سبب سمجھا گیا ہو اور عورتوں کو حُسنِ معشرت کیطرف توجہ دلائی گئی ہے ؎

از صحنِ خانہ تا لبِ بام از آنِ من وز سقفِ بام تا بہ ثریا از آنِ تو

(۶) مضمون سابقہ میں عورتوں کی فطری کمزوری کا ثبوت اُنکا جسمانی ضعف قرار

دیا گیا ہی اور ساخت دماغی سے مطلق بحث نہیں کیگئی ہے، مگر دوسرے مضمون میں دماغی قابلیتوں کیوجہ سے مرد و عورت میں ایک دوسرے کا ہمسر ہونا مسلّم سمجھا گیا ہی، اور میرا ارادہ تھا کہ اس اخیر مگر ضروری بحث کو زیادہ بسیط اور آیندہ دماغ انسانی کی کیفیت سی کسی اور نمبر میں مفصل ذکر کیا جائے، مگر اندیشہ ہے کہ شاید آپ اُسکو بھی کسی تیسرے مضمون کا جواب قرار دے دیں، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس مضمون پر غور کرنیکے بجاے غیر ضروری نزاعات چھڑ جائیں گے جو ایک علمی میگزین کیلئے کسی طرح زیبا نہیں ہے

والسّلام

خاکسار، ف ۔ ک

نوٹ

گذشتہ نمبر میں جو نوٹ درج کیا گیا تھا اُس میں اس بات کی طرف ناظرین کو توجہ دلائی گئی تھی کہ "حریتِ نسواں" کے عنوان سے ہم اسوقت جو مضمون شایع کر رہے ہیں وہ ایک گذشتہ مضمون کا جواب ہے، مگر یہ ہمارا ذاتی خیال تھا جس پر چنداں ہمیں اصرار نہیں، لہذا ہم اس بحث کو آیندہ طول دینا نہیں چاہتے،

اڈیٹر

اپنے الناظر پریس میں منشی سخاوت علی سکرٹری فلاورلر نے چھپوایا اور شایع کیا

جامے است جہان نمائے ہر صفحہ دریں

۱۳۲۷ھ

الناظر



فلسفی - تاریخی - تمدنی - اخلاقی - معاشرتی - ادبی مضامین کا

(ماہوار رسالہ)

نمبر ۲۴ یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء جلد ۴

الناظر پریس متصل پل آہنی میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے، کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہی، ہوا پانی میں شامل ہوتی رہتی ہی، اس لیے غیر خالص پانی سے بھی اُتنا ہی بچنا فرض ہی جتنا غیر خالص ہوا سے، تندرستی اور زندگی کیلئے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانے میں اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہی اور ہر قسم کا پانی جس تعداد میں درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہی۔

حضرت گنج متصل حق مود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز حضرت گنج - لکھنو

الناس باللباس

ہمارا کارخانہ ہر قسم کی مردانہ، زنانہ، انگریزی، ہندوستانی فیشن کی اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک نہایت خوشنما اور موزوں تیار کرتا ہی

۱۸۶۷ء سے یہ کارخانہ پبلک کی خدمت انجام دے رہا ہی۔

کاشی سلک جاپان سلک آسام سلک جامہ وار سلک اور علاوہ انکو جاپانی اور ولایتی الپیس مع فیانے و خوشنما لیکے ڈریس اور گون وغیرہ بھی بافراط مہیا رہتے ہیں، ایکبار ہمیں آرڈر دیجئے پھر کہیں اور فرمایش دینے کو آپکا جی نہ چاہیگا، پیمائش کا فارم اور کپڑے کے نمونے طلب کیجئے

قطب الدین مینیجنگ پروپرائٹر

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق ۔۔۔ سامانِ صد ہزار نمک داں کیے ہوئے

دی فونو ایکسچینج - لکھنو - متصل کوتوالی چوک

ہاتھی فون گراموفون راماگراف اوڈین بیکا چیمبر آپرا

کچھ درد ہی مطرب کی لے میں ۔۔۔ کچھ سوز بھرا ہوا ہی نے میں

لوکل اور بیرونجات کے خریداروں کی آسانی کیلئے خوش گلوؤں کے تین ہزار دو سو مختلف گانوں میں سے بہتر ریکارڈوں کے انتخاب لکھنو میں صرف ایک ہی مرکز ہی جہاں ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ مل سکتے ہیں، ہر ساخت کی مشینوں اور ریکارڈوں کا موازنہ اور جانچ اسی مقام پر آزادی سے ہوسکتا ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی میں نہایت تیزی سے مصروف ہیں اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہی، خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمائشگاہ میں تشریف لاکر ہمارے مختلف ساخت کے جدید سٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما فلاور ہارن ملاحظہ فرمائیے، ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین، ہارمونیم پیانو، ہیئل، فوننگر، گیس لائٹ، لیمپ، کیش بکس، منی بیگ، صابن اور ٹوتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہیں۔

مینیجر دی فونو ایکسچینج لکھنو

فہرست مضامین

ہمارا پیام

دفتر الناظر سے ہماری اتفاقی مگر طویل غیر حاضری کا بڑا ذمہ دار ہماری علالت کا وہ سلسلہ تھا جو دسمبر مین بمقام ناگپور شروع ہوا اور اب تک حرز جان بنا ہوا ہے۔ اگرچہ ہماری صحت اب بھی اس قابل نہ تھی کہ کسی طرح کا دماغی کام کیا جاتا اور اندیشہ بھی ہی کہ کہین یہ قبل از وقت واپسی آگے چلکر رنگ نہ لائے لیکن ضروریات اور فرائض نے مراجعت پر مجبور کردیا تاہم یہ امر موجب اطمینان ہے کہ ہماری غیر موجودگی مین بھی الناظر کی یہ خصوصیت قایم رہی کہ وہ حسب دستور پہلی تاریخ کو شایع ہوتا رہا۔

ہمارے علم دوست اصحاب نے قلمی اعانت کی صورت مین جو توجہ اس زمانہ مین فرمائی اسکے لیے ہم تہ دل سے اُن کا شکریہ ادا کرتے ہین اور اس کامیابی کو انھین کی نگاہ لطف کا نتیجہ تصور کر کے انکی خدمتین ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہین۔ لیکن جن حضرات کی کریمانہ توجہات الناظر کو حضرت قاضی الحاجات کی درگاہ مین یکسر اور شرمسار نہین ہونے دیتی تھین ان کی عنایات بے غایت کی منت پذیری کا دلخوش کن موقع ہمین حاصل نہین اس لیئے انکی خدمت مین بصد ادب التماس ہی کہ وہ اپنی دریا دلی اور فیاضی کا مزید ثبوت دینے مین دریغ نفرمائین۔ ہم سراپا چشم انتظار رہو رہے ہین۔ ہمارے وہ احباب جنکی نظر کیمیا اثر الناظر کی توسیع اشاعت کی کفیل ہی اس بارہ مین زیادہ سرگرمی اور مستعدی ظاہر کر کے ہمین شکرگذار بنائین تاکہ ہماری مجوزہ اصلاحات زیادہ معرض التوا مین نرہیں۔

اس پرچہ کی روانگی کے ساتھ الناظر کی زندگی کا دوسرا سال ختم ہوا۔ اس عرصہ مین جو تجربات ہمین ہوے ہیں اُنکی بنا پر جو تغیرات ہمارے پیش نظر ہین انکی اہمیت کا اندازہ کرنا آسان ہے، مگر تفصیل معلوم کرنیکے لئے انتظار کرنیکی ضرورت ہے۔

خاکسار ظفر الملک علوی۔ اڈیٹر الناظر

الناظر

نمبر ۲۴ جلد ۴ — یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء

سینس - اینڈ - ریلجن

(یہ نظم "علم طبعیات - اور - مذہب" کی طویل نظم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے)

ڈیر اڈیٹر میں آپ کی خدمت میں "سینس - اینڈ - ریلجن" کی طویل نظم کا ایک ٹکڑا بھیجتا ہوں، امید ہے کہ "الناظر" میں اسے جگہ دیجیے۔ اس نظم میں علم طبعیات اور مذہب پر بحث ہے، اصولی مسائل اگرچہ دقیق ہیں، مگر زیر بحث لیے گئے ہیں، توافق بھی ہے، جرح بھی ہے، تعدیل بھی ہے، تاویل بھی ہے افسوس ہے کہ اس سے زیادہ میں اسوقت نقل نہ کرسکا، ممکن ہے کہ پھر بھی کوئی ٹکڑا بھیج سکوں، توضیح کے طور پر جو نوٹ دیے گئے ہیں، وہ بکثرت ہیں، انکی نقل سے جی اُلجھ جاتا ہے، اسی سبب سے میں نے ایسے ٹکڑے کی نقل کی ہے جسمیں نوٹ کم ہیں، پوری نظم سوا پانچسو اشعار سے زیادہ کی ہے۔

احمد علی، شوق، قدوائی

وہ، جو ماہیتِ اشیاے عالم کے نہیں جویا — خدا کی حکمت و صنعت کی قدر اُن کو نہیں گویا

نہ سمجھیں صنعتِ صانع کو جو ہیں علم کے کچے — عجائب پر ہنسیں جیسے کھلونے دیکھکر بچے

ذرا علمی نظر سے نخل و برگ و بار کو دیکھو — حجر کو، ارض کو، گل کو، ہوا کو، نار کو دیکھو

جمادات اِسقدر کیوں ہیں، نباتات اِسقدر کیوں ہیں — یہ سب کیڑے مکوڑے کیوں، بشر کیوں، جانور کیوں ہیں

شعاعِ شمس سے ہوتے ہیں کیا کیا کام دنیا میں — سحر ہوتی ہے کیونکر، اور کیونکر شام دنیا میں

یہ ضو[1] کیا شے ہے دنیا نور جس سے روز پاتی ہے
چمک ہر چیز میں کس چیز سے، کس طرح آتی ہے

حجابِ چہرۂ خورشید ہوتی ہے زمیں کیونکر
بنا کرتی ہے ابرو[2] ماہِ کامل کی جبیں کیونکر

دھوئیں کی شکل بدلی پھیلتی کیونکر ہے، گھرتی کیوں
گرج کیا چیز ہی، بجلی چمکتی کیوں ہی گرتی کیوں

عناصر کتنے پانی میں، ہوا میں کون اجزا ہیں
شفق کیا ہی، دھنک کیا ہی، دھنک کے رنگ کیا کیا ہیں

وہ کون ایسی ہے قوت، جو جما دیتی ہے پانی کو
مقید کرتی ہے اولوں کی شکلوں میں روانی کو

صدا[3] کے واسطے جنبش ہوا میں کیونکر آتی ہے
ہوا[4] کے جسم میں کیونکر صدا مسکن بناتی ہے

ٹپکتی ہے ہوا سے، ملکے شبنم، بنکے پانی کیوں
ہوا[5] کو کرتی ہیں سورج کی کرنیں آسمانی کیوں

زمیں کیونکر معلق ہے، کشش[6] سے یا دبانے سے
کہ دو اجزا[7] ہیں باہم کشمکش کی نوبت آنے سے

نہیں یہ کچھ تو ثقلِ ارض[8] پر تم لوگ مائل ہو
ہو مشرق سے، مغرب کی فلاسوفی کے قائل ہو

---

[1] روشنی کے متعلق سینس کے دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ ایتھر کی لہر ہے، دوسرا یہ کہ ذرات ہیں، جو روشن اجسام کے گرد پھیل کر چمک حاصل کرتے ہیں۔

[2] ماہ کامل کا ہلال کی شکل میں نظر آنا۔

[3] سینس کی رو سے جسم کا اثر ہوا میں آواز کیلئے جنبش پیدا کرتا ہے۔

[4] آواز کو فنائے کلی نہیں ہے، وہ ہوا کے جسم میں جگہ لیکے قائم رہتی ہے۔

[5] ہوا کا کرہ اوپر ہے سورج کی کرنیں منعکس ہو کے طبقۂ ہوائی میں نیلگوں رنگ پیدا کرتی ہیں جسکو لوگ آسمان کہتے ہیں۔

[6] حکمائے قدیم کا ایک مذہب یہ ہے کہ آسمان زمین کو گھیرے ہوئے چاروں طرف کھینچتا ہے، ہر جانب کی قوتِ کشش برابر ہے، لہذا زمین معلق ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ آسمان اعلیٰ، و زمین ادنیٰ ہے، کشش جو اتحاد کی دلیل ہے ممکن نہیں، بلکہ آسمان متنفر ہو کے چاروں طرف سے زمین کو ڈھکیلتا ہے لہذا معلق ہے۔

[7] تیسرا مذہب یہ ہے کہ زمین میں اجزائے لطیف بھی ہیں اور کثیف بھی، لطیف اوپر کو جانا چاہتے ہیں اور کثیف نیچے کو، کشمکش سے زمین معلق ہے۔

[8] [illegible] ثقل ارض سے زمین کے معلق ہونے پر ثبوت لایا ہے [illegible]

زمیں جب زلزلے سے سوئے جنبش ہوتی ہے مائل ... تو کیوں ہوتا ہے مقناطیس[1] کا زور کشش زائل

زمیں[2] میں ہوتے ہیں اجزائے آب و باد ضم کیونکر ... جمادی[3] مادہ پیڑوں میں ہوتا ہے بہم کیونکر

سمجھ میں سنیس سے شاید یہ اعجاز بصر آئے ... کہ اُلٹی[4] مرتسم ہو شکل اور سیدھی نظر آئے

ترائے رنگ کیونکر روشنی لاتی ہے، دیکھو تو ... پہنکر سات[5] رنگوں کا لباس آتی ہے، دیکھو تو

محرک[6] بارشِ باراں کی کیونکر برق ہوتی ہے ... کہاں[7] جاتی ہے جب دریا میں گر کر غرق ہوتی ہے

وجودِ رعد[8] کیا بکار ہے بادل کے دامن میں ... ہوا کیا[9] دیتی ہے اشجار کو صحرا و گلشن میں

ہے کیا رنگوں[10] میں، اُنسے روشنی کیوں کم گذرتی ہے ... سیاہی[11] بڑھکے سب رنگوں سے کیوں جذب اُسکو کرتی ہے

---

[1] زلزلے کے وقت مقناطیس سے کشش کی قوت جاتی رہتی ہے، مگر سنیس اسکی وجہ یہ کوئی صحیح رائے اب تک نہیں قائم کر سکا ہے۔

[2] زمین پانی اور ہوا کے اجزا کو ضم کر کے اپنا سا بنا لیتی ہے۔

[3] نباتات جمادی مادے کو کھینچکے اپنی ساخت میں لے لیتی ہیں۔

[4] روشنی کے اثر سے آنکھ میں ہر شکل اُلٹی منقش ہوتی ہے، مگر سیدھی نظر آتی ہے، سنیس کی وجہ تک نہیں سمجھ سکا ہے۔

[5] روشنی منعکس ہو کے سات رنگوں میں تبدیل ہوتی ہے۔

[6] بجلی ہمیشہ ابر کے ساتھ رہتی ہے، تاکہ وہ اپنی حرارت سے اُسے پگھلا کر پانی کرے۔

[7] بجلی دریا میں گر کے برقی قوت میں ضم ہو جاتی ہے، چمک زائل ہو جاتی ہے مگر اُسکی روح ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

[8] رعد وہ قوت لرزاں ہے جو ابر کے ساتھ ہمیشہ اسلیے رہتی ہے کہ اپنی حرکت سے اُسے پگھلا کے پانی کر دے۔

[9] ہوا اشجار کو غذا دیتی ہے، یعنی اشجار کے پتے ہوا کو چوس کر غذا حاصل کرتے ہیں۔

[10] سب رنگ ہموارہ روشنی کے جاذب ہیں۔

[11] سیاہ رنگ سب رنگوں سے زیادہ روشنی کا جاذب ہے، لیکن سنیس اس کی وجہ کو صحیح طور پر اب تک نہیں سمجھ سکا ہے۔

وہ[1] صورت کیا ہے جس سے عالمِ ایجاد غارت ہو — انرجی[2] شکل کیوں بدلے، وہ کیوں جزوِ حرارت ہو
حیات[3] آخر ہے کیا شے جو بہت ہی جانفزا شے ہے — نہیں ہے روح[4]، یا ہے، اور اگر ہے وہ، تو کیا شے ہے
ثمر[5] آتے ہیں کس قوت سے اشجارِ ثمرور میں — ہوا کرتا ہے باہم ربط کیونکر مادۂ و نر میں
بنایا[6] مردمِ دیدہ کو کیوں رنگین فطرت نے — کیا کس چیز کا جاذب اُسے فطرت کی حکمت نے
تبائن[7] کو تجاوز حد سے کیا بڑھکر بھی ہوتا ہے — وہ کیا نوعِ جداگانہ، وہ کیا جوہر بھی ہوتا ہے
دلیلِ[8] نشو حیوانی، قیاسی، یا یقینی ہے — قیاسی ہے تو عقلاً مستحقِ نکتہ چینی ہے

---

[1] سر ڈبلیو ٹامسن، رابرٹسن، اور گال وغیرہ زوال دنیا کے قائل ہیں، یہ حکماء سنیس سے زوال کے اسباب کو ثابت کرتے ہیں۔

[2] کولڈنگ، سر ہمفری ڈیوی، بیرن، ہنجین، کرمفرڈ، اور سی کون وغیرہ علمائے سنیس کہتے ہیں کہ انرجی یعنی وہ قوت جس سے حیات قائم ہے حرارت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے، لہذا ایتھر کا ٹمپریچر بگڑ جائیگا اور حرارت غالب ہوکے تمام موجودات کو مٹا دے گی۔

[3] سنیس کہتا ہے کہ حیات مادے کے اجزائے متحرک اور عناصر کی باہمی تاثیرات کا ظہور ہے، اور فلسفۂ اسلام کہتا ہے کہ حیات ایک وجودی صفت ہے جو نفس ذات سے زائد و علم سے متغائر ہے۔

[4] سنیس وجود روح سے منکر اور فلسفۂ اسلام اُسکا ثابت کرنیوالا ہے۔

[5] ہوا بار آور مادے کو اجزائے مذکر سے اجزائے مؤنث میں منتقل کرتی ہے، اسی کی قوت سے ثمر آتے ہیں۔

[6] فطرت نے آنکھوں کی پتلیوں کو اس لیے رنگین بنایا، کہ رنگ میں روشنی کو جذب کرنے کی قوت ہے زیادہ روشنی بصارت کو ضرر نہیں پہونچا سکتی۔

[7] قانون تبائن سنیس کے چار قوانین میں کا ایک قانون ہے یعنی ہر نوع اپنی اصل سے ضرور کچھ متغیر ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ تبائن عرض سے جوہر بھی ہوسکتا ہے یعنی نوع بدلتے بدلتے اصل سے بالکل جداگانہ نوع ہوجاتی ہے، اسلام جدید حکما اسکو باطل سمجھتے ہیں۔

[8] سنیس ذوی الارواح کے وجود کو نشو سے مانتا ہے یعنی مادے سے خود بخود وجود میں آکر کیڑوں سے انسان تک ترقی کی اور یہ مسئلہ ظنی ہے۔

نشان[1] پانووں کا گر سانپوں کے جسم میں ہویدا ہی ۔ تو کیا ہر نوعِ حیواں کا بدلنا اس سے پیدا ہی

ہی قول سینس[2] ہر عضو اپنی حاجت کے موافق ہو ۔ تو قولِ نشو باطل، اور قولِ خلق صادق ہو

اگر ہی عضو ناقص تو ہے نشو اُس نقص کا بانی ۔ کہ یا بدلی ہے، یا بدلیگی شکلِ نوعِ حیوانی

دلائل نشو کے یہ ہیں تو ہوں ان پر یقیں کیونکر ۔ یہ ظنی، خلق و خالق کا عجب ہو دل نشیں کیونکر

نہیں ڈر سینس کا مذہب اگر کچا ہے سچا ہے ۔ ڈرا اُڑنے کا ہوا اُس مذہب کو جسکا رنگ کچا ہے

وہ کہتا ہی کہ اوّلی[3] سب علل کی ایک علت ہی ۔ تو ہم کہتے ہیں بیشک، اور وہی خلّاقِ خلقت ہی

مگر وہ مادہ ہے، فہم اُسے مانے تو کیا مانے ۔ وہ ہی ادراک[4] سے خالی، نہ کچھ سمجھے، نہ کچھ جانے

نہ علم اُس مادّے کو ہی، نہ ہوش اُسکو، نہ عقل اُسکو ۔ نہ بینا وہ، نہ قصد اُس میں، نہ فہمِ اصل و نقل اُسکو

زمانہ بدلے اور وقت آئے جائے تو نہیں واقف ۔ وہ خود ہی تو نہیں واقف، بنائے تو نہیں واقف

ہی جنبش[5] اُسکی طبعی اور وہ قوت غیر منفک ہے ۔ نہ عزم اُسکا کوئی فعل اُسکا، نہ قصد اُسکا کوئی مسلک ہے

سدیمی[6] مادّہ فطرت نے پیدا کر دیا گویا ۔ پھر اُسمیں جمع اجزائے بسیطہ کو کیا گویا

---

[1] سینس کہتا ہی کہ نشو کی دلیل سانپوں کے پانوونکے غیر مکمل نشانات ہیں، یعنی پہلے یہ اور کوئی کیڑا تھا، نشو سے سانپ ہوا پانوں مٹے مگر نشانات رہ گئے۔

[2] سینس کہتا ہی کہ اگر ہر عضو ضرورت ہی کے موافق ہے تو خلق کا ماننا ممکن ہی لیکن اگر ناقص ہی تو گویا نشو سے صورت بدلی یا بدل رہی ہے سینس انسان کے جسم میں بعض اعضا کو بیکار قرار دیکے نشو کی حجت لاتا ہی۔

[3] دہری مذہب والے مادّے کو علتِ اولیٰ یا علت العلل کہتے ہیں۔

[4] سینس خود قائل ہی کہ مادے میں ادراک، عقل، فہم، غرض ایسی کوئی قوت نہیں ہے، حاجت کیوقت ہر شے اس سے ظہور میں آئی اور آتی ہے۔

[5] جنبش یعنی حرکت جسے سینس قوت بھی کہتا ہی، دہری اُسکو مادے میں طبعی اور غیر منفک کہتے ہیں اُسی قوت سے ہر شے کا وجود ہوا، یہ مسئلہ ظنی ہے، اگر دہری یوں نہ مانتے تو مادہ جسے وہ خالق قرار دیتے ہیں، وہ معطل رہتا،

[6] سدیمی مادہ وہ ہے جس سے عالم ہستی میں تنوعات کا وجود ہوا۔

ہوئے ذرات قانونِ کشش سے پھر فراہم سب
عناصر بنکے خود موجد ہوئے پھر ملکے باہم سب

کرہ اک بنگیا پھر آپ ہی فطرت کی حکمت سے
ہوا پھر مشتعل وہ شمس بنکر نورِ فطرت سے

ستارے ہوگئے خود ہی جدا پھر شمس سے کٹ کر
زمیں بھی صورت کروی میں پھیلی پھر الگ ہٹ کر

پھر آئی گردشِ ارضی سے سطحِ ارض پر سردی
پھر اُسنے ہر طبق کی شکل پیدا خود بخود کر دی

معادن اور اشجار اُس سے پیدا ہوگئے خود ہی
جہاں میں جان والے پھر ہویدا ہوگئے خود ہی

جو قانونِ تبائن کے اثر میں آئیں پھر نوعیں
تو عالم میں ہوئیں شکلیں بدل کر منتشر نوعیں

ہوا قانوناً اُن انواع میں سے منتخب[1] انسان
کبھی کیڑا، کبھی بندر تھا پہلے جو ہے اب انساں

تحیر زا ہے بحث ارتقائے نوعِ انسانی
یہ قدرت کی کمی تھی پہلے یا فطرت کی نادانی

کیا نوعوں کو ذراتِ بسیطہ نے اگر پیدا
تو کیوں اُس سے نہ پہلے ہو سکی نوعِ بشر پیدا

بنا انسان بندر سے، یہ بحث ایسی قوی کیا ہے
تفاوت بندر اور انسان کے بچوں سے پیدا ہے

چلے بندر کا بچہ عالمِ ہستی میں آتے ہی
غذا کھانے لگے خود ہی، ہوا دنیا کی کھاتے ہی

ضرورت کی سمجھ اُسکو، حفاظت پر وہ خود قادر
اسی بچپن میں افعالِ فراست اُس سے ہوں صادر

مگر انسان کا بچہ رہے مجبور برسوں تک
سمجھ، رفتار، قوت اور خودی سے دور برسوں تک

ترقی کیا وہ انساں کیلیے گویا تنزل ہے
ضرور اس شکل کے تسلیم کرنے میں تامل ہے

ابھی تک سینس سرگرداں ہے خود تلاش کے صحرا میں
کہ اُسکا ایک[2] بندر کھو گیا ہے دشتِ دنیا میں

احمد علی، شوق۔ قدوائی

[1] قانونِ انتخاب سینس کے چار قوانین میں سے ایک قانون ہے، یعنی تنازع للبقا سے ضعیف کو فنا کر کے فطرت قوی کو بقا کیلیے منتخب کرتی ہے۔

[2] ڈارون کی تھیوری ہے کہ جو بندر اب نظر آتا ہے اسکے اور انسان کے بیچ میں ایک بندر اور بھی تھا، جو اس وقت نہیں ملتا، اگر کہیں ملیگا، اُس بندر سے ارتقا کے طریقے سے ترقی کر کے انسان بنا ہے، اُس گم شدہ بندر کو سینس کی اصطلاح میں "مسنگ لنک" Missing link کہا ہے، جسکے معنی ہیں "گم شدہ کڑی"۔

تقسیم محنت

ہم دیکھتے ہیں کہ جو کام انسان کے حیطۂ قدرت سے باہر ہیں یا جو کام انسان کے اختیارات سے باہر ہو رہے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی ضابطے اور قانون کے ماتحت ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ بعض دفعہ ہم کسی خاص وجہ سے یہ سمجھ سکیں کہ فلاں کام کس قانون اور کس ضابطہ کے ماتحت ہو رہا ہے اور فلاں کام کس غرض سے ہوا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کام انسان کے اختیارات سے باہر ہیں اُنکے واسطے کوئی ضابطہ اور قانون نہو۔

ہوا ایک ضابطہ سے چل رہی ہے۔ پانی ایک قانون کے ماتحت کام کر رہا ہے۔ آگ ایک ترتیب سے کام دے رہی ہے آفتاب ایک قانون کے ماتحت نکلتا اور ڈوبتا ہے چاند بھی ایک ضابطہ کی تبعیت سے رات کو نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ہوا جدا کام کر رہی ہے اور آگ جدا۔ پانی جدا اور خاک جدا۔ آفتاب جدا اور ماہتاب جدا۔ ہوا کے متعلق جو فرائض رکھے گئے ہیں وہ آگ کے متعلق نہیں ہیں۔ جو کام سورج دیتا ہے وہ چاند نہیں دیتا اور نہ دے سکتا ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل اور اپنے اپنے موقعہ پر اُنکا کام دینا اور اُنکا شروع اور خاتمہ اسبات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی ضابطہ اُن سے کام لے رہا ہے اور ہر ایک کی خدمت اور ڈیوٹی جداگانہ ہے۔ اگر قدرت ہوا سے پانی کا کام لے تو شاید دونوں عنصروں کی طاقت اپنے اپنے فرائض پورے نہ کرسکے۔ اور دنیا کے کاروبار میں ایک عظیم خلل پڑ جائے۔ ان سب امور سے ہمیں کیا کچھ سبق ملتے ہیں۔

(الف) ہر ایک ہستی جداگانہ کام کر رہی ہے۔

(ب) باوجود اس علیحدگی کے ہر ایک ہستی دوسری ہستیوں کی مددگار ہے۔

(ج) تقسیم محنت ایک ضروری مرحلہ ہے۔

(د) قانون قدرت خود اسکا حامی اور موئد ہے۔

(۵) بغیر تقسیم محنت کے دنیا کا کاروبار مشکل سے چلتا ہے۔

باوجودیکہ ہوا جداگانہ فرائض رکھتی ہے لیکن پھر بھی جب باصول کیمیائی ہوا اور پانی سے مشترکہ کام کیا جائے تو ایک اور ہی طاقت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ مشترکہ کام اُس صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ جب تقسیم محنت کا اصول شروع ہی سے مدنظر رکھا جائے جب تقسیم محنت کا اصول نظر انداز کیا جائے تو پھر مشترکہ کام خوبصورتی سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔

مختلف مُلکوں اور مختلف قوموں کے قواعد سوسائٹی۔ قوانین محنت اور اصول تمدّن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوانین قدرت کا تتبع کرکے قوموں اور انسانی جماعتوں نے تقسیم محنت میں وقتاً فوقتاً غور ضرور کیا ہے اور عمل کرنے کی بھی کوشش ایک خاص حدتک کی گئی ہے۔ ہندوؤں نے چار برن کی تقسیم سے دراصل یہی غرض اور یہی مدعا رکھا تھا کہ کاموں کی تقسیم کیجائے گو وہ تقسیم اصولی اور مجموعی رنگ میں ہونے کی وجہ سے ایک عام تقسیم تھی مگر پھر بھی اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقسیم محنت کا خیال قدیم قوموں میں بھی پایا جاتا تھا اور مدتوں سے قوانین قدرت اس ضرورت پر روشنی ڈال رہے ہیں اور قوموں نے اپنے اپنے رنگ میں اسکی تبعیت بھی کی ہے۔

قوموں میں خصوصاً ایشیائی قوموں میں پیشوں کے اعتبار یا پیشوں کی وجہ سے قوموں یا قومیت کا جداگانہ صیغہ نکل آنا تقسیم محنت کا ایک عملی اصول ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ہر قوم میں یہ خیال کسی نہ کسی حدتک نشوونما پاتا رہا ہے۔

ہندوؤں نے چار برن بنا کر یہ مسئلہ حل کیا اور دوسری قوموں نے ہر پیشہ کے متعلق رفتہ رفتہ ایک قوم ہی قرار دے لی۔ جن ملکوں میں بجائے قوموں کے کلاس[۱] مقرر ہیں جیسے یورپ میں وہاں بھی یہ اصول تقسیم محنت مرعی رہا ہے۔ اُن قوموں یا اُن ملکوں میں بھی بڑھئی کو بڑھئی اور درزی کو درزی باعتبار خصوصیت پیشہ کے کہتے ہیں اور ان دونوں کے پیشہ میں امتیاز بھی کرتے ہیں۔ شاید یہ خیال کیا جائے کہ یہ گروہ اور چھوٹی چھوٹی قومیں یوں ہی بنتی گئی ہیں

[۱] فرقہ

اور یہ کسی اصول علمی کے ماتحت نہیں ہیں تو یہ درست نہ ہوگا کہ انکا ایک اصول اور ایک ضابطہ ہر اُس ضابطہ کے ماتحت انکا نشوونما ہوتا ہے اور انکی ہستی جداگانہ قائم ہوتی ہے۔

شروع شروع میں ضرورتوں اور حوائج زندگی کی ہتات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مختلف کاروبار ایک آدمی نہیں کر سکتا اس غرض نے انسانی جماعتوں کو مجبور کیا کہ جداگانہ کاموں کی بنیاد رکھی جائے اور جداگانہ طریق سے ضروریات انسانی کی تکمیل ہوتی رہے۔ موچی نے آخرکار یہ فیصلہ کیا کہ وہ جولاہے کا کام اگرچہ سیکھ سکتا اور کر سکتا ہے لیکن دونوں کاموں کی صورت میں وہ کمال نہیں حاصل کر سکتا اور نہ سوسائٹی کو فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ اسی طرح جولاہے نے خیال کیا اور ان دو مختلف خیالوں کی وجہ سے دونوں پیشوں کی جداگانہ بنیاد رکھی گئی۔

مصوری اور شاعری دو جداگانہ کام ہیں۔ مصوری ایک عملی صورت رکھتی ہے اور شاعری میں صرف خیالات ہی خیالات ہیں لیکن دونوں میں باوجود ایک نسبت ہونے کے بھی فرق ہے بیشک ایک شاعر مصور اور ایک مصور شاعر بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر تقسیم محنت کے اعتبارات سے فیصلہ کیا جائے تو کہا جائیگا کہ دونوں میں فرق ہے اور دونوں میں فرق رکھنا چاہیے جب تک کہ اس طرح کا فرق نہ رکھا جائے کوئی شاخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر شاعر مصوری کا کمال شاعری کے اصول پر موقوف رکھے اور مصور اُسکے برعکس کرے تو دونوں کی محنتیں تقریباً رائگاں جائیں گی اور کسی میں بھی کمال حاصل نہ ہوگا۔

تقسیم محنت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ دو کام علیحدہ علیحدہ کیے جائیں یا دو کام جدا جدا صورت میں اور جدا جدا طریقہ سے کیے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے طریقہ سے تقسیم محنت ہو کہ ہر ایک شاخ میں کمال حاصل ہو سکے۔ سوال یہ ہے یا یہ ہونا چاہیے کہ کیوں تقسیم محنت لازمی ہے اور اس سے فائدہ علمی کیا ہے؟

تقسیم محنت اسی واسطے لازمی ہے کہ جداگانہ صورت یا جداگانہ محنت سے ہر ایک شاخ

میں کمال پیدا کیا جا سکے تا کہ ایجادات واختراعات میں کمال کا رنگ پیدا ہو۔ اور سوسائٹی فارغ البالی سے گزران کرے۔ اگر قانون قدرت ہوا اور پانی سے مشترکہ کام لے تو جو ضروریات ان دونوں عناصر سے اسوقت بوجہ احسن پوری ہو رہی ہیں اُنکا وجود باقی نہیں رہیگا۔ اگر جولاہا موچی کے کام کو بھی اپنے کام کے ساتھ نامکمل طریق سے کرے تو دونوں میں نقص آجائیگا اور یہ اصول صنعت وحرفت دونوں کی بابت کوئی وزنی رائے قائم نہ ہو سکے گی اور سوسائٹی اور سرمایہ سوسائٹی ایک گھاٹے میں پڑجائے گا۔

تقسیم محنت عملی رنگ میں تین قسمیں رکھتی ہے۔

(۱) علمی رنگ میں۔

(۲) عملی رنگ میں۔

(۳) رسمی رنگ میں۔

ان تینوں قسموں میں فرق ہے۔

کوئی قوم اُسوقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اُسکے افراد کا سب میں علمی اور عملی رنگ کی تقسیم محنت نہ ہو۔ رسمی رنگ کی تقسیم محنت بطور ایک ورثہ کے ہوتی ہے نہ بطور ایک فن کے جو موچی یا جو جولاہہ یا جو طبیب بطور ایک نسلی ورثہ کے کام کرتا ہے درحقیقت وہ گلے پڑا ڈھول بجا رہا ہے۔ فن کے اعتبار یا فن کے خیال سے کام نہیں کرتا ہے اور ان حالات میں ایسے کام قوم یا سوسائٹی کے حق میں چنداں تفوق اور برتری نہیں رکھتے۔ وہ موچی یا وہ جولاہہ یا وہ معمولی قوم کے واسطے کیا سرمایہ فخر رکھتا ہے جو صدیوں سے ایک ہی طرز پر اپنا کسب یا اپنا فن چلا رہا ہے جو طبیب صرف یوسفی اور زاد غریب کی تحقیقات پر ہی اپنی طب کا خاتمہ کر دیتا ہے اُسپر قوم اور سوسائٹی جو کچھ فخر کر سکتی ہے وہ پوشیدہ نہیں اور خود اپنی ذات اور اپنے خاندان کے واسطے بھی جو کچھ وہ مفید ہو سکتا ہے مخفی نہیں۔

کیا اس طریق عمل سے (Division of Labour) یعنی تقسیم محنت کی غرض

سے مدعا پورا ہوتا ہے اور یہ کہا جائیگا کہ اس سے کسی قوم میں سچی زندگی پائی جاتی ہے تقسیم محنت اُس صورت میں مفید اور جامع ہوتی ہے جب اُسمیں کمال کی روح بھی حلول کرچکی ہو اور اسمیں ایک امتیاز اور ایک خصوصیت پائی جائے۔

علمی رنگ میں تقسیم محنت کب آتی ہے جب کم سے کم اُسقدر علمی سرمایہ ہو کہ جو افراد کا سبہ کے واسطے خصوصیت رکھتا ہے۔ فلاسفر یا شاعر ہونے سے بیشک دماغ یا دماغی عنصر شستہ اور پاکیزہ ہوجاتے ہیں لیکن عملی رنگ میں جو کمالات ضروری ہیں اُنکا حصول اُسی صورت میں مفید ہی کہ جب فنون اور اکتسابات میں کمال بھی ہو اور اُنمیں ایک خصوصیت بھی پائی جائے۔

بعض قوموں میں اس اصول کے اعتبار سے تین نقص پائے جاتے ہیں۔

(۱) تقسیم محنت کسی اصول کے ماتحت نہیں۔

(۲) اُس کا وجود ہی نہیں۔

(۳) تقسیم محنت کا مفہوم سمجھا ہی نہیں جاتا۔

کوئی کام یا کوئی پیشہ اختیار کرنیکے وقت یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اسمیں کمال حاصل ہو بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روزی چلے۔ بے شک روزی چلنے کا خیال ایک مقدم خیال ہے لیکن یہ تو صرف ایک مزدوری ہے۔ خیال یہ چاہیے کہ اُسمیں کمال حاصل ہو اور اُس سے کامل روزی ملے۔ اس خیال کو نظر انداز کرنا مفہوم تقسیم محنت سے اعراض کرنا ہی۔

جو تقسیم محنت اس اصول کے ماتحت نہیں ہے وہ گویا کسی اصول کے ماتحت نہیں ہی اور اس حالت میں کہا جاے گا کہ وہ بالکل ہی کسی اصول کے ماتحت نہیں ہے۔

اگر ایک شاعر شاعری نہیں جانتا ہی تو وہ چند نظمیں کہہ کر اُس فہرست میں اپنا نام تو درج کرا سکتا ہی لیکن اگر وہ شاعری میں کمال حاصل کرنے کی آرزو رکھتا ہے تو یہ آسان کام نہیں۔ شاعری، حکمت، ڈاکٹری، قانون دانی وغیرہ وغیرہ بھی تقسیم محنت ہے۔ اگر ایک شخص چاہے کہ وہ شاعر بھی کامل ہو اور حکیم بھی کامل ہو تو شاذ و نادر ہی وہ ایسا کرسکتا ہے۔

یہ ایک جدا بات ہے کہ ان دونوں شعبوں میں اُسے کچھ کچھ واقفیت اور دسترس ہو۔

یہی حال عملی تقسیم محنت کا ہے ہر پیشہ ور اپنے ہی دائرہ کے اندر رہکر کمال حاصل کر سکتا ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر کوئی شخص ہر فن میں کامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کوشش شروع ہی سے اصول کمال فن اور تقسیم محنت کے منافی ہے۔

ساتھ ہی اس کے یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ باوجود صحیح عمل تقسیم محنت کے بھی دونوں صورتوں علمی اور عملی میں سب افراد کا سب اور افراد عالمہ کی یکساں صورت نہیں ہوتی۔

صدہا شاعر۔ فلسفی۔ ڈاکٹر۔ مصور وغیرہ وغیرہ علمی رنگ میں تقسیم محنت کے اصول پر کمال پیدا کرتے ہیں لیکن اُن سب کا کمال یکساں پیمانہ نہیں رکھتا۔ اگرچہ سب ہی کامل نہوں پھر بھی اُنکے کمالات اور اجتہادات میں فرق ہوگا۔

اسی طرح عملی رنگ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ مشینوں سے تقسیم محنت عملی کا رنگ کسی حد تک بدل گیا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جائیگا کہ اُنکا رنگ ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک کارخانہ یا ایک مشین کوئی حیثیت رکھتی ہے اور دوسرا کارخانہ یا دوسری مشین کچھ اور۔ بازار خرید و فروخت میں ہمیشہ ایک مشین نیکی اور تعریف سے یاد کیجاتی ہے اور دوسری کسی حد تک کراہت سے۔ اس کا باعث کیا ہے وہی امتیاز اور فرق۔

اس فرق اور اُس امتیاز کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ خوبی تقسیم محنت سے اعراض کریں یا اُسے غیر ضروری سمجھیں۔ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرکے اپنے خیالات۔ اختیارات اور مساعی میں گونہ ترقی دکھائیں اور اس سے کاروباری دنیا میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر ایک مشین اعلیٰ پائے اور اعلیٰ خوبی کی ہے تو اُسکے گاہک بھی صدہا نکل آتے ہیں اور جو اُس سے کم درجہ کی ہے اُسکے خواہاں بھی ہزاروں ہیں کیونکہ دوسری طرف سرمایہ کا بھی بڑا سوال ہے جو شخص ایک خاص کارخانہ کی ساخت نہیں خرید سکتا ہے وہ اُس سے کم درجہ کی کارخانہ کی ساختیں خوشی سے خرید کرتا ہے۔

اس خیال کے ساتھ کہ ہم جداگانہ کام کریں یا جداگانہ بنیاد رکھیں اس امر کا بھی سوچنا لازمی ہے کہ اُس جداگانہ کوشش میں کامیابی اور کمال بھی ہو۔ جبتک یہ خیال مرکوز خاطر نہ ہوگا اُسوقت تک تقسیم محنت کوئی فائدہ اور کوئی اثر نہیں رکھتی۔ اگر ایک شہر میں سو ڈاکٹر اور سو شاعر یا سو درزی اور سو موچی بلا حصول کمال موجود ہو جائیں تو اُنکی ذات سے ان فنوں کو کیا فخر ہو سکتا ہے۔ اور سوسائٹی اور خود اُنھیں بھی کیا اُمید کرنا چاہیے۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ بجاے ان صدہا کے چند ہی ہوتے لیکن باکمال ہوتے۔

بعض وقت لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ پچھلے دنوں کے تعلیم یافتہ۔ پچھلے دنوں کے کاریگر۔ پچھلے دنوں کا سامان۔ پچھلے دنوں کی ساختیں اور پچھلے دنوں کے کاروبار بہت لائق نفیس کامل۔ مضبوط اور جامع ہوتے تھے۔ کوئی پوچھے اس کی وجہ سواے اسکے اور کیا ہو سکتی ہے کہ تقسیم محنت کی صورت میں حصول کمال کا خیال بھی ساتھ ہی لگا رہتا تھا اور ہر فن اور ہر کسب یا ہر اجتہاد میں کمال حاصل کرنے کی خاص کوشش کیجاتی تھی۔ اب صرف نمود اور فکر معیشت کا خیال ہوتا ہے۔ امتحان پاس کرلیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ کمال بھی حاصل کیا جائے۔ ایک فن سیکھا جائے لیکن اُسمیں خصوصیت اور ملکۂ تامہ پیدا نکیا جائے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں تقسیم محنت کا اصول اپنی اصلی حالت پر قائم رہ سکتا اور کبھی مفید بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ لوگ علمی اور عملی رنگ میں تقسیم محنت کا مفہوم سمجھیں اور اصولی جہت سے اُسکی تکمیل کریں۔

زمانہ اور قانون قدرت یہ سبق دے رہا ہے۔ بعض قومیں اسطرف بڑھ رہی ہیں۔ بعض بڑھ چکی ہیں بعض دیکھ رہی ہیں اور بعض محض لاعلم ہیں۔

سلطان احمدؐ

مشاغلِ تفریح کی اہمیت

ڈاکٹر سیموئل جانسن (Doctor Samuel Jhonson) کا پایہ انگلستان کے ادیبوں میں نہایت ممتاز ہے اور اٹھارویں صدی میں اہل یورپ نے جو عظیم الشان علمی ترقی کی اوسکی تاریخ پر آپکا نام نامی نہایت جلی حروف میں ثبت ہے۔ ۱۸ استمبر ۱۷۰۹ء کو بمقام لِچ فیلڈ (Lichfield) پیدا ہوئے اور پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی لندن کے مشہور و معروف مدفن ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) میں دفن ہوئے شاعر۔ ادیب اور فرہنگ نویس ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر موصوف کی جو شہرت ہے اُسکو اس خصوصیت نے اور بھی نمایاں کردیا ہے کہ آپ لندن کے اُس علمی کلب کے بانی تھے جسکو برک (Burke) گولڈ اسمتھ (Goldsmith) اور رینالڈس (Reynolds) کے سے نامور ادیبوں کی شرکت کا فخر حاصل ہوا تھا۔

آپ نے اپنی تصانیف کی صورت میں علمی دنیا کے لیے جو ترکہ چھوڑا ہے اگرچہ اُسکی قدر و قیمت کچھ کم نہیں لیکن آپ کی بے تکلفانہ گفتگوئیں اور حکیمانہ اقوال جو آپ کے سوانح نگار مسٹر باسویل (Mr Boswell) اور مسز تھریل (Mrs Thrale) کی جانفشانیوں سے آج نہایت ارزاں قیمت پر مِل سکتے ہیں موجودہ اور آیندہ نسلوں کیلئے بمنزلہ ایک بیش قیمت و گران بہا جائداد کے ہیں۔ مضمون نگاری میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی چنانچہ ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد بھی آجتک دنیا بھر کے مضمون نویس آپ کے مضامین عالیہ سے خوشہ چینی کرتے اور اُنکے مطالب لطیفہ سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

ذیل کا مضمون دی ایڈونچرر (The Adventurer) سے ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین الناظر کیا جاتا ہے اور اگر یہ کوشش پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی تو آیندہ بھی ہم ڈاکٹر جانسن کے دسترخوان نعمت کی زلہ ربائی کرنا اپنا فخر جانیں گے۔

'م'

لاک[1] کے متعلق یہ شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بیکاری اور آوارہ گردی کا حامی تھا تاہم اُسکا خیال تھا کہ جو شخص اپنے وقت کا کوئی حصہ ایسے کاموں میں صرف کرنا چاہتا ہے جو قوائے عقلی

[1] جان لاک (John Locke) ۱۶۳۲ء میں بمقام رنگٹن (Wrington) پیدا ہوا۔ ارل شیفٹسبری

پر اثر اور زور ڈالتے ہیں اُسکے لیے لازمی ہے کہ وہ کبھی کبھی ایسے مشاغل میں بھی معروف ہوا کرے جنکا مقصد محض تفریح ہے۔ کیونکہ یہ امر طاقت بشری سے خارج ہے کہ کوئی شخص ساری زندگی دقیق مطالعہ اور عمیق غور و خوض میں بسر کرے حتیٰ کہ جو لوگ جفاکشی اور متانت کی تصویر مجسم بننا چاہتے ہیں وہ بھی تفریحی مشاغل کیلیے کچھ اوقات مقرر کر لیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس قسم کے جو اوقات ہیں اُنکا بیشتر حصہ ہماری مرضی کے مطابق یا اُسکے خلاف اس طرح پر گزر جاتا ہے کہ ہمیں اُسکا احساس بھی نہیں ہوتا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ اپنے مقررہ فرائض کی قید سے یکایک آزاد ہو جاتی ہے۔ مسلسل اور مستقل توجہ صرف تھوڑی دیر تک قائم رہ سکتی ہے اور جہاں کسی نے تنہائی میں بیٹھکر اپنے خیال کو کسی دقیق مسئلہ کی طرف رجوع کیا اوسکی قوت متخیلہ اُن مشاغل کی طرف دوڑنے لگتی ہے جو زیادہ دلچسپ ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نامعلوم طریقہ سے عالم خیال کی بعید منازل طے کر جاتا ہے اور جب صحیح اب آسا وہ پھر اپنے مقصد اولیں کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اُسکو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ اُس سے کب علیحدہ ہوا تھا اور کتنی دیر تک جدا رہا۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کثیر المطالعہ اشخاص عموماً بڑے پایہ کے عالم و فاضل نہیں ہوتے اور درحقیقت اس بات کی تہ تک پہونچنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے کہ علمی قابلیت میں یہ فرق کن اسباب سے پیدا ہوتا ہے قوائے عقلی کی کمی و بیشی سے یا انتخاب کتب کی موزونیت و غیر موزونیت سے یا حصول معلومات کے اچھے اور برے طریقہ سے۔ میرے خیال میں اکثر

(Earl Shaftesbury) کی توجہ سے مختلف عہدہ ہائے جلیلہ پر درجہ بدرجہ سرافراز ہوتا رہا تا آنکہ اپنے مربی کی علحدگی اور ہالینڈ میں سکونت اختیار کرنے پر وہ بھی اُسکے ساتھ جا کر رہا اور وہیں عقل انسانی پر وہ معرکۃ الآرا تصنیف لکھی کہ آج اُس کا شمار زمانۂ حال کے فلسفیوں کی صف اول میں ہوتا ہے۔ انقلاب کے ختم پر انگلستان سے واپس آکر محکمۂ تجارت کا کمشنر مقرر ہوا اور بمقام اوٹس (Oates) سنہ ۱۷۰۴ء میں انتقال کیا۔

یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ تنہائی کے بہت عادی ہیں وہ مطالعہ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو سخت محنت کرنیوالوں اور طالب علموں کی صورت بنا کر دنیا کو اور خود اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالتے ہیں حالانکہ اسکی اصل اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ یہ لوگ بادۂ تخیل سے سرشار ہو کر گذرے ہوئے زمانہ کے یاد کرنے اور آیندہ کے لیے نئے نئے منصوبے سوچنے میں اپنا دل بہلاتے۔ مسرت کی گوناگوں حالتوں سے بہرہ اندوز ہونے کی اُمید میں بیٹھے رہتے اور قصر خیالی کے خوشنما کمروں میں سکونت پذیر ہو کر اپنا وقت رائگاں کرتے ہیں۔

زندگی کے سفر میں بعض تو اسوجہ سے پیچھے رہجاتے ہیں کہ فطرت نے اُنھیں کمزور اور سست بنایا ہے۔ بعض اس سبب سے کہ راہ بھٹک گئے۔ اور بہتیرے اس بنا پر کہ اُنھوں نے اپنی خوشی سے ترک مراحل کیا اور بجاے اسکے کہ وہ ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے تھوڑی دیر کیلیے نئے راستہ پر چلنے کی مسرت حاصل کر کے ہر شجر سے پھول توڑتے اور ہر درخت کے سائے میں آرام لینے کی بے سود کوشش میں تگ و دو کرتے رہے۔

جو لوگ غور و خوض کے عادی ہیں اُنکے لیے اس سے زیادہ مہلک کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ اُنکے دماغ اس طرح کی عارضی مسرتوں سے متمتع ہونا سیکھ جائیں۔ دوسری قسم کی خرابیاں اور بیوقوفیاں خوف سے رُک جاتی۔ تنبیہ سے سدھر جاتی اور راسخ الخیالی سے جو اپنے اعمال کو دوسروں کے افعال سے مقابلہ کرتے رہنے سے پیدا ہوتی ہے دور ہو جاتی ہیں مگر دماغ کی یہ مخفی بغاوت اور ہستی کا یہ پوشیدہ اسراف تفتیش سے محفوظ اور ملامت سے بیخوف ہے۔ عالم خواب و خیال میں بسر کرنیوالے اپنے کمرے میں بند ہو کر نوع انسانی کی مداخلت اور فکر سے آزاد ہو جاتے اور اپنی باگیں تخئیل کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نت نئی دنیائیں اُنکی آنکھوں کے سامنے اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک خیالی تصویر کے بعد دوسری اُن کے پیش نظر ہو جاتی ہے اور مسرتوں کا لا متناہی سلسلہ اُنکے گرد رقص کناں رہتا ہے۔ بالآخر فطرت یا عادت کے تقاضا سے وہ پھر مادی زندگی میں واپس آتے ہیں لیکن سوسائٹی

کے حلقہ میں داخل ہوتے ہوئے جھجکتے ہیں کیونکہ وہ اُسکو اپنی مرضی کے مطابق نہیں بنا سکتے اور اس بے سود سیاحت سے متاع علم کے بجائے چونکہ طالبعلمانہ کرختگی حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ جلد آسودگی کی اُسی زندگی کی طرف شوق سے ایسے بے اختیار ہو کر بھاگتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی محبوب علم کی ترقی میں مصروف ہو اور ایک لحظہ اُس سے جدا رہنا گوارا نکرسکے۔ یہ شیفتگی رفتہ رفتہ اُنپر بالکل حاوی ہو جاتی ہے اور سم خواب آور کی مانند اسطرح کمزور کر دیتی ہے کہ مضرت کی کوئی خارجی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔

یہ ضرور ہوتا ہے کہ ان علمی شعبدہ بازوں کی قلعی کسی نہ کسی وقت کھلجاتی ہے اور ذلیل و مایوس ہو کر اُنکو اُس فرق کا احساس بلکہ یقین ہو جاتا ہے جو دماغی محنت اور بازیگری تخیل کے درمیان واقع ہے لیکن یہ انکشاف اکثر ایسے وقت ہوتا ہے جبکہ رائگاں شدہ لمحات واپس نہیں مل سکتے۔ ہزاروں واقعات ایسے پیش آسکتے ہیں جو بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی اُنکے خطرات اور رسوائیوں سے آگاہ کر دیں لیکن وہ لوگ جو کاہلی کی اس عادت کو چھوڑنے کی ضرورت تسلیم کر لیتے ہیں بسا اوقات اپنے عزم کے باوجود پھر اُسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ شعبدہ بازان تخیل ہمیشہ قریب رہتے ہیں اور اُنکے اثر پذیر ہونے کیلیے کسی وقت خاص یا مقام مخصوص کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ روح پر عالم بے خبری میں حملہ آور ہوتے ہیں اور قبل اسکے کہ اُنکی قربت معلوم ہو یا اُسکا شبہہ بھی پیدا ہو آلات مدافعت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

لیکن ایسے تمام اشخاص جو ارباب بصیرت اور نفع رسان خلق بننے کے خواہاں ہیں۔ جو دوسرں کی نگاہوں میں ممتاز و موقر ہونا چاہتے ہیں یا اس بات کی آرزو رکھتے ہیں کہ پیرانہ سالی میں جب کبھی اوائل عمر کے حالات پر نظر دوڑائیں تو اُنکو اطمینان حاصل ہو اُنکے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قید کو توڑیں اور دوبارہ آزادی پانے کیلیے اُنھیں ایسے ذرائع اختیار کرنا چاہیے جن کی مدد سے وہ اپنی ذات میں منہمک ہونے سے بچیں۔ جبریہ مذہب کی تلقین کے

خلاف اپنی خواہشات کو اس بات کی تعلیم دینا چاہیے کہ وہ اشیاے خارجی کیطرف دست شوق بڑہائیں۔ اور دوسروں کی خوشی اور تکلیف سے اثر پذیر ہونا اور اپنے دل میں معاشرتی مسرتوں اور صلح و آشتی کے تعلقات کی خواہش پیدا کرنا چاہیے۔

غالباً اس دماغی مرض کا علاج یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی نئی چیز کے مطالعہ میں شغف پیدا کیا جائے۔ اسطور پر چمنستان دل کو نئے نئے خیالات کے چشمے سیراب کرنے لگیں گے اور قوت تجسس ہمیشہ حرکت میں رہیگی۔ لیکن مطالعہ کے لیے تنہائی درکار ہے اور تنہائی اُنلوگوں کیلیے یقیناً خطرناک ہے جو اپنے خیالات میں مستغرق رہنے کے زیادہ عادی ہیں۔ پس علمی مصروفیت اور مسرت عامہ کو دماغ کی اس بیماری کا پرہیز جاننا چاہیے کیونکہ بغیر انکے افاقہ تو ممکن ہے مگر کامل صحت بمشکل سے حاصل ہوسکتی ہے۔ دماغ کا یہ مرض نہایت سخت اور مشکل العلاج ہی اور جب امتداد زمانہ سے جڑ پکڑ لیتا ہے تو عقل اور نکوکاری کیلئے اُسکا دفعیہ نہایت دشوار ہو جاتا ہی۔ لہذا اُسکے معمولی حملہ کی مدافعت میں بھی بہت احتیاط ملحوظ رکھنا چاہیے جو شخص اپنے تئیں اس سخت اور نشہ آور بیماری کے چنگل میں پھنستا ہوا پائے اُسکو چاہیے کہ اپنی تمام توجہ اُسکے دفع کرنے میں صرف کرے اور پہلی ہی دفعہ احساس کرنے پر مناسب مدافعت کرکے اُسکو روک دے۔

جسقدر ورزش (جسمیں خود فطری طور پر قواے عقلی کو جلا اور تقویت دینے کی قابلیت موجود ہے) جسمانی صحت کیلیے درکار ہے اُسکے بعد ایک ہوشمند انسان کیلئے سب سے زیادہ قابل عمل مشغلہ دلچسپی وہ تبادلۂ خیال ہے جو آزادانہ اور بے تکلفانہ گفتگو کا ماحصل ہوتا ہی جہاں تجربہ شکوک کو اور فیاضی حسد کو دور رکھتی ہے۔ جہاں ہر شخص کو بولتے وقت اگر کوئی روک ہوتی ہے تو صرف یہ کہ جو کچھ وہ کہے اُس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو اور سنتے وقت اگر کوئی خواہش ہوتی ہے تو محض اسقدر کہ جو کچھ وہ سنے اُس سے اُسکا دل محظوظ ہو لہذا ہر شخص کیلئے ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جو تفریحی لہو ولعب میں صرف کیا جاسکے۔ اور اُسکے مصرف کیلئے فطرت جو صورتیں انتخاب کے لیے ہمارے سامنے پیش کرتی ہے وہ یہی ہیں کہ یا تو ہم دوسرونکے ساتھ

بیٹھکر تفریح کریں یا محض تنہائی میں یوں ہی وقت گزاریں۔ تفریح میں نفع متصور رکھنا، اُنلوگوں کی قدیمی تعلیم ہے جو نفع کے متعلق طرح طرح کے خیالات رکھتے تھے۔ اور اسپر سب متفق ہیں کہ ایسے مشاغل تفریح اختیار کرنا چاہیے جنکا دائرۂ اثر زمانۂ موجودہ ہی پر محدود نہ ہو بلکہ کم وبیش آیندہ زمانہ میں بھی اُس سے فائدہ پہونچے۔ اسلیے منتخب ہم جلیسوں نکے ساتھ جو شخص تفریحی مشاغل میں معروف ہوتا ہے وہ خواہ کتنی ہی بے توجہی سے کام کیوں نہ لے اور کیسے ہی شور وغوغا (جنکی نکوکاری اجازت دے) میں گھرا کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ اُس سے مفید نکتے نہ سیکھے اور معمولی سے معمولی بے تکلف بات چیت میں ممکن نہیں کہ کچھ نہ کچھ معلومات خواہ وہ بر سبیل اتفاق ہی کیوں نہو حاصل نہ کرے۔ بے لوث مذاق کی چنگاریاں فانوس دماغ کو منور کرتی ہیں اور بعید از قیاس امور پر بحث ومناظرہ کرنیسے راے میں استواری پیدا ہوتی ہے۔

یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ عموماً اس قسم کے دوست پیدا ہوتے ہیں جنکی ذات سے مسرت وتسکین اور آرام واطمینان وابستہ ہوتا ہے۔ نکوکار اور عقلمند آدمی غیر معروف اور بے تکلف ہونے کی حالت میں معمول سے زیادہ خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔ کیونکہ دلیرانہ فیاضی یا فلسفیانہ موشگافیوں کیوجہ سے لوگ تعظیم دینے اور عزت کرنے کیلیے مجبور ہوسکتے ہیں لیکن رابطۂ الفت اُسی وقت قائم ہوتا ہے جب کسی قسم کی فطری یا ارادی مساوات پیدا ہوتی ہے اور محبت کی آگ اُسی نرمی اور خوش مزاجی سے مشتعل ہوتی ہے جو لوگوں کے دلوں کو رعب وداب اور الگ الگ رہنے کی عادت کا زیربار منت نہیں بناتی اور جو ادب ولحاظ رکھنے والوں کو آزادی کی طرف بلاتی اور بزدلوں میں اعتماد پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی بے تکلفانہ خوش مزاجی یقیناً مسرت بخش ہوتی ہے بلالحاظ اسکے کہ اُسکا برتنے والا کس افتاد طبیعت کا آدمی ہے اگر بلند مرتبہ لوگ اپنی رفعت کی جگہ چھوڑ کر نیچے اُتر آئیں تو ہمیں اُنسے اس بنا پر محبت ہو جاتی ہے کہ منازل مراتب میں ہم اُنسے جسقدر دور رہتے تھے اُسکا بُعد اُنھوں نے کم کر دیا۔ اور کم پایہ لوگوں سے جو ہمیں مستقل کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے ہم ہمیشہ محبت سے پیش آتے ہیں خصوصاً جبکہ اُن کی

زندہ دلی اور رہاہی سے ہمیں مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ہر انسان پر قلعہ ہائے جنگ اور قصرہائے عشرت کا جدا جدا اثر پڑتا ہے فصیل کی بلندی اور مضبوطی کو ہم ہراس و اطمینان کے ساتھ دیکھتے ہیں کیونکہ حفاظت کا خیال خطرات کی تصویریں پیش نظر کیے بغیر نہیں آسکتا لیکن محلات کے آراستہ کمروں میں کھڑے ہوکر ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے اسلیے کہ وہاں مسرت و انبساط کے تصورات کے سوا دوسرا خیال دل میں جاگزیں نہیں ہوسکتا۔ یہی فرق ہے بڑے اور خوش مزاج لوگوں کی افتاد طبیعت میں۔ اپنے محافظوں کے ساتھ بیٹھکر ہم بےخوف رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی صحبت میں رہکر ہم خوش ہوتے ہیں۔

م

ایک صحیح پیشین گوئی

خسرو پرویز تھا مسند نشینِ بزم کے — آسماں تھی اُسکے قدموں سے زمینِ بزم کے

مُلکِ فارس میں رواں سکہ تھا اُسکا ہر طرف — اُسکی لامحدود عظمت کا تھا چرچا ہر طرف

آج بھی دنیا میں سطوت اُسکی ہے ضرب المثل — گونجتے تھے اُسکے نعروں سے کبھی دشت و جبل

جنگجو، جنگ آزما دنیا میں تھا وہ بے نظیر — تھا کمندِ شیر افگن کا سکندر بھی اسیر

اُسکے دم سے تھی بقائے رونقِ بزمِ طرب — عیش و عشرت میں بسر ہوتے تھے اُسکے روز و شب

حسن شیریں کی اُسیکے نام سے شہرت ہوئی — اُسکے ہاتھوں کوہکن کی رائگاں محنت ہوئی

مندرج تاریخ میں ہے واقعہ اک دلپسند
آرہا تھا جانبِ فارس شہِ بالا بلند،

خیمہ زن لشکر تھا دریائے کراسو کے قریب — دلربایانہ فضا تھی اور منظر دلفریب

مطمئن تھا قلب از بس فتح روم و شام سے
دل بڑا تھا خیالِ گردشِ ایام سے

عیشِ بے پایاں کی اسدرجہ فراوانی ہوئی
بزمِ خسرو غیرتِ بزمِ سلیمانی ہوئی

رشکِ گلشن شاہ کے قدموں سے جنگل ہوگیا
طرح عشرت کی پڑی جنگل میں منگل ہوگیا

ایکدن وہ جبکہ سرستِ خمارِ عیش تھا
جوششِ مستی میں یعنے ہمکنارِ عیش تھا

عرض کی خدام دولت نے یہ آکر ناگہاں
کوئی قاصد لیکے آیا ہی عرب سے خط یہاں

اک اثنارے میں اُسے رخصت حضوری کی ملی
نامہ بر حاضر ہوا اور ایک چٹھی پیش کی

خط میں کیا تھا کسنے بھیجا تھا یہ کس کے نام تھا
خسروِ فارس کو اذنِ دعوتِ اسلام تھا

دابِ شاہی سے جدا پیرایۂ تحریر تھا
بھیجنے والے کا نام عنوان پر تسطیر تھا

یعنی اُس میں درج تھا فرمانِ ختمِ انبیا
شرکتِ مذہب کی تھی ترغیب جسمیں برملا

غیظ آیا شیر کو پڑھ کر یہ گستاخانہ خط
کر دیا بس پُرزے پُرزے اُسنے بیتابانہ خط

دل میں پیدا اُسکے پھر میلِ دل آزاری ہوا
حاکمِ ملکِ عرب کو حکم یہ جاری ہوا

بے ادب کو بھیجدے دربار میں بہرِ سزا
تاکہ اُسکو اپنی گستاخی کا مل جائے مزا

دوسروں کو تاکہ ان باتوں کی پھر جرأت نہو
ایسے دیوانوں کی پھر تقلید کی ہمت نہو

گوشزدِ شاہِ مدینہ کے ہوئی جب یہ خبر
تھے لبِ اقدس پہ یہ الفاظ جاری سر بسر

میرے خط کا حال جو مغرور خسرو نے کیا

سلطنت کی اُسکی کیفیت یہی تم دیکھنا"

چشمِ عبرت سے یہ شانِ کبریائی دیکھئے   گردشِ قسمت کے ہاتھوں کی صفائی دیکھئے
خسرو پرویز جسکا بول بالا تھا کبھی   جسکے عکسِ رُخ سے محفل میں اُجالا تھا کبھی
جسکے قدموں سے زمینِ ایشیا پامال تھی   مال و دولت سے حکومت جسکی مالامال تھی
فوجِ انجم سے بھی افزوں جسکے تھے خیل و حشم   جسکے آگے تھے سلاطیں کے سرِ تسلیم خم
بادۂ نخوت سے جو شام و سحر سرشار تھا   محو جسکے دل سے نقشِ عظمتِ قہار تھا

دیکھتے ہی دیکھتے اُسکا گیا تختہ پلٹ
بات کرتے کرتے گویا ہو گئی کایا پلٹ

ہاتھ اپنی جانِ شیریں سے اُسے دہونا پڑا   موت جب آئی تو عیشِ سلطنت کھونا پڑا
بیوفائیکی پسر نے اپنے دل میں ٹھان لی   مکر سے حیلہ سے آخر کو پدر کی جان لی
باپ کے مرنے پہ بیٹا خود سر آرا ہوا   دل میں سمجھا تھا کہ یہ میدان ہی مارا ہوا
اُسپہ در پردہ مگر تقدیر تھی خندہ زناں   باپ کو مارا ملی لیکن نہ اُسکو بھی اماں
تھی ہوس جس کی وہ آخر سلطنت جاتی رہی   روح رخصت ہو گئی تن سے سکت جاتی رہی
ملک خسرو میں ہوا سکہ رواں اغیار کا   ہو گیا ارشاد پورا احمدِ مختار کا

ٹکڑے ٹکڑے سلطنت فارس کی بیش و کم ہوئی
شکل صوبوں کی بنی مُلکِ عرب میں ضم ہوئی

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

حضرت فخرالدین عراقی رح

آپ کا اسم مبارک فخرالدین اور عراق وطن مالوف تھا، والد ماجد کا نام ابراہیم تھا صاحب سیر العارفین کے نزدیک آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خواہرزادے تھے، صاحب مرأۃ الاسرار آپکے حالات کے آغاز مین لکھتا ہے "شیخ فخرالدین بن ابراہیم العراقی قدس سرہ ازبزرگان این طایفہ واز بیباکان روزگار بود و مشرب عشق برحال وے خیلی غلبہ داشت و کمالات وے درتصانیفش ظاہر است خصوصًا در لمعات"

حضرت شیخ الشیوخ کے خلیفۂ ہند حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آپ خلیفہ تھے، نفحات الانس ولطائف الشرقی مین آپ کے حالات نہایت شرح وبسط سے درج ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواحی ہمدان کو آپکے مہد طفلی ہونیکا شرف حاصل تھا، صغر سنی ہی مین آپنے قرآن پاک حفظ کیا اور نہایت عمدہ قرأت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، آپ کے لحن داودی کا شہرہ دور دور تھا "چنانکہ جمیع ہمدانیان شیفتۂ آواز وے بودند" حفظ قرآن کے بعد آپنے تحصیل علوم کی طرف توجہ فرمائی۔

سن مبارک ابھی سترہ سال کا تھا اور ہمدان کی ایک مدرسہ مین پڑھا کرتے تھے کہ ایک روز فقرائے قلندریہ کی ایک جماعت ہمدان مین داخل ہوئی، ان قلندرون کے ساتھ ایک لڑکا نہایت صاحب جمال، غلبۂ عشق مین مغلوب ہمراہ تھا، چونکہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت ایک گونہ قدرتی دلکش مناظر کیجانب راجع اور خود رفتگی کی طرف مائل تھی اس آتش خرمن سوز پر نظر پڑتے ہی بے اختیار ہوگئی جب تک قلندرون کا قیام ہمدان مین رہا انہین کے ساتھ

بسر اوقات کرتے تھے، لیکن جون ہی وہ دوسری طرف روانہ ہوے، جذب
حسن محبوب کی مقاومت سے مغلوب ہوکر فخر الدینؒ نے بھی ان کی عقب مین قدم
اٹھائے لیکن صحبت کے لیے موافقت شرط تھی چنانچہ اس شرط کی پابندی مین
بلتعرو چشم چار ابرو کا صفایا کرکے صورت قلندرانہ اختیار کی، اور ساتھ ساتھ
ہندوستان پہونچے، اتفاقاً ملتان مین حضرت شیخ بہار الدینؒ کی صحبت نصیب ہوئی
ایک طرف کی آرزو اور دوسری جانب کے تصرف نے قلندرون کی صحبت سے
نکال کر حضرت شیخؒ کی صحبت مین متمکن کردیا حضرت شیخ نے ارادت کے بعد خلوت کی
تعلیم دی اور چلہ مین بٹھایا، چلے مین بیٹھے ابھی صرف دس دن گذرے تھے کہ آپ پر
ایک کیفیت وجد طاری ہوئی اور اسی حال مین یہ غزل تصنیف فرمائی جس کا مطلع
اور مقطع یہ ہے ؎

نخستین بادہ کاندر جام کردند — زچشم مست ساقی دام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش — عراقی را چرا بدنام کردند

اس غزل کو نہایت خوش آوازی کے ساتھ زور زور پڑھتے اور روتے تھے، گھر والون
نے سنکر سخت اعتراض کیا اور شکایتاً حضرت شیخ کے سمع مبارک تک پہونچایا کہ
خاندانی طریقہ کے خلاف فخر الدین غزلیات پڑھکر نعرے مارتا ہے۔ حضرت نے فرمایا تمہارے
لیے بیشک یہہ منع ہی لیکن اس کے لئے منع نہین ہی۔ اسی طرح حالت وجد کی بیخودی اور
گریہ وزاری بڑھتی گئی۔

تھوڑا زمانہ گذرنے پایا تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقربین مین سے
ایک بزرگ کا گذر خرابات کی طرف ہوا اور تمام خراباتیون کو چنگ وحقائق کے ساتھ

اسی غزل کو گاتے اور شور کرتے دیکھا حضرت شیخ کی خدمت مین اُنھون نے تمام واقعہ بیان کیا کہ یہ طریقہ ہمارے خاندان کے خلاف ہے آگے حضرت مختار ہین کسے دم مارنے کی مجال ہوسکتی ہی، حضرت نے فرمایا وہ غزل کیا ہے سناؤ اُنھون نے غزل تمام وکمال سنائی اور جب اس مقطع پر پہونچے ؎

چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

حضرت نے فرمایا کہ "کار او تمام شد" اور وہان سے اُٹھکر فخر الدین کے خلوت خانہ مین تشریف لائے اور فرمایا با عراقی خرابات مین جاکر مناجات کیا کرتے ہو، باہر آؤ عراقی باہر آئے اور شیخ کے قدمون پر سر رکھ دیا، آپ نے دست مبارک سے سر اُٹھاکر سینہ سے لگایا اور پھر خلوت مین بیٹھنے کی اجازت نہ دی اور تنِ مبارک سے خرقہ اُتار کر اُسیوقت پہنایا اور اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا، چنانچہ انھین صاحبزادی کے بطن سے حضرت فخر الدین عراقی رحکے ایک لڑکے حضرت کبیر الدین تولد ہوے،

صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہین کہ "عراقی بیست وپنج سال درخدمت شیخ بود چون شیخ را وفات نزدیک رسید وے رابخواند وخلیفۂ خود ساخت وبجوارِ رحمت حق پیوست"

حضرت شیخ کا چونکہ التفات آپکیجانب بہت تھا اس سے بہت لوگون کو رشک وحسد پیدا ہوا اور بادشاہ سے شکایت کی کہ عراقی اکثر اوقات شعر شاعری مین بسر کرتا ہے، خوبان صاحب جمال سے صحبت ہی، شیخ کی خلافت کا اُسے استحقاق نہین ہوسکتا، حضرت فخر الدین نے یہ تمام حالات سنکر سب کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کا رخ کیا زیارت کے بعد روم کے جانب متوجہ ہوے اور حضرت صدر الدین قونوی قدس سرہ سے ملاقات کی اور کچھ تربیت بھی حاصل کی۔

حضرت صدرالدین قونوی کے درس مین اسوقت ایک جماعت فصوص الحکم پڑھتی تھی انکے ساتھ شریک ہوگئے۔ اور اثناے استماع مین کتاب لمعات تصنیف فرمائی، تمام کرنے کے بعد شیخ صدرالدین کے خدمت مین پیش کیا شیخ نے بہت پسند فرمایا اور تحسین وآفرین فرمائی کہ

معین الدین پروانہ جو امراے روم مین سے تھا آپ کا نہایت معتقد تھا، آپ کے لیے نوقات مین ایک خانقاہ اُسنے تعمیر کرائی اور ہر روز خدمت عالی مین حاضر ہوتا ایک روز ہزار اشرفیون کی ایک تھیلی ہمراہ لایا اور نہایت نیازمندی سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کسی کام کا حکم نہین فرماتے یہ میری خدمت قبول ہو، یہ سنکر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمین روپیہ کا لالچ دنیا چاہتے ہو، کسی کو بھیجکر حسن قوال کو بلاؤ معین الدین پروانہ نے حضرت کے تعلق خاطر کو اسطرف مائل دیکھکر فوراً حسن کو جو حسنِ صورت وحسنِ صوت مین نظیر نہین رکھتا تھا بلایا، شیخ نے جب اسکے آنے کی خبر سنی تو تمام اکابر اور خود معین الدین کے ہمراہ استقبال کو روانہ ہوئے، جب قریب پہونچے تو جھک کر سلام کیا اور معانقہ کیا، پھر شربت منگایا اور خود اپنے ہاتھ سے اُسے اور اوسکے تمام یار دوستون کو پلایا اور ان سب کے ہمراہ خانقاہ کے طرف مراجعت فرمائی، یہان اکثر سماع کی صحبتین رہین، اسی اثنا مین حضرت نے یہ غزل تصنیف فرمائی ؎

سازِ طرب عشق کہ داند کہ چہ ساز است ۔۔۔ کز زخمۂ او نہ فلک اندر تگ وتاز است

ایک مدت کے بعد حسن قوال اجازت مراجعت حاصل کرکے واپس ہوا۔

ایک روز کا ذکر ہو کہ امیر معین الدین پروانہ میدان کی طرف جارہا تھا کہ حضرت کو دیکھا ہاتھ مین چوگان لیے لڑکون کے درمیان مین کھڑے ہین، امیر نے حضرت کے پاس پہونچکر عرض کیا مجھے کس طرف کا حکم ہوتا ہو، آپ نے راستہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اسطرف

امیر یہ سنکر چلا گیا، معین الدین پر داز کی وفات کے بعد آپنے روم سے مصر کا رخ فرمایا اور سلطان مصر سے ملاقات کی، وہ بھی آپ کا مرید و معتقد ہو گیا اور مصر کا شیخ الشیوخ آپ کو مقرر کیا، با وجود اس مرتبہ کے آپ اسیطرح بے تکلفانہ کوچہ و بازار مین پھرا کرتے ایکمرتبہ کفشگرون کے بازار مین گذر ہوا اور ایک کفشگر کے لڑکے پر نظر پڑی، جو حسن و جمال مین بے عدیل تھا، فوراً بیخود ہو گئے اور نزدیک پہونچکر سلام کیا، کفشگر سے پوچھا کہ یہ بیٹا کسکا ہے، اُسنے کہا میرا، اُسکے لبون کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، یہ ظلم نہین ہے کہ ایسے لب و دندان چرم خر کے ساتھ مصاحب ہون، کفشگر نے کہا، ہملوگ غریب ہین، ہمارا پیشہ ہی یہی ہے، یہ نہ کرین تو کھائین کہان سے، آپنے سوال کیا کہ روز کسقدر کام کرتے ہو، انھون نے کہا روز چار درم کا کام کرتے ہین، آپنے فرمایا مین آٹھ درم روز دیا کرونگا اگر تم یہ کام کرنا چھوڑ دو، چنانچہ آپنے آٹھ درم روز اُس کفشگر کے مقرر کر دیے اور رہر روز اپنے اصحاب کے ساتھ اُسکی دوکان پر جاتے اور لڑکے کی صورت کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتے رہتے اور اشعار پڑھتے اور برابر روتے رہتے تھے، دشمنون نے یہ خبر بادشاہ کے کان تک پہونچائی سلطان نے پوچھا کہ شیخ کبھی اس لڑکے کو دن کے یارات کے وقت اپنے ہمراہ لیجاتے ہین لوگون نے کہا نہین، پھر پوچھا، کیا دوکان مین کبھی اسکے ساتھ تنہائی مین بیٹھتے ہین۔ کہا نہین، یہ سنکر قلم دوات منگایا اور لکھا کہ آج سے ہر روز پانچ اشرفیان اور خادمان شیخ کے وظیفہ مین زیادہ کی جائین، دوسرے دن شیخ سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی تو اوسنے فرمایا مین نے سنا تھا کہ حضرت کی نظر ایک کفشگر کے لڑکے پر پڑی ہی اسلیے ایک حقیر رقم خرچ کی مقرر کی گئی ہی، اگر حضرت کا منشاء مبارک ہو تو اُسے خانقاہ مین لیجائین، آپنے فرمایا مجھے اسکی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے، حکومت نہین کرسکتا،

اسکے کچھ عرصہ کے بعد شیخ نے شام کا قصد فرمایا، بادشاہ مصر نے والی شام کو لکھا کہ تمام علما و مشائخ و اکابر کے ساتھ حضرت کا استقبال کیا جاے، جب یہ سب لوگ استقبال کے لیے حاضر ہوے، ان مین والی شام کا ایک لڑکا بھی تھا جو حسن و جمال مین نظیر نہ رکھتا تھا جونہی شیخ کی نظر اسپر پڑی بے اختیار اوسکے قدمون پر گر پڑے، باپ بیٹے دونون نے اپنا سر حضرت کے قدمون پر رکھدیا، لوگون نے حضرت کی یہ حرکت دیکھکر اعتراض کیا لیکن کچھ کہنے کی مجال نہ تھی، حضرت شیخ نے دمشق مین قیام فرمایا، چھ ماہ بعد آپ کے صاحبزادے شیخ کبیرالدین بھی ملتان سے یہان آکر پہونچے، شیخ کبیرالدین ایک مدت تک اپنے والد ماجد کی خدمت مین رہے، ایک دن شیخ کو معلوم ہوا کہ وقت رحلت اب قریب آگیا، لڑکے کو اور تمام اصحاب کو بلاکر وصیت فرمائی اور یہ رباعی پڑھی ؎

در سابقہ چون قرار عالم دادند | ماناکہ نہ بر مراد آدم دادند
زان قاعدہ و قرار کان روز افتاد | نے بیش بکس وعدہ ونے کم دادند

بستم ماہ ذی قعدہ ۶۹۹ھ کو ملک ظاہر المشہور بہ بندقدار کے ایام سلطنت مین جسکے زمانہ کے آثارین سے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام کا روضہ ابتک موجود ہے وفات فرمائی اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے پہلو مین دفن ہوے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ کبیرالدین قدس سرہ کی قبر بھی آپ کے پہلو مین ہے،

آپ کے کلام معجز نظام سے کسی قدر انتخاب کرکے اس مقام پر درج کیا جاتا ہے:-

ملامتم مکند اربدیر در دکشم | کہ حال بیخبری بہترین حالات است
باز ہجر یار دامانم گرفت | باز دست غم گریبانم گرفت
آتش سوداش ناگہ شعلہ زد | در دل غمگین چیدانم گرفت

آخر این تیرہ شب ہجر بپایان آید آخر این درد مرا نوبتِ درمان آید
بلبل آسا ہمہ شب تا بسحر نعرہ زنم بو کہ بوے بشامم ز گلستان آید

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی چہ اوفتاد کہ دردِ دلم فزوں کردی
سیاہ روے دو عالم شدم کہ در خمِ زلف گلیمِ بخت عراقی سیاہ گوں کردی

چہ خوش باشد دلا کز عشق یار مہرباں میری
شرابِ شوق او در کام و نامش بر زباں میری
یعنی زیستن باشد کہ نزدِ دوست جاں بازی
حقیقت مردن آن باشد کہ دور از دوستاں میری
در آں نقطہ کہ بنماید جمالِ خود عجب نبود
کہ از حسرت سر انگشت تعجب در دہاں میری
اگر تو زندگی خواہی دل از جان و جہان بگسل
نیابی زندگی تا تو ز بہر این و آں میری

از وصلِ تو باز آرزو میکندم گفتن بہ تو راز آرزو میکندم
خفتن ببرت نیاز تا روز سپید شبہاے دراز آرزو میکندم

وقت ست کہ بر لالہ خروشے بزنیم بر سبزہ و گل خانہ فروشے بزنیم
دفتر بخرابات فرستیم بہ مے بر مدرسہ بگذریم و دوشے بزنیم

اے دیدہ بدار ماتمِ دل کو در خطرے فتاد مشکل
خوں شد ز فراق یار و از یار این خستہ جگر چو مرغِ بسمل
چوں دید بعاقبت کہ دلدار در خانۂ او نہ کرد منزل
دل در پے وصلِ یار جاں داد داں یار نہ شد ہنوز واصل
عمرے بہ طپید بر درِ یار جز خونِ جگر دگر چہ حاصل
بر خاکِ درش فتاد و جاں داد آں قطرۂ خوں کہ خواہشِ دل
اے کاش کہ بودِ ما نبودے کز بودنِ ماست کار باطل

راقم عبداللہ

کورٹز نمبر ۵

(سلسلہ کے لیے پرچہ اپریل سنہ ۱۱ء ملاحظہ ہو)

اس قدر خاک میں پنہاں ہیں بتانِ مہوش
گرد باد اُٹھے تو رہجائے کلیسا بنکر

اب یہ لوگ مکسیکو کی جھیل پر جسکے کنارے دار السلطنۃ مکسیکو واقع تھا پہنچ گئے، اس جھیل کے درمیان پانچ چار میل تک ایک سنگی پختہ پشتہ بنا ہوا تھا اتنا عریض کہ آٹھ سوار برابر برابر اُس پر سے گزر جائیں اسکے علاوہ درمیان سے راہ نکالنے کیلئے کئی ایک بند اور پشتے ایسے ہی عریض و سنگیں راستہ میں پڑے، ان پشتوں کے بنانے اور پانی کے درمیان راہ نکالنے میں جیسی مہارت و اُستادی ہندو کاریگروں نے کی تھی اندلس کے لوگ اُسے دیکھ کر بہت حیران ہوے۔ جھیل کے کنارے کنارے نفیس نفیس عمارتیں، ترتے ہوے کھیت اور خیاباں، درمیان چھوٹے چھوٹے جزیرے اُنپر بستیاں، پرستان کی کیفیت، طلسمات کا عالم، سحر کا کارخانہ معلوم ہوتا تھا، اِن شہروں کے تباہ ہوجانے سے اب اُن جھیلوں پر چشم پُر آب کا عالم ہے۔

آگے بڑھکر شہر ازتپالایان راہ میں ملا، اسمیں چودہ پندرہ ہزار خوبصورت خوبصورت مکان تھے یہاں کا باغ بہت مشہور و معروف تھا ہر قسم کے پھول اور میووں کے درخت ہزاروں خوشرنگ و خوش آہنگ طیور محبوس قفس، رنگ رنگ کی مچھلیاں ایک بڑے نفیس حوض میں چھوٹی ہوئی جس کا محیط پانچ چھ سو گز کا، اس باغ و جاگیر کا مالک راجہ کا بھائی تھا اُسنے اہل اندلس کے استقبال کیلئے بہت سے اُمرا کو مہمان بلایا تھا اور بہت سا سونا اور نفائس اموال دینے کے علاوہ بڑے تکلف سے اُسنے دعوت کی، یہاں سے دو ہی تین کوس کے فاصلہ پر خاص دار السلطنۃ مکسیکو واقع تھا، اونچی اونچی عمارتوں کی سفیدی اور شہر کا سواد یہاں سے صاف معلوم ہوتا تھا، کورٹز نے رات کو

یہیں مقام کیا، صبح کو نومبر ۱۸۵۹ء کی آٹھویں تاریخ لشکر کو آراستہ کرکے آگے آگے سوار پیچھے گوروں کی قطار، بیچ میں میگزین سب کے پیچھے ملاسکا لاوالوں کی فوج ساتھ لیکر روانہ ہوا، تمام راستوں پر اور جھیل میں کشتیوں پر تماشائیوں کا ہجوم نظر آتا تھا، یہاں دور تک جھیل کے اندر کھٹے بنے ہوئے اور اُنپر بستیاں بسی ہوئی دکھائی دیں اور جتنے لوگ ملے سب مونٹی زوما کو جہاں پناہ اور بادشاہ اور ظل اللہ کہنے والے تھے کوئی شاکی و فریادی نہ تھا، شہر سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ایک سنگین پائدار فصیل ملی جسکا نام قلعۂ اکزولک تھا، یہ فصیل چار گز بلند اور اُسکے سروں پر مستحکم برج اور درمیان اُسکے ایک پھاٹک تھا، اس پھاٹک میں سے کورٹز کا لشکر گزرا یہاں کئی سَو سردار و عہدہ دار استقبال کیلئے شہر سے آئے ہوے کھڑے تھے، اُن سے ملاقات کرنے اور سلام لینے میں ایک ساعت کورٹز کو یہاں ٹھیرنا پڑا، اسکے بعد ایک چوبی پل پر سے گزرے جو کھلتا اور بند ہوتا تھا، کورٹز کو وسواس ہوا کہ اگر یہ لوگ اس پل کو کھول دیں تو ہم سب قید ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ بھی نہ پائیں گے، اسی خلجان کی حالت میں دیکھا کہ مونٹی زوما کی سواری سامنے سے چلی آرہی ہے، سونے کا ہوادار شاہانہ مزرکش وجواہر نگار اردلی میں اُمراء و عہدہ دار دور سے دکھائی دیئے۔ جب سواری قریب پہنچ کر ٹھہر گئی اور راجہ نے اُترنے کا ارادہ کیا تو خادموں نے راہ میں قالینیں بچھا دیں اور دونوں طرف قطار باندھے گردن جھکائے سب کے سب کھڑے ہوگئے، انمیں بعض لوگ سربسجود تھے۔

کورٹز بھی گھوڑے سے اُترکر اور چند افسروں کو ساتھ لیکر راجہ سے ملنے کیلئے بڑھا، راجہ نے ان لوگوں کی ملاقات پر اظہار مسرت کیا کورٹز نے اُسکے انعامات و احسانات اور بار بار زروجواہر بھیجنے کا شکریہ ادا کیا اور ایک خوبصورت ہار رنگین ترشے ہوے شیشوں کا اُسکے گلے میں ڈالدیا۔ گلے ملنے کیلئے یہ بڑھا تھا کہ دو ہندو سرداروں سے نہ رہا گیا، سوء ادب سمجھ کر فوراً اسکو روک لیا، راجہ نے اپنے بھائی کو انکا مہمان مقرر کیا اور خود سوار ہوگیا، چلتے وقت حکم دیا گیا کہ فلاں مکان میں مہمانوں کو لیکر

آؤ، یہ مکان راجہ کے باپ کے وقت کا بنا ہوا تھا اور پچاس برس پہلے کی عمارت تھی، راہ میں دیکھا کہ جھیل کی شاخیں شہر کے اندر آئی ہوئی ہیں، ہر جگہ کھلتے اور بند ہوتے پل بندھے ہوئے ہیں فرود گاہ میں یہ لوگ جب پہنچے تو راجہ کو دیکھا کہ انکے انتظار میں ہی، کورٹز کو ایک ہار اور چند قسم کے زیور پہنائے اور یہ کہکر رخصت ہوا کہ تم لوگ تھکے ہوئے ہو اب استراحت کرو، کورٹز نے سب سے پہلے توپوں کو ایسے موقع سے لگایا جیسے کوئی محصور ہوکر اپنی حفاظت کرتا ہی اور سب لشکر کی جگہ ترتیب جنگ کے طور پر مقرر کی، اسکے بعد طعام ضیافت کے کھانے پینے میں مشغول ہوئے، نہایت سیر ہوکر نہایت رغبت سے سارے لشکر نے کھانا کھایا، سیکڑوں شاہی غلام اس اہتمام میں مصروف تھے، کھانے سے فارغ ہوئے تو راجہ کی آمد آمد کی پھر خبر ہوئی، اب کی راجہ نے پہلے اندلس کا اور وہاں کے بادشاہ کا بہت کچھ حال دریافت کیا پھر اُن لوگوں کے یہاں آنے کا سبب پوچھا، کورٹز نے کہا ایک تو ہم لوگوں کو ایسے جلیل القدر فرمانروا کے دیکھنے کا اشتیاق تھا دوسرے یہ کہ اپنے مذہب کا بھی آپ سے عرض کرنا منظور تھا، مونٹی زوما نے کہا جس روز سے تم لوگ ٹباسکو میں پہنچے جب سے آجتک کی سب خبریں مجھکو معلوم ہیں، پھر جو جو افسر تھے اُنکے عہدے اور نام پوچھے اور خادموں کو حکم دیا کہ خلعت وجواہر کی کشتیاں لیکر آئیں، جتنے اہل اندلس وٹلاسکالا وہاں موجود تھے سب کو لباس دیا اور خاص یورپ والوں کو سونے کی زنجیریں اور طرح طرح کے زیور بھی پہنائے اسکے بعد سوار ہوگیا۔

چھ سات ہزار لباس کا تقسیم کردینا اُسکے آگے کچھ بات نہ تھی، دن بھر میں چار دفعہ وہ خود پوشاک بدلتا تھا اور ایک دفعہ پہنکر پھر نہ پہنتا تھا، مندرس تقسیم ہوجاتی تھی، اسی طرح کی نفاست انگلینڈ کی ملکہ الیزبتھ کے مزاج میں بھی تھی لیکن وہ اُترے ہوئے کپڑے سَینت رکھتی تھی۔

کورٹز نے رعب بٹھانیکے لئے شام کو توپیں سرکیں کہ تمام اہل شہر دہل گئے مکان ہل ہل گئے کوہ آتش فشاں سے وہ لوگ ہمیشہ خائف رہا کرتے تھے رنگ کی چمک، گندھک کی بُو، گرج کی آواز

دہوئیں کی تتی دیکھکر یہی سمجھے کہ کوہ آتش فشاں شہر کے اندر آکر پھٹ گیا۔

صبح کو کورٹز نے بازدید کی درخواست کی راجہ نے چند اُمرا کو بھیجکر دار الامارہ میں بلا بھیجا، یہ مکان لال شبک پتھر کا بنا ہوا تھا اور جا بجا سنگ مرمر کا بھی کام تھا اور اسقدر وسیع کہ کورٹز لکھتا ہے کہ بارہا میں اُس مکان میں گیا اور پھرتے پھرتے تھک گیا پھر بھی سب کمرے اُسکے نہ دیکھ سکا، نغمہ سنج طیور اس کثرت سے پلے ہوئے تھے جنکی خدمت کے لیے تین سو آدمی مقرر تھے، طائران آبی کی خوش فعلیاں کرنے کیلئے شیریں اور کھاری پانی کے بڑے بڑے تالاب تھے اور اُسمیں مچھلیاں، طائراں شکاری مثل عقاب و شاہین و باز وغیرہ کے اس قدر تھے کہ پانسو ترکی مرغیاں اُنکے طعمہ میں روزانہ دیجاتی تھیں، انکے علاوہ سباع و دواب انواع و اقسام کے سانپ چیتیں سب طرح کے زہریلے جانور الگ پلے ہوئے تھے، یہاں تک کہ عجیب الخلقت انسان بھی کتنے ہی وہاں موجود تھے جنکی پیدائیش میں یا ترکیب اعضا میں کچھ غرابت پائی جاتی تھی، ایک باغ خاص جڑی بوٹی وادویہ کا تھا، شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں کوسوں تک شاہی باغ تھا جسمیں پتھر کی ترشی ہوئی تصویریں شاہان سلف کی جا بجا نصب تھیں راجہ کا مکان بلند تو بہت نتھا لیکن بڑے بڑے دالان کمرے نفیس نفیس پردے عود سوز اور مجمروں سے بسے ہوے تھے۔

آج کی ملاقات میں کورٹز نے زبان کی طلاقت سے بہت کام لیا اور یہ چاہا کہ راجہ پر ثابت کردے کہ صلیب کے سوانحات کا اور کچھ ذریعہ نہیں ہے اور تثلیث و توحید کا غلط بحث اچھی طرح اُسکے ذہن نشیں کردے، مگر یہ باتیں جب عیسائی خود ہی نہیں سمجھ سکتے تو پھر بھلا کسی کو کیا سمجھائیں گے ؎

دیوانہ اب ہوں میں کہ بہت ناصح۔ کوئی بتائے   میں کچھ نہیں سمجھتا وہ سمجھائے جاتے ہیں

راجہ نے یہی جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے جہاں جہاں تم گئے، یہ بحثیں بھی رہیں، بیشک تمہارے دیوتا بہت اچھے ہیں لیکن ہمارے لیے ہمارے معبود بھی سب اچھے ہیں، اور دستو میں جو تمہ ر

اپنے ملک میں بلانے سے پس وپیش کرتا تھا اُسکا سبب یہ تھا کہ میں نے سنا تھا کہ تم لوگو نپر بجلی گرا دیتے ہو اور دیوزاد جو تمھاری سواری میں ہیں لوگوں کو کچل ڈالتے ہیں، مگر اب مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ خبریں غلط تھیں میں نے تم کو نہایت ملنسار اور خوش اخلاق پایا، تمنے بھی یہ خبر غلط سُنی تھی کہ سونے کے مکان میں مَیں رہا کرتا ہوں دیکھ لو میرا گھر تو پتھر کا بنا ہوا ہو البتہ سونا چاندی اور ایک بڑی سلطنت میرے قبضے مین ہو لیکن ان سب چیزوں کا اصلی مالک تمھارا ہی بادشاہ ہو جو سمندر کے اُس پار رہتا ہو، تم سب لوگ اُسکے سفیر ہو اس ملک ومال میں سے حصہ لینے کا حق تمکو حاصل ہو، ابھی تھکے ہوئے ہو استراحت کرو یہ گھر بھی تمھارا ہی ہو۔ اسباب راحت سب مہیا رہیں گے اور جس طرح میرا حکم چلتا ہے اسی طرح سے تمھارا بھی حکم چلے گا۔

کہنے کو تو یہ کہہ گیا مگر آنسو نکل پڑے، برخاست کرنے کے پہلے حسب معمول زر وجواہر تمام اہل اندلس کو تقسیم کیا، کم سے کم ایک ایک شخص کے گلے میں موٹے موٹے طوق سونے کے ڈالدئیے کہ اس بار احسان سے سب کی گردنیں خم ہو جائیں۔

حق یہ ہو کہ کسیکو ایسا زرخیز ملک تھا کہ تمام اندلس کو مول لیکر چھوڑ دیتا ایک ہتھیار نہونے سے چند نفروں کے ہاتھ سے تباہ ہوگیا، اکثر ایسا ہوا کرتا ہو کہ ایک لکھپتی مہاجن کے گھر میں چار بھوکے شہدے کود پڑے گھر والوں کو باندھ کر کھڑا کردیا کوڑے مار مار کر اور جلا جلا کر تمام چھپا ہوا مال نکلوا لیا اور چلتے ہوئے، لیکن سب کو مار کر گھر پر قبضہ وہ بھی نہیں کرتے۔

اب کورٹز کو یہ فکر ہوئی کہ یہاں کے لوگوں کا حال، لشکر کی طاقت، انتظام کی کیفیت، خزانہ کا مقام، راہونکا ہیر پھیر، مفصل معلوم ہونا چاہیئے ورنہ بغیر اسکے کوئی کام کر بیٹھنا ہر گز مناسب نہیں، یہ سوچ کر پہلے اپنے شہر میں دورہ کرنیکی اجازت راجہ سے مانگی اور بآسانی حاصل ہوگئی۔

پہلے یہ سب لوگ شہر کا بڑا بازار دیکھنے گئے اور وہ بازار کا دن بھی تھا، شہروں شہروں کے

تاجروں اور اہل حرفہ انواع و اقسام کا مال و متاع و اجناس و اقمشہ لئے ہوئے موجود تھے، سب تجار و دوکاندار چالیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے، رانگے کے پیسوں اور اشرفی کی جگہ سونے کے ٹکڑوں کا اس بازار میں چلن تھا، تمام بازار مسقف تھا، صدہا ستون ہی ستون نظر آتے تھے، پھر بزازہ الگ جوہری بازار الگ، سنار زیور گڑھ رہے ہیں، بڑھئی کرسیاں جڑ رہے ہیں، ایکطرف میوہ فروش، ایک طرف پھول والے، اس سمت میں عطار و بیطار، اصحاب مصور و نجار، کسی طرف گوشت بک رہا ہے، کسی طرف کھالیں فروخت ہو رہی ہیں، سونے چاندی کے عجیب و غریب کھلونے ناچتے ہوئے کودتے ہوئے، خرگوش کے بالوں سے اور طیور کے پروں سے بُنے ہوئے نفیس نفیس تھان، جنھیں دیکھکر دیکھنے والوں کو اندلس کے ریشمی طاقے یاد آگئے، تمام زن و مرد کے پرتکلف لباس خوشنما وضع کو دیکھکر اور بھی حیرت ہوئی، کہ جس قوم میں ایسے اسباب تمدن موجود ہیں اُنکو کون وحشی کہہ سکتا ہے، اور انصاف یہ ہے کہ اُنکو وحشی نہیں کہہ سکتے خصوصاً اب سے چار سو برس پیشتر جبکہ یورپ میں بھی تہذیب جدید کا جلوہ نہ تھا۔

اس سلیقہ کا بازار، یہ صفائی کا انتظام، حفظ صحت کا یہ اہتمام، اس طرح کے تھانے ایسی کچہریاں، زندہ حیوانوں کا اس طرح جمع کرنا، تمام حشائش و عقاقیر اور ہر قسم کی جڑی بوٹی کا باغ لگانا یہ سب باتیں یورپ والوں نے انھیں وحشیوں سے سیکھیں۔ اُس زمانہ کے یورپ میں یہ باتیں کہاں تھیں، لیکن عبرت کا مقام تو یہ ہے کہ سونے چاندی کی کانیں اور زر و جواہر کے خزانے کچھ بھی نہ کام آئے، کاشکے یہ کچھ نہوتا اسکے بدلے چند فولاد کی توپیں ہوتیں، جر ثقیل کی حکمت اور خواص ادویہ کی مہارت نے تو کچھ نفع نہ دیا کاشکے ان سب باتوں سے جاہل ہوتے، مگر بارود کا نسخہ اُنھیں معلوم ہوتا، انسانوں کو کچّا کھاتے اور برہنہ رہتے لیکن توپ اور بارود بنانے میں ماہر ہوتے تو ہمیشہ کیلئے امریکہ کے وہی مالک تھے۔

بازار میں پھرتے ہوئے شہر کے بڑے مندر میں درشن کرنے کو سب کے سب پہنچے، نہایت بلند عمارت تھی سب لوگ اُسکی چوٹی پر چڑھتے ہوئے چلے گئے راجہ بھی وہاں پہلے سے موجود تھا، تمام شہر کا نقشہ، ندیوں کا اور سڑکوں کا تقاطع، عمارتوں کا دور تک سلسلہ، جھیل کے اندر ناؤں کا ہجوم یہاں سے سب صاف نظر آتا تھا، سانپ کی کھال سے منڈھا ہوا ایک نقارہ اس تجانہ میں رکھا تھا جو ہنگام مصیبت بجایا جاتا تھا، بُت نہایت مہیب شکل کے زر و جواہر پہنے ہوئے قربانی کیلئے مُنہ پھیلائے ہوے تھے، انسانوں کے تین دل ایک بت کے سامنے پڑے ہوے پھڑک رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت تین آدمیوں کو بھینٹ دیا ہی، کہ دل کی حرکت ابھی تک موقوف نہیں ہوئی ہے، اس مندر کے سامنے ایک بڑا انبار اُن اجل رسیدوں کی کھوپریوں کا تھا جنکی قربانی ہوئی تھی دو اندلسی سپاہیوں نے وہ سب کھوپریاں گنیں، کہتے ہیں ایک لاکھ چھتیس ہزار تھیں۔

دنیا میں جہاں جہاں بُت پرستی تھی عرب یا ہندوستان فنیشیا یا یونان سب جگہ انسانی قربانی ضرور تھی، بیٹیوں کو زندہ گاڑنا عورتوں کو زندہ جلانا بچوں کو بھینٹ دے دینا اور اسی طرح کے صد ہا وبال اس فرقہ کے نامۂ اعمال میں ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان جرائم میں مرتکب ہوں وہ تمام عالم کے نزدیک واجب القتل ہو چکے لیکن جو لوگ خود پرست ہیں وہ کیا سمجھکر اونکو نصیحت کرنے چلے، کورٹز راجہ سے مخاطب ہو کر کہتا کیا ہی کہ تمھارے معبود سب کے سب شیطان ہیں اگر تم اجازت دو تو ان کی جگہ پر ہم مسیح و مریم کی مورتوں کو نصب کریں یہ سنکر راجہ آزردہ ہوا اور کہا اگر میں یہ جانتا کہ تم ایسی گستاخی کروگے تو یہاں آنے کی اجازت ہی ندیتا- باقی آئندہ

علی حیدر طباطبائی

عالم خیال

کے

دوسرے رُخ پر ایک نگاہ

میں قلم کو لیے ہوئے "عالمِ خیال" پر ریویو کا ارادہ کر ہی رہا تھا، کہ ملک کے مشہور روشن دماغ اور بلند خیال اہل قلم مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لا کے قلم نے پیش قدمی کر دی، میں خوش ہوا کہ ایک دلکش نظم نے ایسے سخن فہم کے ہاتھوں داد کا خلعت پایا ہے جنکے فلسفیانہ خیالات نے نظم کی خوبیاں اُن لوگوں کو بھی سمجھا دیں جنکی نگاہیں اُسکے فلسفہ تک شاید نہ پہونچ سکتیں۔

اس زمانہ کے سحر ساز سخن طراز منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی، کی دو نظمیں "عالم خیال" پر اب تک ملک کے سخن فہموں کی نگاہوں کے سامنے پیش ہو چکی ہیں۔ اُن میں سے پہلا خیال تو حضرت قدوائی بیرسٹر کے حصے میں آچکا، اب میں دوسرے خیال کو اپنے حصے میں لیتا ہوں۔

اسمیں کچھ شبہہ نہیں اور میں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ کہ نظم میں، لیکن میں صرف قلم ہی سے نہیں بلکہ دل سے یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق، قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دنیا میں حاصل کی ہے، وہ آج ہندوستان میں اُنھیں کے دماغ اور اُنھیں کے قلم کے حصے میں ہے، اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہے بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ ان نظموں میں بھر دیا ہے۔

جو بڑی خوبی ان نظموں میں ہے، وہ یہ ہے کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہے، یہ ایسی لطافت ہے جسکی داد بہ نسبت مردوں کے خوش فہم عورتوں کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیے شاید اسی بنا پر حضرت قدوائی بیرسٹر نے اپنے ریویو میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ غبار جو "الناظر" کے کسی پچھلے مضمون سے عورتوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا، اُسکو یہ "عالم خیال" کی نظم دھو دیگی

بے شک، وہ خوش ہونگی کہ اُنکے خیالات اور جذبات کس لطافت، کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ ان نظموں میں دکھائے گئے ہیں۔ اور پاکدامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ رکھتی ہیں، اور جو صرف ایشیا ہی کی عورتوں کا خاص جوہر ہے، اُسکو یہ نظمیں کیسے کیسے دل آویز پیرایوں میں ظاہر کر رہی ہیں، گویا اس بات کی قومی شہادت دے رہی ہیں کہ ہماری عورتوں کے پاکباز دل اپنے ایمان اور اپنی تمناؤں کو صرف اپنے شوہروں ہی کی صورتوں تک محدود رکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں، خصوصاً شیکسپیر کے ڈراموں کو دیکھا ہے، اور جن کی نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں، وہ نیچرل جذبات اور اُن کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہی "عالم خیال" کی نظمیں خیالات کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یوروپین شاعر کے قلم سے انگریزی زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصے ان کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے، اور شاعر کا دامنِ اُمید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزاد منش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے خیالات سے سچی محبت اور وفا کا سبق لیں۔

حضرت قدوائی بیرسٹر کا یہ خیال صحیح ہے کہ ان نظموں سے پیشتر اُردو میں (بلکہ انگریزی میں بھی) ایسی مسلسل بے نظیر نظموں کا وجود نہیں پایا جاتا، فارسی کا ذکر ہی فضول ہے، البتہ عربی میں علامۂ آزاد بلگرامی نے سنسکرت اور بھاکھا کے خیالات لیکر فطری جذبات کے نقشے کھینچے ہیں، مگر چھوٹے چھوٹے، انگریزی کی نیچرل نظمیں عموماً اور رنگوں کی ہیں، یورپ کی عورتیں مثل ہندوستان کی عورتوں کے اپنے خمیر میں وہ جوہر لطیف کم رکھتی ہیں جو اُن کو ایسے جذبات کے اظہار اور فراق کے ایسے صدمات کی تصویر کھینچنے پر مائل کرے، جن کی حالتیں ان نظموں سے پیدا ہو رہی ہیں، لہذا ہر طرح مُلک کے ذی فہموں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ اُردو میں ایسی بلند اور دلچسپ نظموں کے موجد حضرتِ شوقؔ، قدوائی ہی ہوے۔

اب میں نظم پر نگاہ ڈالتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ ہندوستان کی ایک فرقت نصیب عورت کا خط ہے، وہ شوہر کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی، اسی حالت میں پردیس سے شوہر کا خط آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا ہی، عورت بے چین ہو کے اُسکو خط لکھتی ہے، اور اپنی بیقراری کے اظہار کا سلسلہ یوں شروع کرتی ہے۔

پا کے تمہارے خط کو آج، دلکی تڑپ بڑھی کچھ اور　　　دل میں بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ تپ چڑھی کچھ اور

خط پا کے وہ اور بھی تڑپی، اور مایوس ہو کر کہتی ہے۔

آنے کا آسرا کہاں، یاس سے وہ بدل چلا　　　دل مرا آنسوؤں کے ساتھ بنکے لہو نکل چلا

در کی طرف تھی جو نگاہ، یاس سے اب میں یہ ہے　　　ہاتھ کبھی جگر پہ ہے اور کبھی جبیں پہ ہے

یاس کی تصویر شاعر نے جس فصیح زبان میں دکھائی ہے، یہ اُس اصلی صورت کی جانب خیال کو کھینچے لیے جاتی ہے جس پر یہ دردناک حالت طاری ہو، اور مدتوں کی جدائی کے بعد نا اُمیدی جبکی اُمید کا خاتمہ کردے، ان دونوں شعروں میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع زبان کی لطافت کے ساتھ شاعرانہ بلاغت کو اعلیٰ پیمانے پر ثابت کر رہا ہے۔

دوسرا شعر ایک ایسی صورت حال کا نظارہ ہے جس سے تین شکلوں پر نگاہ پڑتی ہے،

(۱) در سے نگاہ یاس کا زمین کی طرف آرہنا جو ایک فطری حالت ہے (۲) کبھی جگر پہ ہاتھ کا ہونا تا کہ درد او زخمی میں اُسکو سنبھالے (۳) کبھی جبیں پہ ہاتھ کا ہونا جو حیرت کا نقشہ یا دردسر کی حالت میں سر کے سنبھالنے کا طریقہ ہے، یہ شعر اپنی فصاحت کے ساتھ شاعر کی اُس قوت شاعرانہ کو ثابت کر رہا ہی جسکی حد انتہائے قوت شاعری ہے، اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس شعر کا نظم کرنے والا فطری ادائوں کا نقشہ کھینچنے میں ایسی کامل دستگاہ رکھتا ہے، جسکی مثال آج ہندوستان کی نظموں میں نہیں ملتی۔

پانچواں شعر جسکو میں آگے لکھتا ہوں، اِس کا دوسرا مصرع عالم سخن سنجی میں جو شان دکھا رہا ہے اُسکا اندازہ وہی سخن فہم کر سکتے ہیں، جنکی نگاہیں شاعری کے بلند درجوں پر پہونچی ہوئی ہیں

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ زخم ہرے بھرے ہیں آج　　　تم سے ہزار ہا گلے، دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

زخموں کا ہرا ہونا ایک معمولی محاورہ ہے، لیکن یہاں اِس نے اپنے معمولی لطف سے بہت بڑھکے لطف دیا ہے، اوپر کے اشعار امید کے بعد یاس کو ظاہر کر چکے ہیں، اب یہ مصرع کہتا ہے کہ فراق کے پچھلے زخم جو اُمید سے بھر چلے تھے، اب دیاس سے بھرے ہوے، خط کی چوٹ کھا کے ہرے یعنی تازے ہو گئے۔

دوسرے مصرعے کی شرح کہاں تک لکھی جاے، اسمیں "ہزار ہا گلے" کے الفاظ ایسے ہیں جنکے وسیع مطالب کو دل سمجھ سکتا ہے مگر زبان نہیں ادا کر سکتی۔

آگے چلکے قادر الکلام شاعر نے دردِ جگر کی حالت جس فصاحت، لطافت اور بلاغت کے ساتھ دکھائی ہی، یہ اُنھیں کے دماغ اور قلم کا حق ہے، گویا در دنصیب عورت یہ کہہ رہی ہے۔

سب کے جگر میں خون ہی میرے جگر میں درد ہی   سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہی

جو شاعرانہ کمال اور فصیحانہ لطف اس شعر میں ہے، وہ صاف کہہ رہا ہے کہ زبان، بندش، خوبی مضامین، غرض نظم کے تمام اوصاف حضرت شوق، قدوائی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، دوسرے مصرعے میں شباب کے زرد ہونے کا رنگ دل پر جس اثر کے ساتھ جمتا ہے، اُسکی حالت سخن فہموں کے دلوں سے پوچھی جاے، مصرعۂ اول کو مصرعِ ثانی سے جو ربط ہے، یہ کمالِ فن کی قطعی شہادت ہے، یعنی "سب کے جگر میں خون ہے اِس سبب سے "سب کا شباب لال ہے" اور "میرے جگر میں درد ہے" اس سبب سے "میرا شباب زرد ہے" درد کا خاصّہ ہے کہ چہرے کی رنگت کو بدل دیتا ہے۔

اوپر کے اشعار میں اگرچہ پاکباز عورت اپنے شوہر کے ساتھ محبت کا اظہار اُسکے خط کو بارہا چوم کے اور اپنے خیال کو اُسکی انگلیاں چومنے کے لیے بھیجکے بہت دلچسپ پیرائے میں کر چکی ہے، بعض اشعار کو میں نے طوالت کے خیال سے نہیں لکھا، لیکن جو اشعار میں آگے لکھونگا اُن کے سخن گسترانہ مذاق کی خوبیوں نے مجھے وہ لطف دیا ہے جسکو میں قلم کی زبان سے نہیں ادا کر سکتا

عورت کی بیقراری کا سبب فراق ہے اور فراق کو وہ اپنے اوپر اپنے شوہر کا ستم قرار دیتی ہے

اور اخلاقی فلسفہ سے کام لیکے کہتی ہے ۔

تم نہ ستم کرو تو کیوں دل مرا بے قرار ہو   میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گناہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤں گی   اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤں گی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع اگر موتیوں کے ساتھ تولا جائے تو مصرعے ہی کی قیمت بڑھی رہے زبان ہے کہ فصاحت کا دریا ہے جسکی ایک لہر بنکے یہ مصرع نمودار ہوا ، " میں نہیں چاہتی " کا لطف ادا فہموں کے دلوں سے کوئی پوچھے ، انسان پر ظلم کرنا حق العباد میں داخل ہے اس خیال کو پیش نظر رکھکے شوہر کی ہی خواہ عورت اُسکو اپنا گناہگار بنانا نہیں چاہتی ، یہ کیوں ؟ اسلیے کہ خدا کے سامنے وہ اُسے سزا نہیں دلا سکتی ، محبت کا مقتضا یہی ہے ، اور اپنی وفا کو وہ برباد کرنا نہیں چاہتی ، جو اُسکی زندگی کا سرمایۂ ناز ہے ، پھر وہ اپنے خیال کو جذب کی طرف پھیرتی ہے اور کہتی ہے ۔

چھپ گئے پتلیوں سے تم ، آنکو نظر نہ آؤ گے   یہ تو کہو کہ کس طرح دل سے نکلکے جاؤ گے

یہ محبت آمیز طنز دل کے جذب کو جس خوبی سے ظاہر کر رہی ہے ، میرے خیال میں اِس سے زیادہ لطیف پیرایہ قلب کی قوت مقناطیسی کے اظہار کا اور ہو ہی نہیں سکتا ،

جذب کو تو ظاہر کر دیا اور یہ تو کہہ دیا کہ تمکو دل سے میں نہیں نکلنے دونگی ، مگر فراق کی کاہشوں کا دِکھانا بھی ضروری تھا تا کہ شوہر کو ترس آجائے ، تو اب کیا کہتی ہے

دل میں بسے ہو تم مگر چوس لیے ہو خون کو   سر میں خیال بنکے تم دیتے ہو شہ جنون کو

اپنے خشک اور زرد ہونے کی صورت پہلے مصرعے سے ظاہر کی اور دیوانگی کی حالت دوسرے مصرعے سے ،

آخر فراق کی گرمی سے دل جل اُٹھا تو بیجو اس ہو کے کہہ اُٹھی ،

دم مرا ایسے بڑھکے گرم ، دل مرا ہے جو اس ہر   جسم میں جل گیا لہو ، اور ابھی تب کو پیاس ہی

اس شعر کا دوسرا مصرع شاعرانہ نازکخیالی اور فصاحت کے ساتھ بلاغت کے عرش پر جا پہونچا ہے ، اور کس لطف سے اس حالت کو ظاہر کر رہا ہے کہ بدن میں خون نہیں رہا لیکن تپ

کی پیاس نہیں بجھتی، یعنی میں نہایت نقیہہ ہوگئی ہوں تب اب بھی مجھے گھیرے ہوئے ہے۔

کیسا ہی رنج اور کیسا ہی غم کیوں نہ ہو، فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ کسی نہ کسی وقت دل کی تسکین کیلیے کوئی نہ کوئی تسلی دینے والا خیال پیش آجائے، ایسا نہ ہو تو رنج و غم کا سلسلہ زندگی کی ضرورتوں سے انسان کو مبہوت رکھکے نفس کے سلسلے کو منقطع کردے، فراق کی کاہشوں اور یاس کی گھٹاؤں سے شوہر کی وارفتہ عورت کو تشفی دینے کیلئے اگر کوئی چیز اُسکے سامنے ہے تو یہ ہے جس کو وہ یوں بتا رہی ہے

آئینے میں ہر ایک چیز، چیں مجھے اسی سے ہے ۔۔۔ اُنس ہو تو اسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے

وہ اپنے اُنس کو صرف اسی چیز پر منحصر کرتی ہے، یہ اُس کی عفت، اُسکے نیک خیال اور اُسکے پاکیزہ نفس کی قطعی شہادت ہے، یہ وہی اوصاف ہیں جو ایشیا کی پاکباز عورتوں کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں اور جنکو قادر الکلام شاعر نے "اُنس کا" "اسی" پر انحصار کرکے "اور نہیں کسی سے ہے" ان چند الفاظ سے نہایت فصاحت اور قوت کے ساتھ ظاہر کردیا، اب عورت اپنے اُنس کی مزید شہادت قول سے بڑھکر اظہار محبت کے فعل سے یوں پیش کرتی ہے،

دیکھتی رہتی ہوں اسے پیار کے ساتھ بار بار ۔۔۔ اِسکی بلائیں لینے کو بڑھتے ہیں ہاتھ بار بار

ادا شناس خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ شعر جسمیں سلیس اور فصیح الفاظ کے ساتھ لطافت اور عورت کی فطری حالت کی خوبیاں بھری ہوی ہیں، عورت کی زبان سے نکلکر کتنا لطف دے سکتا ہے۔

اب عورت اپنے شوہر کے خیال کو چکر میں ڈال کے، کہ آخر ہے وہ کیا چیز، اُسکو ان پاکیزہ الفاظ میں ظاہر کرتی ہے۔

ہے یہ تمہاری ہی شبیہ، اور یہ میری جان ہے ۔۔۔ اِسمیں تمہارا حسن ہے، اِسمیں تمہاری شان ہے

یہ شعر کیسی سیدھی سادی اُردو میں ہے، مگر کتنا پُر اثر اور کسقدر بامزہ ہے، لطیف بندش اور فصیح الفاظ کے علاوہ آپ اس بات کو دیکھیے کہ محبت سے بھری ہوی عورت کی زبان سے نکل کر وہ شوہر کے دل کو کتنی جنبش دے سکتا ہے، پھر آگے چل کر عورت اپنے دل کی تسکین کا اظہار کیسے دلاویز طریقے سے کرتی ہے، اور کس پیاری ادا سے کہتی ہے،

تم نظر آ ہی جاتے ہو، ہائے، وہ خیال ہی سہی کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف چال ہی سہی

اس شعر میں علاوہ اور تمام لطافتوں کے لفظ "ہائے" کا لطف وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بول چال کی خوبیوں اور اُسکی نزاکتوں سے واقف ہیں، یہ ایک لفظ ثابت کر رہا ہے کہ جسنے اس شعر کو کہا، وہ زبان پر قادر، اُسکے نکات پر حاوی، اور اوابندی پر پورا قابو کیے ہوئے ہے،

عورت تصویر سے صرف خیالی تشفی تو حاصل کرتی ہے لیکن فراق کا صدمہ جو اُسکے دل میں نشتر چبھو رہا ہے، اُس سے وہ چین اُسی وقت پا سکتی ہے جب شوہر کو حسرت زدہ آنکھوں سے دیکھ لے، ایسے نظارے کی اُمید یاس سے منقطع ہو چکی تو وہ مضطرب ہو کے نہایت دردانگیز آواز سے کہہ اُٹھی،

تم سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب ہجر کا جنکو غم نہیں

جنکو خوش نصیب کہا اور بہت صحیح کہا اُنکی خوشیوں اور اُنکے حوصلوں کے نقشے کھینچکے وہ اپنے شوہر کو دکھاتی ہے تاکہ اُن کی خوشیوں سے اوسکے صدموں کا موازنہ کر سکے، اور کہتی ہے

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ خوب سنگار کرکے وہ ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ، تنتی ہیں بن سنور کے وہ
وہ جو لچک کے ہل پڑیں، شاخ گلوں کی ہل پڑی ہونٹھ جو ہنسکے کھل پڑے، گُل کی کلی سی کھل پڑی
بال کُھلے تو کھا کے بل دل کو لپیٹ لے گئے دل میں تھے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے
کچھ تو ہے خود بن میں کس تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ کچھ تو ہے حسن قدرتی، بنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ

ان چار اشعار میں دوسرے شعر کے الفاظ کی لطافت، تیسرے شعر کے دوسرے مصرعے کا قافیہ اور ولولوں کے لپیٹ لیجانے کی ادائے شاعرانہ، اور چوتھے شعر میں فطری حسن کے ساتھ بن سنور کے اِترانے کی تصویریں جس خوبصورتی سے کھینچی گئی ہیں، اِنکی داد اُن ادافہموں کے دل دیں، جنکا سخن سنجانہ مذاق دلربایانہ اداؤں کے لطف سے آشنا ہے، چوتھے شعر کا آخری مصرع قدرتی حُسن کے ساتھ بناوٹ کی ادا کو جو عورت کے حُسن میں دل فریبی کی ایک خاص شان ہے، کیس

خوبی سے ظاہر کر رہا ہے،

خوش نصیبوں کی صورتیں دکھانے کے بعد عورت اپنی بے نصیبی کا نقشہ کن حسرت ناک الفاظ میں دکھاتی ہے تاکہ شوہر دونوں کی حالتوں کو لطف اور بے لطفی کے دونوں پلّوں میں تول کے عدل سے اعتدال قائم کر سکے، وہ کہتی ہے

مجھکو ہی غم تو پھر سنگا۔ کون کہے، تمھیں کہو　　دیکھکے حُسن مجھکو پیار کون کرے، تمھیں کہو

شوہر کے فراق پر سنگار کو تج بیٹھنا یہ اظہار محبّت تو ہے ہی، مگر شعر اس سے بڑھکر پاکدامنی کی شہادت دے رہا ہے، یعنی سوا شوہر کے دنیا میں اُسکے سنگار اور حُسن کا کوئی دیکھنے والا نہیں، "تمھیں کہو" کا لطف کوئی زباندانوں سے پوچھے، یہ ایسا سوال ہے، جسکا جواب اگر شوہر دے تو رحم، محبت، اور اظہار وفا کے سوا وہ اور کچھ دے ہی نہیں سکتا، اور یہاں اخلاقی فلسفہ کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے۔

اب وہ زیور سے بیزار ہو کے مختلف زیوروں کا نام لیتے لیتے کس حسن ادا سے کہتی ہے،

بار ہیں پتے بالیاں، خار ہیں جیسے تنتیاں　　کس کو دکھاؤں اپنے کان اب میں پہنکے انتیاں

"بار" اور "خار" کا تناسب الفاظ، اور وہ دونوں زیور جو قافیے میں آئے ہیں، اُن کی لطافت قافیے کی صورت میں، یہ شاعرانہ لطافتیں سخن فہموں کو وجد میں لاتی ہیں،

اسی زیور کے سلسلے میں پھر کہتی ہے۔

دیتی ہے داغ آرسی، میں نہ چھوؤنگی اب اِسے　　آتی ہے زرد رو نظر، دیکھتی ہوں میں جب لِسے

آرسی کے شیشے کو داغ سے جو مشابہت ہے وہ تو ہے ہی، دوسرے مصرعے کی بلاغت اور اُسکے مضمون کی لطافت حضرت شوق کی شاعری کو انتہائے کمال پر ثابت کیے ہوے ہے، زرد رو نظر آنے سے چہرے کی زرد رنگت کا اظہار کس نازکخیالی سے کیا گیا ہے کہ سبحان اللہ،

وہ چند اشعار کے بعد ایک ایسا حسرت کا سین دکھاتی ہے، جسکا خیالی نظارہ اگر کسی دل کو اپنے اثر سے مغلوب نہ کر سکے تو اُس دل پر انسان کے دل کا اطلاق مشکل ہے، کہتی ہے،

ساتھ تمھارا کیا ہوا، چھوٹ کے تم سے مر رہی — میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی

یہ شعر اپنے عمدہ مذاق سے ہمارے ملک کی باوفا اور باعصمت عورتوں کی زندگی کا پورا فلسفہ ہے، عقد سے پیشتر وہ اپنے ماں باپ کے گھر جس خوشی سے زندگی بسر کر چکی تھی، اُسکو اب حسرت کے ساتھ یاد کر رہی ہے، اسمیں کچھ شک نہیں کہ عقد کے بعد عورت کی ایک دوسری زندگی شروع ہوجاتی ہے، اب اس شعر کو آگے رکھکے اگر دونوں زندگیوں کی حالتیں دکھائی جائیں تو اخلاق اور طرز معاشرت کے فلسفیانہ مذاق کی ایک بڑی کتاب تیار ہوجائے، حضرت شوق نے کمال سخن سنجی سے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے، اسکو اعجاز فن کہنا چاہیے،

عورت جوش محبت کے ساتھ اپنے جذب کا اظہار کس لطف سے کرتی ہے، اُسکے خیال میں قوت جاذبہ کمی کر رہی ہے، اُسکو یوں اُبھارتی ہے،

جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار — کاہ رُبا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار

جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے خدا کرے — اب بھی نہ یہ کشش کرے، تو اسے کوئی کیا کرے

اِن دونوں اشعار میں جس شکل سے جذب کو شہ دیگئی ہے، اسکی نازک خیالی اور بلند پایہ شاعری کی داد دل سے بیساختہ ہونٹھوں پر آکے باہر نکلی پڑتی ہے،

وفا اور محبت کا جوش ظاہر کرتے کرتے دل شکستہ عورت کو وہم ہوا کہ شاید شوہر کو یقین نہ آئے، تو وہ اپنی تحریر کو جھوٹھ سے پاک ثابت کرنیکے لیے کیسا دردانگیز خیال اور کیسی محبت خیز سزا اپنے واسطے پیش کرتی ہے

چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا — جھوٹھ جو میں ذرا لکھوں تو ہو خفا مرا خدا

کہنے کو تو کہہ گئی، مگر فوراً اُسکو تنبہ ہوا کہ اگرچہ وہ سچی ہے، لیکن چاہ جو اُسکے جذبات کی چیز ہے اور جن جذبات کو وہ خود بہت عزیز رکھتی ہے، اُسکا نام ایسے موقع پر کیوں لیا، اس خیال کے آتے ہی اُسنے اپنی زبان بدلی، اور کہہ اُٹھی،

چاہ تمھاری جب چھنی پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی — توبہ یہ کیا میں بک اُٹھی، توبہ یہ کیا میں کہہ گئی

اس سے زیادہ چاہ کی قدر اور کیا ہو سکتی ہے، مصرعِ دوئم کا آخری حصّہ " پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی" کے الفاظ سے، بول چال کی لطافت اور محاورے کی نفاست کو کس بلند پائے اور کیسے دلاویز پیرائے کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے،

آگے چل کر وہ اپنے رونے پر کس لطف سے پردہ ڈالتی ہے،

آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر — ساس کے پاس جاؤں تو مُنہ کو اُدھر سے موڑ کر

اس شعر کی خوبیوں نے دل کو جسقدر سرور دیا ہے، اس کی شرح قلم سے مشکل ہے، انسان کی ادا کا ایسا سچا اور صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے، جس سے بہتر کوئی دوسرا نقشہ ہو نہیں سکتا، ساس سے روتی ہوئی صورت ایسے عمدہ پیرائے میں چھپائی گئی ہے کہ میں بلند آواز سے حضرت شوق کو اُنکے مذاق سخن اور کمال فن کی داد دیتا ہوں، نظم میں ایسی سہل ممتنع نقاشی انھیں کا حق ہے۔

ہمسن عورتیں اُس سے ملنے کو آتی ہیں، تو وہ اُنکو اپنی غمزدہ صورت کس درد انگیز حالت کے ساتھ دکھاتی ہے، اور کس ضبط سے کام لیتی ہے

آتی ہیں ہنسیں مگر مجھ میں نہیں ہنسی مری — شرم سے کیا کہوں کہ "وہ" لیگئے دل لگی مری

میں نہ کہوں زباں سے کچھ کھلتا ہو درد، رنگ سے — دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے

پوچھتی ہیں تو کیا کہوں، چھیڑتی ہیں تو کیا کروں — سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں

"وہ" کا اشارہ، اے سبحان اللہ، زبان ہے کہ نظم کے رشتے میں موتی پرو رہی ہے بیان ہے کہ واقعات کے ساتھ فطری حالتوں اور اداؤں کی سچی نقاشی کر رہا ہے، دوسرے شعر نے خاموشی کی حالت میں جس رنگ سے درد کا اظہار کیا ہے، اور تیسرے شعر نے سکوت اور ضبط کی جیسی ہیئت دکھائی ہے، یہ دلچسپیاں نگاہوں سے دل پر قبضہ کر رہی ہیں

فطرت کا مقتضا یہ ہے کہ اضطراب کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی خیال تسکین دینے والا بھی پیدا ہو، ایسا نہ ہو، تو غیر متناہی سلسلہ انتشار اور صدموں کو بڑھاتے بڑھاتے

دماغ کو مختل کر کے انسان کی حیات کا خاتمہ کر دے، فرقت نصیب عورت نے تسکین کی ایک صورت
شوہر کی تصویر سے پائی، اور دوسری صورت چکور سے جسے اُسکا شوہر پال کے چھوڑ گیا تھا، چکور
کا نظارہ کس لطف سے شوہر کی یاد کا محرک ہے، کہتی ہے،

پال گئے ہو تم چکور، ہوتی ہوں اس سے شاد میں ۔۔۔ لیکے اِسکو گود میں، کرتی ہوں تمکو یاد میں،

لیکن چکور کی فطرت جو شب کو اُسے چاند کی طرف اُسے متوجہ کرتی ہے، اُسکا نظارہ عورت
کی زبان سے کیسا حسرت انگیز واقعہ پیش کرتا ہے، وہ شوہر کو لکھتی ہے،

چاندنی رات میں مگر، دیتے ہو غم ضرور تم ۔۔۔ اُسکی نظر میں چاند ہے، میری نظر سے دُور تم

یہ حسرت کا سین جسقدر دلچسپ ہے، اس سے زیادہ شاعر کی تخئیل قابلِ تعریف ہے،
کہ زمین کے خیال کو طبیعت کی بلندی سے آسمان پر پہونچا کے چھوڑا،

چند اشعار کے بعد عورت باوجود بےخطا ہونیکے اپنی خطا کا ذکر کس لطیف پیرائے میں کرتی ہے
اور کیسے دلاویز طعنے سے شوہر کے دل کو گھر کی طرف کھینچتی ہے، وہ حجاب جو شریف عورت کی
طرزِ معاشرت میں اُسوقت لازمی ہے، جب شوہر کُنبے کی موجودگی میں گھر کے اندر قدم رکھے، ادا
تو اُسی حجاب کی بیان کیگئی ہے، لیکن طنز آمیز اور دلکش آواز کے ساتھ، اس طنز کا حُسنِ بیان
نگاہ اور دل دونوں کے ساتھ جادو کا کام کر رہا ہے، وہ کہتی ہے،

کی نہیں میں نے کچھ خطا، کی ہو تو بھول جاؤ تم ۔۔۔ مجھ کو نہ دیکھنا، مگر، خیر سے گھر کو آؤ تم
آؤ جو تم، تو رُخ پہ میں، آنچل اُٹھا کے ڈال لوں ۔۔۔ اِسمیں تو ہرج کچھ نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

کیا اس سے بہتر اور دلفریب ادا سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کسی شاعر نے اُردو
یا فارسی میں دکھائی ہے، نہیں، کبھی نہیں، یہ قدرت سخن بس انھیں کی زبان کو حاصل ہے، کہ حجاب
اور اُسکے ساتھ جھانک کے دیکھنے کا خوشنما منظر نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا، جسکے لطف سے دل
کبھی آسودہ نہیں ہو سکتا، "خیر سے" کہہ کے عورت کی زبان نے محاورے کے جسم میں تازہ
جان ڈال دی ہے،

عورت خط لکھ رہی تھی کہ ابر آگیا، مور بول اُٹھا، پپیہے انار کے پیڑ پر آ بیٹھے، یہ سین جس نفاست سے دکھایا گیا ہے، اسکی تعریف کہاں تک کی جائے، وہ کس حسرت کے ساتھ کہہ رہی ہے

ابر اُمنڈ کے آگیا، روؤں گی اِسکے ساتھ میں　　اپنے جگر کے خون سے دھوؤنگی رو ہاتھ میں
بول اُٹھا وہ میرا مور، ہاتھ سے ابتو دل گیا　　مجھکو نہ مل سکو گے تم، اِسکو تو ابر مِل گیا

گھر میں ہی پیڑ انار کا، اِسپہ پپیہے آتے ہیں　　دیکھکے میری بیکسی، مجھپہ ترس وہ کھاتے ہیں
وہ نہیں بیٹھتے کبھی، پیڑ کے اوپر، آکے، چُپ　　تم کو پکارتے ہیں روز، شرم سے مجھکو پاکے چُپ

دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ غضب کا حسرت انگیز تو ہے، پپیہوں کا ترس کھانا اور بابیب عورت جو دل کے جذبات کو شوہر کے نام سے زبان پر نہیں لا سکتی، اُسکی خاطر سے پکارنا یعنی "پی کہاں" کی آواز نکالنا، ان اداؤں کا اظہار ایسی فصاحت اور لطافت کے ساتھ، یہ شاعری کیا ہے، سحر بیانی ہے،

طرز معاشرت سے ہمارے مُلک کی عورتیں جس حالت میں ہیں، اُسکی پوری داستان صرف یہ ایک مصرع کہہ رہا ہے

ع　عورت اگر میں ہو پڑی، اِسمیں مری خطا نہیں

سچ یہ ہے کہ یہ ہے تو ایک ہی مصرع، مگر ایک ہزار اشعار بھی کہے جائیں تو شاید اس کی شرح نہ ہو سکے، "ہو پڑی" کا محاورہ زبان کیا، دل سے داد دِلا رہا ہے،

درد انگیز خط کو لکھتے لکھتے عورت کا نازک دل ضبط کی طاقت کھو بیٹھا، اور اُسکے آنسو بیاختہ ٹپک پڑے، وہ اس حالت کو کس مجبوری مگر کس خوبی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے،

اشک مرے ٹپک پڑے، خط ہوا تر، میں کیا کروں　　بھیگ کے کچھ بگڑ گئے، حرف، مگر میں کیا کروں
بندھ گیا آنسوؤں کا تار، خوش ہو نہیں دیکھکر جسے　　بنگیا موتیوں کا ہار، پہنے تمہاری یاد اِسے

دوسرے شعر کی شاعرانہ نازک خیالی حضرت شوق، قدوائی کے کمال معنی آفرینی کی قطعی دلیل ہے،

"یاد" کو ہار پہنانا، اسکا مزہ سخن فہموں کے دلوں سے پوچھنا چاہئے، "میں کیا کروں" کی ردیف محاورے کی لطافت کے ساتھ مجبوری کی سچی اور دلچسپ تصویر ہے،

آخر عورت حسرت اور یاس سے مجبور ہو کے اپنی زندگی سے ہاتھ دہو رہی ہے، اور کس پُر درد آواز سے کہتی ہے،

صبر سے گذری، موت پڑا اتو جگر کرونگی میں　　اپنے بدن کی آگ سے، آپ ہی جل مرونگی میں
مجھکو یقین ہی کہ تم آکے مجھے نہ پاؤ گے　　آئے نہ پاؤگے تو کیا، میری لحد پہ آؤگے؟
فاتحہ بھی پڑھوگے تم، ہاتھ اُٹھاکے، یا نہیں　　روح کو خوش کروگے تم، پھول چڑہاکے، یا نہیں
سبزے کو دیکھنا ضرور، مجھپہ وہ بار ہو نجائے　　زم رہے، ہَرا رہے، سوکھکے خار ہو نجائے

پہلے شعر کا دوسرا مصرع، ہجر کی تب کا جو درد انگیز نتیجہ نکال رہا ہے، اسکی لطافت اداسکے بیان کی فصاحت لا جواب ہی، بیچ کے دو شعر حسرت کی کیسی دردناک تصویر کھینچ رہے ہیں، اور جو اس نظم کے خاتمہ کا شعر ہے، اس پاکیزہ شعر کو قادر سخن شاعر نے لکھکے قلم ہی توڑ دیا،

اس نظم کی داد جو کچھ میں نے دی، یہ اگرچہ اُس تخیّل کی پوری داد نہیں ہی، جسکے موجد اُردو زبان کی دنیا میں منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی ہوے ہیں، البتہ نظم کے فطری خیالات اور دل کے اصلی جذبات کا صحیح اندازہ میرے اس ریویو سے کچھ نہ کچھ ہو جائیگا، جن لوگوں نے انگریزی نظموں کو دیکھاہے، وہ انسان کے فطری جذبات اور عام طور پر نیچر کے مناظر کی قدر ضرور اُن لوگوں سے زیادہ کر سکتے ہیں، جنکی نگاہیں وہاں تک نہیں پہونچی ہیں، اور جنکے دماغ نیچر کی فلاسوفی سے ناآشنا ہیں، انگریزی میں ایسے سلسلے کے ساتھ اسقدر انسانی جذبات اور فطری حالات سے بھری ہوی نظم یقیناً نہ ملیگی، اسکے جہاں اور اسباب ہوں، وہاں ایک بڑا سبب یہ ہی کہ ایشیا کی شوہر پرست، عفّت مآب، اور باوفا عورتوں کا مذاق زندگی جسقدر پاکیزہ ہے، اسکی مثال اور کسی مُلک میں نہیں مل سکتی،

بعض نا فہم جو نیچر کی فلسفہ سے ناواقف ہیں، اور جنکی نگاہیں علوم کی منزلوں کو طے کرکے

حیاتِ انسانی کے دلی جذبات اور فطری واقعات تک نہیں پہونچی ہیں، وہ اس قسم کی نظموں کے
نازک خیالات اور لطیف معاملات کے سمجھنے ہی سے مجبور ہوں تو کیا تعجب ہے، اُنکی مثال ایسے
لوگوں سے دینی چاہیے جو بغیر بصارت کے دنیا میں پیدا ہوئے، وہ تو نہ دنیا کو دیکھ سکے نہ جان سکتے
ہیں کہ وہ کیا چیز ہے،

کوئی انسان، مرد ہو یا عورت دلی جذبات سے خالی نہیں ہوتا، یہ اور بات ہے کہ سوسائٹی کا اثر کہیں
اُسکو ایک رنگ میں ظاہر کردے اور کہیں دوسرے رنگ میں، ہندوستان کی پاکباز عورت جسکا رازدار اور جسکے
دلی جذبات سے واقف ہونیوالا سوا اُسکے شوہر کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا، وہ اگر شوہر سے بھی
جذبات کا اظہار نہ کرے تو یقیناً اُس کا دم گھُٹ جائے، اور اُسکی زندگی کو تپ دق ختم کردے،

میں نے منشی احمد علی صاحب، شوق، قدوائی، کی سب نیچرل نظمیں دیکھی ہیں، میں بلا خوف
تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ جسطرح وہ قدرت سخن سرائی سے فطری اداؤں کے دکھانے اور جذبات
انسانی کے سچے نقشے کھینچنے پر اعلیٰ درجے کی زبان کے ساتھ قادر ہیں، اسی طرح وہ سینس اور
فلاسوفی کے اہم مسائل کو سلیس اور فصیح زبان میں نظم کردینے پر بھی قادر ہیں، ان دونوں اصناف سخن
کے موجد اُردو زبان میں وہی ہوے، اور شاعری کے خزانے میں جو گراں بہا جواہر وہ بھر رہے
ہیں، ان کے اعتبار سے سخن سنجی کی تاریخ میں اُنکا نام سُنہرے حرفوں سے لکھا جائیگا، ان دو
اصناف سخن کے علاوہ اُنھوں نے بہار اور برسات کی نظموں میں جو لطف سینری کا دکھایا ہے
یا اور مختلف اقسام کی نیچرل نظموں میں اُسی نظم کے مناسب جو لطافتیں ظاہر کی ہیں اُن سبھوں
کی مجموعی حالت خود بلند آواز سے کہہ رہی ہے کہ وہ قادر الکلام ہیں، اور صرف معمولی قادر الکلام
نہیں، بلکہ فلاسوفر اور سحر البیان قادر الکلام،

میں اپنے معزز دوست مسٹر قدوائی بیرسٹر ایٹ لا سے متفق ہوں کہ عوام نے اُردو میں نیچرل
مضامین کی مٹی بہت کچھ خراب کی، آج بھی بہ کثرت ایسی نظمیں نظر آتی ہیں، جو شاعری کو بدنام
کررہی ہیں، لیکن تمام دنیا شوق، قدوائی نہیں ہوسکتی ہے، اردو شاعری کا نصیب پھر بھی اچھا

ہے، کہ آخر وہ حضرت شوق، قدوائی کا سا بلند پایہ شاعر نیچرل نظموں کیلئے پا ہی گئی، ورنہ خدا جانے فطرت کی مٹی کب تک خراب ہوتی،

اب میں اس ریویو کو ختم کرتا ہوں اور یہ ظاہر کیئے دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام نظم، فصیح زبان، لطیف خیالات اور حیاتِ انسانی کے فطری جذبات سے بھری ہوی ہے، لیکن بہ زیادہ طوالت کے خیال سے صرف چند اشعار ہی پر ریویو کرسکا، اس سے پورا نہیں تو ایک حد تک اس اُردو نظم کی بلند شاعری اور فطرت انسانی کی پُر اثر کششوں کا اندازہ مل جائیگا،

راقم، محمد سلیمان، بیرسٹرایٹ لا

غزل

اگر ظہور تجلی بخواب خواہی کرد — خوشم بخواب کہ رُخ بیحجاب خواہی کرد
مشو بغفلت دنیا کہ خواب راحت نیست — بہوش باش کہ بسیار خواب خواہی کرد
بدورِ حسنِ تو طرفے نہ بست عالم خاک — بحیرتم چہ بحشر انقلاب خواہی کرد
مدام خاک نشینِ درت ازاں ہستم — بود کہ ذرہ بمہر آفتاب خواہی کرد
اگر بہ طرّہ چنیں بوے عنبریں داری — دگر بہ نافہ با خوں شکتاب خواہی کرد
نگاہ منت بطرف کہ می نہی ساقی — کرا بہ بزم حریفاں خراب خواہی کرد
تمام ظلمِ تو از حد گزشت می ترسم — چہ عذر جرم بروزِ حساب خواہی کرد
بشوقِ دید تر ایک جہاں پُر آشوب ست — ازیں بیچ بیش بگو در حجاب خواہی کرد

دمیکہ حیدریت را کنند زیر زمیں
مدد باو توچہ لے بوتراب خواہی کرد

سید ولایت علی فردوس وحیدری سبزواری

باغِ خزاں رسیدہ

کیا ہوئی باغ کی بہار، تھی جو بہت ہی دلفریب ہو گئی عندلیب زار، اسکو نہیں رہا شکیب

ہائے چمن ہرا بھرا آج اُجڑ گیا تمام عیش و نشاط کیلیے اب یہ نہیں رہا مقام

جسنے چمن بنا چمن اُنکا بھی حال ہے زبوں پیڑ کھڑے ہیں دم بخود اور ہے سایہ سرنگوں

فصلِ بہار جا چکی اب تو خزاں کا زور ہے گر گئے ہوکے برگ زرد انہیں فغانکا شور ہے

پیڑ برہنہ ہیں کھڑے، اور یہ بے بسی میں ہیں اب نہیں پوچھتا کوئی اور یہ بے کسی میں ہیں

اِنکا لباسِ تھا جو سبز آج اُتر گیا ہے وہ گل نہیں فرقِ شاخ پر، تاج اُتر گیا ہے وہ

تھی جو ہوا میں دلکشی فصل خزاں میں اب کہاں موسمِ گل میں تھا جو لطف تو وہ جہاں میں اب کہاں

فصل بہار میں جو تھا صحن چمن ہرا بھرا رونق و زینت اب وہاں نام کو بھی نہیں ذرا

غنچے نہ آئیں نخل میں پھر ہو چٹک تو کسکی ہو گل نہ لگیں جو پیڑ میں پھر ہو مہک تو کسکی ہو

پھل نہیں شاخ نخل میں اور نہ برگ ہی رہے جور خزاں کے باغ میں کوئی کہاں تلک سہے

ڈر ہے مجھے جو تتلیاں پھول کا رس نپائیں گی انکی غذا تو ہے یہی بھوک سے مر نہ جائیں گی

تھا جو ہجوم طائراں منتشر آہ! ہو گیا سارا چمن اُجڑ گیا اور تباہ ہو گیا

طائر خوش نوا تمام دور خزاں سے اڑ گئے سُونا یہ اور ہو گیا، باغ جو چھوڑ کر گئے

تھا جو کبھی ہجوم عیش اب وہ جگہ اُداس ہے دل جو بہلتا تھا کہیں آج وہاں ہراس ہے

باغ تو ہے وہی جو تھا شکل بدل گئی مگر — دل نہ لگے یہاں تو آئے سیر کو کیا کوئی بشر
فصل بہار میں کوئی تھا جو مقام پُر فضا — اسکو جو دیکھیئے تو بس وحشت دل ہوا بجا
ہوں یہ شریک وقت بد کیا ہوے باغباں تمام — دیکھے خزاں کو دسترس چل دیے یہ کہاں تمام

محوی خستہ دل چلو روئیں خزاں کی جانکو
جس نے اُجاڑ کر دیا آ کے یہاں جہان کو

محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی

مسئلۂ ازدواج

(نمبر ۳)

دنیا میں انسانی خود پسندی نے جو خوفناک نتائج پیدا کیے ہیں اُسکی بدترین مثال ذاتوں کی تفریق بھی ہے۔ جسنے شرافت اور بزرگی کا معیار نفوس کی پاکیزگی اور کیرکٹر کی بہتری کی بجاے وراثت و خاندانی وجاہت سے تبدیل کر دیا ہے۔

ایک سید اسوجہ سے شریف سمجھا جاتا ہے کہ اُسکے مورثِ اعلیٰ کی شرافت اور بزرگی کو دنیا تسلیم کر چکی ہے۔ اور غالباً وراثت کے اثر نے مورث کی خوبیوں کو وارث کے خون میں ضرور منتقل کیا ہوگا۔ اگرچہ یہ قیاس بیجا نہیں ہے۔ تاہم قیاس ہے۔ جسکا صحیح ہونا لازمی نہیں اگر مشاہدہ و واقعات سے اس کی تردید کر رہا ہو تو یہ شرافت محض ظنی اور خیالی ہوگی۔ ایک ادنےٰ قوم کا شخص جسکا چال چلن پاکیزہ اور جسکے صفات معصومانہ ہیں۔ بمقابلہ اُس اعلیٰ قومیت والے کے ہر طرح شریف ہے جسکی بدکرداری و بداطواری کو تجربہ ثابت کر چکا ہو۔ سورۂ حجرات کے پہلے رکوع میں

یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

لوگو ہمنے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تمہاری ذاتیں اور گوتیں ٹھیرادیں کہ ایکدوسرے کو پہچان سکے لیکن تم میں شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کسی سلیم الطبع انسان کا ضمیر اسکو قبول نہیں کرسکتا کہ ایک شخص جو ہر طرح نیک خصال - پاکیزہ مزاج - غیور طبیعت - شریف دل ہے - محض اس بنا پر کہ وہ ایک مخصوص خاندان میں پیدا ہوا ہے باوجود اپنی بہترین صفات کے اعلیٰ سوسائٹی میں شامل نہ کیا جائے - اور بغیر کسی نقص کے وہ زمرۂ شرفاء سے خارج کردیا جائے -

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کو بھی اپنے نسب پر فخر ومباہات کرنیکا مرض تھا - جسکا سبب یہ ہے کہ اسوقت یہ لوگ نہایت غیر متمدن اور منتشر حالت میں تھے - ہمیشہ مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں لڑائیاں رہتی تھیں اور نسلاً بعد نسلاً یہ مخالفت کی آگ بھڑکتی رہتی تھی - ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا رہتا تھا - ایسی حالت میں اُنکے لیے یہ نسب دانی ضروری تھی - اس سے اُنمیں جوش پیدا ہوتا تھا - اور متخاصمین کے مقابلہ میں اُن کی جنگجو طبیعتوں کو تحفظ نسب کی ضرورت تھی -

لیکن جب اسلام نے سایۂ رحمت بنکر اس وحشت خیز دَور کا خاتمہ کیا تو سب کو ایک اسٹیج پر لا کر کھڑا کردیا - اور اُنمیں برادرانہ محبت پیدا کرکے مساوات کی برکت پھیلا دی - اور صاف کہدیا کہ "دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست" دیکھو سورۂ حجرات کا پہلا رکوع -

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم — مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں انمیں صلح

واتقوا اللہ لعلکم ترحمون — کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تمپر رحم کیا جائے

لیکن زمانۂ موجودہ کے مسلمانوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس قومی شیرازہ کو منتشر کرکے علٰحدہ علٰحدہ ذاتوں پر اُسکے اجزا تقسیم کررہے ہیں - اور اس اسلامی ملت میں تفرقہ اندازی کو تحفظ شرافت قرار دیے ہوئے ہیں -

ہندوستان میں جب ستی کی قدیم رسم جاری تھی تو بیوہ ہوجانیوالی عورتوں کو اپنے خاوندوں کی نعش کے ساتھ خوش و ناخوش جل مرنا پڑتا تھا - یہی حالت زمانۂ موجودہ میں ان مردوں عورتوں کی ہے جو رسم و رواج کی پابندیوں کی وجہ سے غیر خاندانوں اور دوسری

ذاتوں میں تزویج و مناکحت سے ممنوع ہوکر بادل ناخواستہ اپنی ہی ذات و برادری میں تعلقات زن وشوئی قائم کرنے پر مجبور کردیے گئے ہیں۔ بعض صورتوں میں یہ تو ممکن ہے کہ اپنے گھرانے اور ہڈی کو چھوڑکر کسی دوسرے خاندان میں عقد کرلیا جائے۔ لیکن یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ دوسری برادری میں ازدواجانہ تعلقات قائم کیے جائیں۔ یہ انتہائی وسعت حلقۂ انتخاب کی ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ باوجود اس علم کے کہ مذہب نے تمام مسلمانوں کو بھائی بنایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی حتیٰ کہ ایک زبردست ملحد ایک پکا کافر جسوقت اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ اسلامی جمعیت میں بالکل دیگر افراد کا ہمرتبہ اور اُنھیں میں کا ایک ہوجاتا ہے۔ اُسپر بلا کسی امتیاز کے مذہبی احکام جاری ہوتے ہیں۔ شریعت اوسمیں اور دیگر مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں کرتی۔

یہ ایک کھُلی ہوی بات ہے کہ وسعتِ انتخاب جسقدر محدود کی جائیگی۔ اُسیقدر انتخاب میں نقص بڑھتا جائیگا۔ فرض کیا جائے کہ ایک شہر میں ۴ ہزار مسلمان رہتے ہیں۔ اب بلا امتیاز اُنمیں ایک مرد اور ایک عورت باعتبار تقابل عقد کیلیے منتخب کیے جائیں اور اُسیکے مقابلہ میں ان چار ہزار مسلمانوں کو مختلف ذاتوں پر یا کم ازکم چار ذاتوں پر تقسیم کرکے صرف ایک ہزار میں سے انتخاب کیا جائے تو لامحالہ یہ پہلا درجۂ انتخاب دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مناسب ہوگا۔

اہل عرب اپنی جہالت اور مخاصمانہ طبائع کے باوجود جس نے ایام جہالت میں بھی اُنکو اپنے تئیں تمام قوموں سے شریف سمجھنے کا عادی بنا رکھا تھا۔ معاملات ازدواج میں ایسی اہم غلطی نہ کرتے تھے۔ بلکہ اکثر اشخاص غیر قرابت داروں کو قرابت داروں پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا یہ فقرہ مشہور ہے، الغرائب و القرائب

نیز وہ اس طبی اصول سے بھی آگاہ تھے کہ اپنی قرابت دار عورتوں سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لاغر و کمزور رہتا ہے۔ یہ خیال اسقدر عام تھا کہ شعرا تک نے اسپر قلم فرسائی

کی ہے - ایک عربی شعر ہے ؎

فتی تلدہ بنت عم قریبۃ فیضوی فقد یضوی رویدالقرائب

جو شخص کہ قریبی چچا کی لڑکی سے پیدا ہوگا وہ لاغر ہوگا اور قرابت دار سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لاغر ہوتا ہے۔

اسلام کا عام حکم اس بارہ مین یہ ہے کہ بجز محرمات شرعیہ کے جنکی تفصیل بتا دیگئی ہے۔ اور تمام عورتون سے بلا استثنار و تخصیص قوم جسکو چاہو زوجیت کیلئے انتخاب کرو۔ کیونکہ اگر کوئی خاص قید لگادی جاتی کہ مخصوص اپنے ہی قبیلے یا برادری مین عقد کرو تو مذہب پر وہی الزام عائد ہوتا۔ جسکا بار آج رسم و رواج کے سر پر ہے اسلام جیسا برکت پھیلانیوالا اور برگزیدہ مذہب جس نے حسن معاشرت کو بدرجۂ اعلیٰ درست کیا ہے اپنی الہامی کتاب مین صاف یہ حکم دیتا ہے۔

واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا جو عورتین تم پر حرام کیگئی ہین انکے علاوہ سب عورتین تمہارے لیے حلال ہین بأموالکم محصنین غیر مسافحین بشرطیکہ شہوت رانی کیلئے نہین بلکہ پاکدامنی کی غرض سے تم مہر دیکر نکاح مین لانا چاہو

چنانچہ نبی اکرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کی پہلی شادی زید ابن حارثہ سے کی جو آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت شہر بانو ایک مفتوحہ قوم کی شہزادی تھین۔ جو خاندان رسالت مین بلا کسی امتیاز کے داخل کی گئین سلاطین عباسیہ کی بہت سی لڑکیان نو مسلمون کے عقد مین آئین۔ ہندوستان کے ابتدائے عہد اسلام مین جو غلام تخت سلطنت پر متمکن ہوے بادشاہون کی دامادی کا فخر انہین حاصل ہو چکا تھا۔

ایک اور اہم غلطی حلقۂ انتخاب کے کم کرنے مین یہ کی گئی ہے کہ بیوہ عورتین اور زنان مطلقہ اس دائرہ سے خارج کردی گئی ہین اور نہایت سختی و پابندی کے ساتھ عقد کرنے مین عورت کے لیے دوشیزہ ہونا لازمی قرار دے رکھا ہے کبھی اسکی پرواہ نہین

کی جاتی کہ ایک مطلقہ یا بیوہ عورت جسمین بہمہ صفت وہ باتین موجود ہون جنسے زوجین کی آیندہ زندگی پُرلطف اور قابل رشک زندگی ہو سکتی ہے۔ اس سے نکاح کیا جای بلکہ بمقابلہ اُسکے ایک دوشیزہ لڑکی کو خواہ وہ دیگر اعتبارات سے کیسی ہی کم درجہ پر کیوں نہو ترجیح دیجاے گی۔

سب سے زیادہ تعجب اُن لوگون پر ہوتا ہے جنکی پہلی بی بیان مرجاتی ہین۔ وہ بھی عقد ثانی کے لیئے ہمیشہ دوشیزہ عورتون کے خواہشمند ہوتے ہین۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ جذبات بہیمیہ کے اسقدر شکار ہوگئے ہین کہ احساسات لطیفہ کا انمین اثر باقی نہین رہا۔

کیا یہ ایک عورت کی توہین نہین ہی کہ اُسکے بیوہ ہو جانے کی وجہ سے اُسی ایک مستعلہ اور ناکارہ چیز سمجھکر نظرون سے گرادیا جاے۔ اور اسکی باطنی خوبیون اور اندرونی دلچسپیون کو بکراہت رد کردیا جاے۔ اس بارہ مین مردون کے دامن اخلاق پر ایک نہایت بدنما دہبہ لگا ہوا ہے۔ جسکی تفصیل اسی نتیجہ پر مختتم ہوتی ہی جہان عورت درجہ انسانیت سے خارج کی گئی تھی۔

عورت و مرد کی ترکیب نوعی بتلا رہی ہی کہ عالم انسان مین تعلقات زناشوی اقتضای فطرت کا لازمی نتیجہ ہین اور یہ ایک ایسا دلچسپ سلسلہ ہی جسنے بقاے نسل کے علاوہ نفوس انسانی کو ایک پرلطف و متمدن زندگی عطا کی ہی اگر سوے اتفاق سے یہ سلسلہ ٹوٹ جاے تو باقتضاے متمدن انہ سرنو قائم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ بمقابلہ انفرادی زندگی کے دو وابستگان قسمت ایک دوسرے کے غمگسار۔ شریک رنج و راحت۔ اور باہم شفیق و مونس ہوکر مراحل حیات کو طے کرتے ہین۔

رسم و رواج نے عقد بیوگان کے مسئلہ کو جسقدر تاریکی مین چھپا یا ہی اور جس پابندی کے ساتھ لوگون نے بیواؤنکی زندگی کو عذاب الیم مین ڈالدیا ہی اس سے نرپلوہ کوئی وحشت خیز

تصور انسانی ذہن مین نہین آ سکتا۔ درانحالیکہ مذہب نے بہت زور کے ساتھ اس کا حکم دیا ہی۔ انکحو الایامیٰ منکم۔ سورہ نور۔ رکوع ۴۔ اور شارع علیہ السلام نے اپنے طریق عمل سے اس کی نہایت زبردست تائید فرمائی ہے۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا جو بیوہ تھین۔ اور پہلے خاوندون سے اولاد بھی ہو چکی تھی۔ حضرت زینب جن کے نکاح کا ذکر قرآن شریف مین بھی ہے۔ حضرت زید کی مطلقہ تھین۔ اور سوای حضرت عایشہ کے جملہ امہات المومنین مین سے بحالت دوشیزگی کسی ایک کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہین ہوا۔

ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمان جنہون نے اپنے مذہب سے حسن معاشرت کی بہترین ہدایتین حاصل کی ہین۔ ازدواجانہ پیچیدگیون اور کلفتون مین مبتلا ہو سکتے ہین۔ مگر نہایت افسوس ہے اون پیروان اسلام پر جو دوسرون کی دیکھا دیکھی غلط راستون پر ہوئے۔ اور باوجود جگہ جگہ ٹھوکرین کھانے کے پھر بھی سنبھلنے کا نام نہین لیتے مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے میرے ایک پرائیویٹ خط کے جواب مین ایک موقع پر لکھا تھا۔

"قومیت اور حلقۂ ازدواج کے وسیع کرنے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان ابھی تک اسکو محسوس نہین کر سکے اور ان کا معمول ہی کہ ہر چیز کو اسوقت محسوس کرتے ہین۔ جب سخت نقصان برداشت کر چکتے ہین۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ مصلحون اور مقتداؤن کے عمل مین اور مذہب مین فرق ہے۔ ایک مولوی صاحب زبان سے کہینگے، فانکحوا الایامیٰ" مگر انکی بیوہ بیٹی کے لیے پیام دیا جائے تو لڑنے کو تیار ہو جاینگے لہذا سواے اسکے کوئی علاج نہین ہے کہ ایک سوسائٹی صحیح اصول پر ایسی قائم کیجائے جو عملاً ایک اسلامی برادری قائم کرے"!

اس مین شک نہین کہ مسلمان بہت ہی دیر مین اپنی نفع نقصان کو محسوس کرتے ہین وسیع النظر اصحاب سی یہ امر پوشیدہ نہین کہ بہت سے قومی و ملکی معاملات مین مسلمان بہت ہی دیر مین چونکے ۔ اور اپنی اس غفلت کا بہت ہی بڑا خمیازہ اُٹھایا جسکی تلافی کے لیے بہت ہی زمانہ درکار ہوگا ۔ اور اگر سچ پوچھیے تو کبھی اُسکی تلافی ہو بھی نہین سکتی ۔ کیونکہ تکمیل ناقص ہو چکنے کے بعد اصلاح ناممکن سی ہو جاتی ہی ۔

ارشد تھانوی

خبرین

صوبۂ اودھ کے لیے عموماً اور خطۂ بلگرام کے لیے خصوصاً شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی کی ذات اپنے مراتب علمی اور منزلت ادبی کی وجہ سے جس قدر مایۂ ناز اور موجب افتخار تھی اُسی نسبت سے آپ کی وفات حسرت آیات یہان کے لوگون کے لیے رنج و غم کا سبب ہوئی حقیقت یہ ہے کہ مرحوم اپنی فضیلت علمی کی وجہ سے علے العموم اور السنۂ مختلفہ و کثیرہ مین درک رکھنے کی وجہ سے علے الخصوص ایک ایسی خصوصیت کے مظہر تھے جو کم سے کم موجودہ ہندوستان مین تو ضرور شان یکتائی رکھتی تھی ۔ مرحوم کے سوانح زندگی اردو اخبارات کے ذریعہ سے اس درجہ شہرت پذیر ہو چکے ہین کہ یہان اعادہ کی ضرورت نہین پس ہم مرحوم کے پسماندگان کی خدمت مین دلی ہمدردی کے اظہار پر اکتفا کرتے ہین ۔

۲۴ ۔ اپریل کو نیویارک کے ایک مشہور کتب خانہ کا نیلام شروع ہوا یہان انجیل کا وہ نسخہ بھی موجود تھا جو مسٹر ہو مالک کتب خانہ نے بمقام لندن چار ہزار پاونڈ مین خرید کیا تھا ۔ اس روز کے نیلام مین یہی نسخہ دس ہزار پاونڈ پر فروخت ہوا ۔ یون تو یورپ و امریکہ کے باشندے قدیم کتابون کتبون اور تصویرون کو بڑی بڑی قیمتون پر خریدنے کے لیے مشہور ہین لیکن جس قیمت پر یہ نسخہ فروخت ہوا ہے آجتک کوئی کتاب نہین بکی اور اس وجہ سے مسٹر ہنٹنگٹن جنھون نے یہ نسخہ حاصل کیا ہے گویا دنیا بھر مین سب سے زیادہ قیمتی کتاب کے مالک ہونے کی عزت رکھتے ہین

گذشتہ

الناظر کے بہت کم باقی رہے ہین۔ چھ چھ مہینہ کے پرچونکی جلدین طیار ہوئی ہین اور ہر جلد قسم اول کی للعہ ہین اور قسم دوم کی عار مین ملسکتی ہی بعض مہینونکے متفرق پرچے بھی ہین قسم اول کے ۱۲ ار اور قسم دوم کے ۶ ار فی پرچہ کے حساب سے ملسکتے ہین

منیجر الناظر لکھنؤ

عصمت

ایک زمانہ معترف ہی کہ عصمت خواتین کے مطالعہ کیواسطے ایک نعمت ہی۔ اخبار مشرق کی رای ہی کہ یہہ رسالہ ہماری خواتین کیواسطے ازحد مفید ہی۔ کنواری لڑکیون کو فرمانبردار بیویان سلیقہ شعار گھر والیان بنائیگا۔ تہذیب خانہ داری کھانا پکانا سینا پرونا۔ اخلاق۔ ادب۔ مذہب سکھائیگا۔ غرض چار آنہ مہینہ اور تین روپیہ سال مین ۴۸ صفحہ کا رسالہ جسکا سرورق سنہری ہی بیش قیمت ایک نعمت ہی ہندوستانکی اعلی قابلیت رکھنے والی بیگمات اسکی نامہ نگار ہین نمونہ کا پرچہ ۳ قیمت سالانہ باتصویر ۔ دفتر رسالہ عصمت دہلی سے طلب کیجیے

شا ولیس کمپنی مالکان کانہا سے کوئلہ بنگال

ہمارا جھریا کا کوئلہ نہایت اعلی قسم کا ہی تمام ریلوی کمپنیان خریدا کرتی ہین۔

اسٹیم کول کارخانون اور ریلوی کے واسطے

کوک سخت ڈھلائی کے کام کے واسطے

کوک نرم لکڑی مین جلانے اور کھانا پکانے کے واسطے

کوئلہ کا چورہ اینٹ اور چونے کے پکانے کے واسطے

ہر قسم کا کوئلہ نہایت کفایت سے ملسکتا ہی۔ نمونہ طلب کیجیے اور نرخ طلب فرمائیے۔

موٹر کار کے لیے پٹرول (تیل) اسکا رکھانا سرٹیفکر اور کفایت آپکو کہین نہ ملیگا۔

فرمایشات پتہ ذیل سے آنی چاہیئے۔

ایجنٹ شا ولیس کمپنی نمبر ۱۳ سول لائنز آگرہ

بخار اور طاعون کی ابتدائی حالت مین

باٹلیوالا کی بخار کی دوائی یا گولیان استعمال کیجیے قیمت ۱ر

مہینہ کے لیے باٹلیوالا کا ٹانک بہترین دوا ہی قیمت ... ۱ر

باٹلیوالا کا خضاب جسمین نیا اضافہ ہوی ہین۔ سفید بالون کو اپنی قدرتی رنگ مین لے آتا ہی قیمت ۱ر

باٹلیوالا کی مقوی گولیان۔ اعصاب کی کمزوری اور سستی بے طاقتی کو دور کرتا ہی قیمت ۱ر

باٹلیوالا کا سفوف دندان دیسی اور ولایتی دواؤن سے تیار ہوا ہی یا جپل وکار بولک ایسڈ کے مانند اجزا اسمین شامل ہین قیمت فی پیکیٹ ... ۴ر

باٹلیوالا کا کیڑونکا مرہم۔ ایکدن مین اچھا کر دیتا ہی قیمت ۴ر

یہ ادویہ ہر جگہ ملتی ہین اور مشتہر سے بھی ملسکتی ہین۔

ڈاکٹر ایچ ایل باٹلیوالا دار لیبوریٹری دادر بمبئی

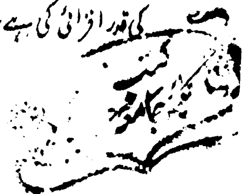
اتفاق سے مسٹر ہونے جن صاحب سے یہ نسخہ خرید کیا تھا وہ بھی نیلام مین موجود تھے - اس روز کے نیلام مین جس قدر کتابین فروخت ہوئین اونکی مجموعی قیمت ۲۶۹۷۳ پاونڈ تھی جسمین سے ایک کتاب ۲۴۰۰ پاونڈ پر اور دوسری ۱۱۰۰ پاونڈ پر چھوٹی - خوش نصیب ہین اس ملک کے باشندے جہان علم کی قدر و منزلت کی یہ حالت ہے - اور با اقبال ہے وہ قوم جسکے شوق علم کی یہ حقیقت ہو -

---

برٹش موزیم مین مطبوعات مشرقی کا جو محکمہ ہے اُسکے منتظمین کو حال ہی مین دیوان حافظؒ کا ایک نہایت ہی نادر نسخہ ہاتھ لگ گیا ہے اس بیش بہا نسخہ مین ۲۷۸ اوراق اور ۹ تصاویر ہین جن مین سے سات عہد اکبری کی وضع مین اور ایک قدیم ایرانی طرز کی ہی - کتابت کا زمانہ تحریر سنہ ۱۶ء ہے - ان تصاویر سے اکثر اُن واقعات پر روشنی پڑتی ہی جنکو شاعر نے بکمال فصاحت اشعار مین نظم کیا ہے اور دلاویزی - سبکدستی اور خوشنمائی کی جتنی خوبیان اعلیٰ درجہ کی تصاویر مین ہونا چاہئے وہ سب انمین موجود ہین - اس سے قبل اسی محکمہ نے نظامی کے پنجۂ نگارین کا ایک نسخہ خرید کیا تھا جس مین اکثر تصاویر مشہور مصور بہزاد کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تھین - اس مین وہ تصویر خاص طور پر قابل تذکرہ ہے جسمین مصور کا عنقاے خیال اسقدر بلند ہو نچا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی تصویر کھینچ لایا - یہ کتاب شاہان مغلیہ کے کتب خانہ مین تھی اور اوسپر شاہ جہان کے دستخط ثبت ہین -

ناظرین الناظر یقیناً یہ معلوم کرکے خوش ہون گے کہ برطانیہ اعظم کی روائل ایشیاٹک سوسائٹی نے جو مشرقی علوم کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے ہماری خاص شکریہ کی مستحق ہو حال ہی مین الناظر کے پروپرائٹر اور ہمارے واجب الاحترام بزرگ جناب منشی سخاوت علی صاحب کو اپنا رکن بنا کر اُنکی اُس علمی ذوق وشوق کی قدر افزائی کی ہے جو ہر ہر قدم پر الناظر کے لیئے شمع طریقت ثابت ہوا ہے -

---



کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا پچیس برسوں سے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے، اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کر کے تھک گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجئے، اس دوا میں چند فائدے لاجواب ہیں، یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلیے اس کی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہے اور خون کو گاڑھا کرتی اور اُس کی خرابیوں کو مٹاتی ہے اور تلی کو گلاتی ہے۔

قیمت - بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴ر محصول ڈاک ۶ر دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸ر

قیمت - چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸ر محصول ڈاک ۵ر دو شیشی تک چھ آنہ ۶ر

جناب پنڈت راج گوپال بھاسٹے ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول میلاگاؤں کالیا برار سے لکھتے ہیں کہ آپ کی بخار کی دوا میں اپنے دوستوں اور طالب علموں کو دو برس سے دے رہا ہوں بڑی خوشی کی بات ہے کہ کہیں بھی ناکامیاب نہیں ہوئی اس کی یہی تعجب خیز صفت ہے۔ مفلسات کے غریب آدمیوں کیلئے آپنے گویا آب حیات بنایا ہے

جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ہندور ضلع باندہ سے لکھتے ہیں، چار شیشی جو آپ کی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے۔

جناب بابو چھمن لال اسٹیشن ماسٹر سکندرہ ضلع گڈہ سے لکھتے ہیں کہ آپ کی دوا سے بہت فائدہ ہوا۔

جناب ملک یوسف شاہ مدرس کاسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہیں دو شیشی تاپ تلی کی آپ کے یہاں سے منگوائی تھیں اس سے دونوں مریض اچھے ہوگئے جو قریب المرگ تھے۔ دوا نے جان بخشی، آپ کو مریض دعا دیتے ہیں۔

جناب شیو دیو پرشاد ہیڈ ماسٹر مڑے نگر اسکول سے لکھتے ہیں بخار جاڑے کی دوا جو میں نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے، دی، تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک میں مریض مرض سے نجات پا گئے، اس میں شک نہیں کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے میں قابل تعریف ہے، آپ ایسی نیکی کرنیوالے کا از بسکہ شکرگزار ہوں۔

جناب کالی رام نند برہمن بھرون ضلع مندسو سے لکھتے ہیں آپ نے فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہے ہم کہاں تک تعریف کریں۔

جناب رام پرشاد انسپکٹر انس زپور سے لکھتے ہیں میں آپکا از بسکہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ فقط دو یوم میں جاتا رہا فقط

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵-۶ تارا چند ر اسٹریٹ کلکتہ

مطبع الناظر پریس میں منشی سخاوت علی سکریٹری فلاور ملز نے چھپوایا اور شایع کیا